غیروں کی مُشابہت

اصُول • حدُود • تطبیقات

تقریظ

حضرت مولانا و مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم دیوبند

تالیف

مُفتی محمد ثاقب قاسمی فتحپوری
خادم التدریس والافتاء، الجامعۃ العربیہ معراج العلوم، چیتا کیمپ، ممبئی

مکتبۃ الحرمین دیوبند

غیروں کی مشابہت

اصول، حدود، تطبیقات

تقریظ

بقیۃ السلف حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

تالیف

مفتی محمد ثاقب قاسمی فتح پوری
خادم التدریس والافتاء معراج العلوم چیتا کیمپ ممبئی

© جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب: غیروں کی مشابہت
مؤلف: مفتی محمد ثاقب قاسمی فتح پوری
صفحات: ۳۵۰
سن اشاعت: ۱۴۴۵ / ۲۰۲۳
تعداد: گیارہ سو
قیمت:
ناشر: مکتبہ الحرمین دیوبند، مکتبہ المعراج ممبئی
ڈیزائننگ: محمد وسیم اکرم قاسمی
ملنے کا پتہ: مکتبہ الحرمین دیوبند، مکتبہ المعراج ممبئی

فہرست

تقریظ: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم ۱۰
تقریظ: حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی مدظلہ ۱۱
تقریظ: حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری ۱۳
تقریظ: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی ۱۷
دعائیہ کلمات: حضرت الحاج قاری محمد صادق صاحب ۲۰
عرض مرتب ۲۱
تشبہ کی تعریف ۲۶
تشبہ سے قریب ترین دیگر الفاظ ۲۹
ممانعت تشبہ کی حکمتیں ۳۲
کیا تشبہ کے لئے قصد ضروری ہے ۳۷
قصد کی قسمیں ۴۵
اس کی نظیر ۴۶
تشبہ اور قرآن کریم ۵۳
تشبہ اور احادیث نبویہ ۶۲
طہارت ونظافت وغیرہ ۶۹
گھر کا صحن صاف رکھنے کا حکم ۶۹
پرندوں کی طرح لمبے ناخن رکھنا ۷۰

حالت حیض میں بیویوں کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دینا	۷۱
برتن کے استعمال میں تشبہ	۷۶
اذان واوقات نماز وغیرہ میں تشبہ	۷۷
اذان کی مشروعیت کا آغاز	۷۷
مغرب کو عشاء اور عشاء کو عتمہ نام رکھنے کی ممانعت	۷۹
مغرب کی نماز میں تعجیل	۸۱
اوقات مکروہہ میں نماز	۸۲
مسجد میں محراب بنانا	۸۴
کیفیت صلوۃ میں تشبہ	۸۶
نماز میں کتے کی طرح بیٹھنا (اقعاء الکلب)	۸۶
اقعاء کی تعریف	۸۷
سجدے میں کلائیوں کو بچھانا	۹۰
نماز میں جانوروں کی صفات اختیار کرنا	۹۲
نماز میں سدل کی ممانعت	۹۴
نماز میں کسی ایک پیر پر کھڑا ہونا	۹۶
تمایل کا مطلب	۹۷
آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا	۱۰۰
نماز میں تشبیک	۱۰۱
نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا	۱۰۴
اختصار کا مطلب	۱۰۵
اشتمال صما کی ممانعت	۱۰۸

اشتمال صما کی تعریف	۱۰۹
راجح تعریف	۱۱۰
نماز میں جوتے چپل اتارنے کا حکم	۱۱۵
متعلقات جنازہ میں تشبہ	۱۱۹
جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا	۱۱۹
قبر بغلی ہو یا صندوقی	۱۲۳
جنازہ کے پیچھے آواز بلند کرنا	۱۲۵
جنازہ بہت آہستہ لے کر چلنا	۱۲۶
روزوں میں تشبہ	۱۲۹
سحری کھانے کا حکم	۱۲۹
یوم عاشورہ کا روزہ	۱۳۱
تنہا دس محرم کا روزہ	۱۳۶
تنہا دسویں کا روزہ نہ رکھنے کی علت	۱۴۰
علت تشابہ کی تصریح	۱۴۶
ایک اشکال	۱۵۰
علامہ کشمیریؒ کی تطبیق	۱۵۳
صوم وصال کی ممانعت	۱۵۹
صوم وصال کی تعریفات	۱۶۰
حج میں تشبہ	۱۶۳
عرفات سے واپسی رطلوع شمس سے پہلے مزدلفہ سے منی جانا	۱۶۶
كتاب الحظر والإباحة	۱۶۸

بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا	۱٦۸
تلفظ کے بغیر صرف اشارے سے سلام	۱۷۰
دھوپ اور سایے میں بیٹھنا	۱۷۲
داڑھی اور سر کے بالوں میں خضاب	۱۷۴
داڑھی رکھنے کا حکم	۱۸۰
گدی کے بال کٹوانا	۱۸۵
قزع کی ممانعت	۱۸۷
وصل شعر کی ممانعت	۱۹۲
چاندی کے علاوہ دوسری دھات کی انگوٹھی	۱۹۵
ایسی چیز کا استعمال جس میں معبودان باطلہ کی تصویر ہو	۱۹۸
فارسی کمان کی ممانعت	۱۹۹
مردوں کے لیے زعفرانی رنگ کا لباس	۲۰۰
مردوں کے لیے سرخ رنگ کا لباس	۲۰۳
یہودیوں کی طرح چوغا پہننا	۲۰۷
زین پر رکھنے کے لیے عجمیوں کی طرح گدی بنانا	۲۰۸
درندوں کی کھالیں	۲۱۱
عجمیوں کی طرح استر لگانا	۲۱۲
مخصوص نشان وعلامات	۲۱۳
سر کا لباس	۲۱۵
عورتوں کی مردوں کے ساتھ مشابہت	۲۱۷
من تشبہ بقوم فہو منہم کی تحقیق	۲۳۳

حدیث کی تخریج	۲۲۵
حدیث کے طرق	۲۲۶
پہلا طریق	۲۲۶
دوسرا طریق	۲۲۹
تیسرا طریق	۲۳۰
چوتھا طریق	۲۳۱
تشبہ اور سلف	۲۳۲
تشبہ اور مذاہب اربعہ	۲۴۲
مالکیہ	۲۴۲
حنابلہ	۲۴۴
شوافع	۲۴۴
حنفیہ	۲۴۵
کیا کفار کے مذہبی شعائر کو اختیار کرنا کفر ہے؟	۲۴۷
اطلاق کفر کی شرائط	۲۵۱
کیا مذکورہ عبارات میں کفر کا اطلاق محض تہدیدی ہے؟	۲۵۳
حضرات فقہاء کرام کے ذکر کردہ الفاظ کفر کی فقہی حیثیت	۲۵۴
پہلا موقف	۲۵۴
دوسرا موقف	۲۵۵
علامہ بزازی رحمہ اللہ کا موقف	۲۵۵
علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کا فیصلہ	۲۵۶
اعتدال پسندانہ موقف	۲۵۷

تشبہ کے فقہی مراتب:	۲۵۹
اضطراری امور	۲۵۹
اعتقادی امور	۲۶۱
تعبدی امور	۲۶۲
معاشرتی امور	۲۶۲
قبیح بالذات امور	۲۶۳
مباح بذات امور	۲۶۳
غیر شعار اشیاء	۲۶۵
غیر متبادل اشیاء	۲۶۶
اپریل فول	۲۶۷
تاریخی حیثیت	۲۶۷
اپریل فول نصاری کا مذہبی شعار	۲۷۰
ویلین ٹائن ڈے	۲۷۲
تاریخی روایات	۲۷۳
اللجنة الدائمة کا فتویٰ:	۲۷۸
برتھ ڈے	۲۷۹
کرسمس کی حقیقت	۲۸۵
عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت	۲۸۸
انجیل لوقا کے بیان کا تجزیہ	۲۹۶
بسنت ایک تحقیقی جائزہ	۳۰۰
اس تہوار کا پس منظر	۳۰۰

بسنت کے ہندوانہ تہوار ہونے کے دلائل	۳۰۳
پہلی دلیل	۳۰۳
دوسری دلیل	۳۰۴
تیسری دلیل	۳۰۶
چوتھی دلیل	۳۰۷
پانچویں دلیل	۳۰۸
گستاخ رسول کی یادگار	۳۰۹
بسنت اور پتنگ بازی	۳۱۱
بھارت ماتا کی جے	۳۱۴
وندے ماترم کا قضیہ	۳۲۱
وطن کی محبت فطری جذبہ	۳۲۵
تاریخی حقیقت	۳۲۷
وندے ماترم کا ترجمہ	۳۳۰
دارالعلوم دیوبند کا فتوی	۳۳۲
مظاہر علوم کا فتوی	۳۳۴
وندے ماترم پر ایک نظم	۳۳۵
مراجع ومصادر	۳۳۸

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

(Mufti) Abul Qasim Nomani
Mohtamim (VC) Darul Uloom Deoband
(مفتی) ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دار العلوم دیوبند الہند
PIN- 247554 (U.P.) INDIA Tel: 01336-222768 E-mail info@darululoom-deoband.com

Ref. .... Date:........................

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

عصر حاضر میں مسلم نوجوانوں میں دنیا کی ترقی یافتہ سمجھی جانے والی قوموں سے مرعوبیت حد سے تجاوز کر چکی ہے، وہ ہر چیز میں ان اقوام کی پیروی اور مماثلت پر فخر محسوس کرنے لگے ہیں، اکثریت فکری، عملی، اخلاقی اور معاشرتی زوال کی وجہ سے ان اقوام کے ہاتھوں یرغمال بنی ہوئی ہے، صورت حال یہ ہے کہ بسا اوقات مسلم اور غیر مسلم میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن وحدیث کی نصوص اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں اس مسئلے میں غور کیا جائے کہ کس حد تک غیروں سے مشابہت ومماثلت جائز ہے اور کس درجے میں ناجائز!

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں جناب مفتی محمد ثاقب صاحب قاسمی زید مجدہ کو کہ انھوں نے زیر نظر کتاب ''غیروں سے مشابہت'' میں نصوص قرآن وحدیث، عبارات فقہاء اور اصول وقواعد کی روشنی میں سیر حاصل بحث کرتے ہوئے ایک جامع اور معتدل موقف پیش کیا ہے۔ کتاب مذکور میں تشبہ بالاغیار کے ممنوع ہونے کی علتیں اور حکمتیں بھی عبارات فقہاء سے نقل کی ہیں، جس سے نئی پیش آمدہ چیزوں کا حکم معلوم کرنے میں مدد ملے گی، ان شاء اللہ!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب عوام وخواص کے لیے یکساں مفید ہو اور مؤلف محترم کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو، آمین!

(مولانا مفتی) ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۴۴۳/۱۲/۳ھ - ۲۰۲۲/۶/۲۳ء

تقریظ

حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی مدظلہ

تمام ادیان میں صرف دین اسلام ہی جامع اور کامل و مکمل ہے کسی بھی انسانی شعبہ زندگی سے متعلق واضح احکام یا اصولی ہدایات کی شکل میں شریعت کی راہنمائی موجود ہے یہ ہدایات فطرت انسانی کے عین مطابق اعتدال وتوازن پر مبنی ہیں جن میں دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی چین وسکون راحت وآرام کا راز مضمر ہے اسی لیے اسلام اپنے ماننے والوں کے بارے میں یہ چاہتا ہے کہ وہ اسی کے دامن سے وابستہ رہ کر اسی کی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی ڈھال کر دنیا میں راحت وسکون اور حیات طیبہ کے ساتھ آخرت کی دائمی اور لازوال نعمتوں سے بہرہ ور ہوں اور غیروں کے ناقص یا مضر طور طریقوں و فارمولوں کو اپنا کر اپنی دنیا وآخرت کو برباد نہ کریں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے متبعین کو غیروں کی نقالی اور ان کی مشابہت سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے اور قدم قدم پر انھیں غیروں کو للچائی نگاہ سے دیکھنے سے پرزور طریقے پر روکا ہے کیوں کہ یہ ذہنی غلامی، مرعوبیت، پستی، اور محکومیت کی پہچان وعلامت ہے اور اس روگ کے ہوتے ہوئے صحت مند، صالح اسلامی معاشرہ کی تشکیل کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

لیکن بدقسمتی سے یہ تہذیبی ارتداد مسلمانوں میں بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے لباس و پوشاک، رہن سہن، طور طریقہ، عادات واطوار، لین دین شادی بیاہ، خوشی غمی سب چیزیں نمایاں طور پر تبدیل ہو رہی ہیں، مسلمانوں کی ایک بڑی

تعداد ہندوانہ کلچر، مغربی تہذیب وثقافت سے اس درجہ متاثر ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ اسے اپنی ترقی کی معراج اور تمدن وتہذیب کی علامت سمجھتی ہے یہی وہ ناسور ہے جس نے اسلامی اقدار وروایات، احکام وہدایات، اعمال واخلاق کا جنازہ نکال دیا ہے اور گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ہماری زندگیوں میں اسلامی تہذیب کی چھاپ بہت مندمل اور دھندلی ہوتی نظر آرہی ہے۔

ضرورت تھی کہ اس موضوع پر قلم اٹھایا جائے اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے دارالعلوم دیوبند کے سابق متخصص فی الافتاء عزیزم مفتی محمد ثاقب صاحب زید مجدہم کو کہ انھوں نے موجودہ دور میں اس موضوع کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہوئے مفصل ومدلل کتاب تصنیف کردی ہے جس میں تشبہ سے متعلق اصولی بحثیں، خصوصاً تشبہ کے لیے قصد کی حیثیت پر بصیرت افروز کلام کرتے ہوئے تشبہ سے متعلق قرآن کریم، حدیث نبوی، مذاہب اربعہ، سلف صالحین سے منقول ذخیرہ علم کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کردیا ہے اور ایک اہم کام یہ کیا ہے کہ مروج شکلوں مثلاً اپریل فول ویلین ٹائن ڈے، کرسمس اور بسنت تہوار وغیرہ پر شرعی حکم کی تطبیق کی بھی کامیاب کوشش کی ہے، اس طرح یہ کتاب اپنی جامعیت اور معیار تحقیق کے اعتبار سے ممتاز ہوگئی ہے، اللہ پاک ان کی اس کوشش وکاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور مؤلف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین

ومن تبعهم الی یوم الدین

خاک پائے درویشاں

زین الاسلام قاسمی الہ آبادی (استاذ ومفتی دارالعلوم دیوبند)

۶ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ

تقریظ

نائب امیر الہند حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
استاد حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامداً و مصلیا اما بعد!

دین اسلام کے ماننے والے ہر مسلمان کے ذمہ اپنے دین کی حفاظت اس کا سب سے بنیادی اور اولین فریضہ ہے، جس کے لئے سب سے مقدم زندگی کے تمام شعبوں میں سرور عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل اتباع ہے یہی دین حق کا معیار ہے اور یہی خالق انسانیت کی نظر میں اپنے بندوں کے لئے سب سے پسندیدہ اور نہایت مبارک ومقدس طریقہ ہے جس پر چلنے والوں کے لئے دنیا وآخرت کی ہر طرح کی کامیابی کا وعدہ اور اس سے انحراف کرنے اور اس مقدس پاکیزہ طریقہ نبوی کو چھوڑ دینے پر سخت ترین وعیدیں آئی ہیں، اسی وجہ سے کتاب وسنت میں بیشمار مقامات پر اس کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہنا مانو اور غیر اسلامی طور طریقوں سے باز رہو اسی کا نام دین ہے اس کے علاوہ دین کا کوئی تصور نہیں ہے۔

سرور عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے عقائد و عبادات کے جتنے رواجی طریقے اور باطل نظریات وتصورات تھے اسلام نے ان سب کے خلاف توحید ورسالت کا ایک مضبوط و مستحکم اورنہایت معتدل نظریہ پیش کیا اور خالق ومخلوق کی الگ الگ پہچان کرا کر عبادت و بندگی کے اندر ان کو ان کے درجوں پر رکھا، علم وقدرت، ربوبیت و وحدانیت اور معبود برحق ہونے کے جو امتیازات واختیارات صرف ذات اقدس جل وعلا کے لئے مختص تھے ان کو اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں کے لئے دل میں بٹھانے سے منع کیا، حتی کہ امت کو عبادات: نماز روزہ حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے اندر بھی بہت سے فروعی طریقوں میں ان لوگوں کی مشابہت سے روکا گیا جنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے تسلیم واطاعت سے انحراف کرکے اپنے اپنے خاص طریقے وضع کر لئے، معاملات ومعاشرت اور اخلاق وکردار جو انسان کے دین کا سب سے بڑا مظہر ہے اس کے اندر بھی اسلام جیسی نہایت خوبصورت اور اعلیٰ روشن تعلیمات عین فطرت کے مطابق دنیا کے کسی مذہب میں نہ آج تک دی جاسکیں اور نہ قیامت تک آسکیں گی اسی روشن طریقہ کو زبان رسالت نے ایک ایسی واضح شاہراہ سے تعبیر کیا ہے جس کا دن رات سے زیادہ اور رات دن سے زیادہ چمکدار ہے جس مبارک طریقہ پر عمل پیرا ہونے والا یقیناً چاند سورج کی طرح دنیا میں چمکتا دمکتا رہے گا۔

مگر آج مسلم معاشرے اور اس میں بسنے اور بسیرا کرنے والوں پر نہایت افسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مقدس ومحترم مذہب کی شاندار تعلیمات کو اپنے افکار ونظریات اپنی تقریبات، معاملات ومعاشرت: رہن سہن، لباس و پوشاک، وضع قطع، رفتار وگفتار وغیرہ سے یکسر ختم کردیا اور ان سب چیزوں میں

سراسر وہ طور طریقے اختیار کر لئے جو اسلام مخالفین اور اعداء دین کے وضع کئے ہوئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے مسلمان کو اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی عقیدت و محبت ہے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے عرض کیا:

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المرء مع من أحب وأنت مع من أحببت فما رأيت فرح المسلمون چهذ بعد ايک ہزار الإسلام فرحهم بهذا. (ترمذي ٢٣٧٥)

کہ بندہ روز قیامت اسی کے ساتھ رہے گا جس سے دنیا میں محبت کرتا ہوگا اس خبر سے صحابہ کرام کو اتنی خوشی ہوئی کہ اسلام کے علاوہ کسی اور عمل سے نہیں ہوئی ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا:

عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم۔ (سنن ابو داؤد ٤٠٣١)

دنیا میں جس کے عمل اور طور طریقوں سے مشابہت اختیار کی آخرت میں اسی کے ساتھ رہے گا اس لئے نہایت ہی مؤدبانہ گزارش ہے کہ خدا کے واسطے ہم اپنی زندگی کے تمام خدوخال معاملات و معاشرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طور طریقوں کو اپنائیں اور اور غیروں کے طور طریقوں میں ان کی مشابہت سے بچیں اس لئے کہ صحابہ کرام ہی ہمارے لئے معیار حق اور مشعل راہ ہیں وہیں ہمارے لئے آئیڈیل اور نمونہ ہیں ان کے علاوہ دنیا کی کوئی بھی تہذیب و معاشرت اوران سے وابستہ افراد ہمارے لئے قطعاً آئیڈیل نہیں زیر نظر کتاب غیروں کی مشابہت عزیز القدر مفتی محمد ثاقب فتح پوری استاد فقہ و حدیث مدرسہ چیتا کیمپ ممبئی نے اسی موضوع پر ترتیب دی ہے اوراس میں عقائد و عبادات سے لے کر تمام شعب حیات کے وہ

پہلو احادیث اور فقہ کی کتابوں سے تلاش کر کر کے ابواب فقہیہ کی ترتیب پر جمع کئے ہیں جن میں کسی بھی طریقے سے غیروں سے مشابہت اور تشبہ پایا جاتا ہے جزئیات کو احادیث، فقہی عبارات، شارحین حدیث کے اقوال سے مزین کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں وجہ شبہ بھی بیان کیا ہے۔

ہماری نظر میں اس موضوع پر اس قدر مفصل، مرتب و مدلل اردو میں شاید یہ پہلی کتاب ہے جو موصوف کی لمبی مدت کی محنت و مشقت کا نچوڑ ہے، ضروری ہے کہ اس کتاب کو ہر خاص و عام اپنے مطالعے میں لائے اور دوسروں کو بھی اس کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ اس کے مقتضیات و مشمولات پر عمل کر کے ہماری زندگی غیروں کی مشابہت سے بچ کر خالص اتباع سنت پر گامزن ہو جائے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے توفیق سے نوازے اور موصوف مفتی صاحب کو تمام اہلِ علم کی طرف جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو ان کی سابقہ تحریروں اور مقالات کی طرح صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

احقر محمد سلمان منصور پوری

استاد حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

۷/ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۶/جون ۲۰۲۳

تقریظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی
کارگزار جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

اللہ تعالی نے انسان کے اندر ایک خصوصیت پہچان اور شناخت کی حفاظت کی رکھی ہے انسان نہ صرف شکل وصورت اور رنگ وروپ میں ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے بلکہ آواز، چال، ڈھال، اخلاق اور رویہ میں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے بلکہ جنیٹک سائنس نے ثابت کیا ہے کہ اندرونی اعضاء خون اور جسم پر نظر آنے والی علامات اور ان میں نظر آنے والے جین اور خلیات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اس لیے انسان کے اندر اپنی شناخت کے تحفظ کا فطری جذبہ رکھا گیا ہے ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ایسے نام رکھے جو دوسروں کے نام سے مختلف ہوں اپنی دوکان کو ایسے نام سے موسوم کرے جس سے اس کا امتیاز قائم رہے یہاں تک کہ انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا مکان بھی محلہ میں ایک امتیازی شناخت کا حامل ہو۔

شناخت کی حفاظت کے اس جذبہ کو ایک خاص حد میں اسلام نے بھی پسند کیا ہے وہ چاہتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے لباس اور وضع قطع میں فرق ہو مسلمان مذہب کے اعتبار سے غیر مسلموں سے ممتاز ہو اس پہلو کی رعایت نہ کرنے کو تشبہ کہتے ہیں ایک جنس دوسرے جنس کی مشابہت اختیار کرے یعنی مرد عورت ایک

دوسرے کی یہ بھی تشبہ ہے جو مزاج طور طریق فاسقوں فاجروں اور بدقماش لوگوں کا ہے ان کو اختیار کرنا بھی تشبہ ہے اور غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنا یہ تو ہے ہی تشبہ پھر غیر غیر مسلموں سے تشبہ کے بھی مختلف درجات ہیں ایسی چیزوں میں تشبہ جن کا تعلق ایمان وعقیدہ سے ہو عبادات میں تشبہ طور وطریق اور تہذیب وتمدن میں تشبہ، تشبہ کے ان مختلف درجات کے الگ الگ احکام ہیں یہ موضوع یوں بھی اہم ہے اور علماء سلف نے باضابطہ کتابیں لکھی ہیں لیکن موجودہ دور کو تہذیبی تصادم کا دور کہا جاتا ہے اس میں ایک طرف مسلمانوں پر مغربی تہذیب کی یلغار ہو رہی ہے اور ہندوستان میں ہندوتوا کے نام سے مسلمانوں کو ہندو تہذیب کے رنگ میں رنگنے کی کوشش ہو رہی ہے جس نے اس موضوع کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے۔

اس پس منظر میں اس موضوع پہ ایک جامع اور تمام پہلوؤں کو مفید کتاب کی ضرورت تھی جس میں تشبہ کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کو تفصیل سے واضح کیا جائے مختلف پہلوؤں سے تشبہ کے جو مظاہر مسلم معاشرے میں پائے جاتے ہیں ان پر روشنی ڈالی جائے اور تشبہ کے مختلف درجات کے احکام پیش کئے جائیں محب عزیز مولانا محمد ثاقب فتحپوری قاسمی بارک اللہ فی حیاتہ وجھودہ کی یہ کتاب امید ہے کہ ان شاء اللہ اس ضرورت کو پورا کرے گی اس میں مصنف نے تشبہ سے متعلق حدیث کی بڑی عمدہ تحقیق کی ہے، تشبہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو احکام دیے ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے اور موجودہ دور میں تشبہ کی جو صورتیں پائی جاتی ہیں ان کے فقہی احکام کے اصول کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو کچھ لکھا ہے حدیث اور فقہ کی مستند کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے اور رائے قائم کرنے میں اعتدال سے کام لیا ہے، زبان بھی عام فہم اور سہل ہے، یہ حقیر ابھی سفر

میں ہے اس لئے پورا مسودہ تو نہیں دیکھ پایا، لیکن جا بجا دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور احساس ہوا کہ ایک بہتر کام ہو گیا ہے۔

مؤلف عزیز دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور علم و رشد کے اس مرکز میں دوسالہ تدریب فی الافتاء کے کورس کی تکمیل کی ہے اور اس وقت حدیث و فقہ کی منتہی کتابوں کا درس دینے میں مشغول ہیں دعا ہے کہ یہ برادران اسلام کے لئے نافع ثابت ہو لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق میسر ہو اور مصنف کا قلم تا دیر تعب و تھکن سے نا آشنا رہے اور زیادہ سے زیادہ لوح و قلم کی خدمت ان سے سرانجام پائے۔ (آمین)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب
کارگزار جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

دعائیہ کلمات

حضرت الحاج قاری محمد صادق صاحب

آج کل مسلمانوں میں غیروں کے طور طریق کو اپنانا ان کی وضع قطع اختیار کرنا ان کے جیسے لباس پوشاک پہننا ایک عام فیشن بن چکا ہے ہمارا نوجوان سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخن تک اس کا پورا سراپا غیروں کے رنگ میں رنگا ہوا رہتا ہے یہ چیز جہاں ایک طرف اسلامی غیرت اور دینی حمیت کے خلاف ہے وہیں دوسری طرف قران وحدیث میں اس پر بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو غیروں کے طرز پر چلنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے موجودہ دور میں اس وبا کو دیکھتے ہوئے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر تفصیلی کام کیا جائے موضوع سے متعلق قران وحدیث کے ارشادات سلف صالحین اور اکابر کے فرمودات ذکر کیے جائیں اللہ جزائے خیر دے عزیزم محمد ثاقب سلمہ کو کہ انہوں نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک تفصیلی کتاب مرتب فرمائی ہے جو علمی مواد کے ساتھ ساتھ اکابرین کی تقریظات کے ساتھ مزین ہے دلی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی ان کی اس کوشش وکاوش کو قبول فرمائے مولف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے اور مزید علمی وتحقیقی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قاری محمد صادق خان صاحب
مہتمم جامعہ معراج العلوم، چیتا کیمپ، ممبئی

عرض مرتب

اسلام کامل مکمل دین ہے، رہتی دنیا تک کے لیے، ہر خطے، ہر علاقے، ہر زبان، ہر رنگ والوں کے لیے ہے اس کا اپنا نظام اور سسٹم ہے عقائد ونظریات سے لے کر تہذیب ثقافت معاملات معاشرت سب اس کا اپنا ہے اور چونکہ قیامت تک کے لیے ہے اور ہر شخص کے لیے ہے اس لیے اس کے اصول کلیات لچک دار ہر زمانہ اور ہر جگہ پوری طرح فٹ ہوجانے والے اور اس کی تعلیمات فطرت سے مکمل ہم آہنگ ہیں اسی لیے اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے اس کی زریں ہدایات کے مطابق اس کے نسخہ شفا سے دنیا وآخرت کی راحت وفلاح حاصل کریں دوسروں کے ناقص یا مضر طور طریقوں اور فارمولوں کو اپنا کر اپنی دنیا کا حقیقی چین وسکون اور آخرت کی دائمی فلاح برباد نہ کریں اس لیے اسلام نے غیروں کی نقالی اور ان کے مشابہت سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے کیونکہ احسن واکمل کو چھوڑ کر ناقص ومضر کو اختیار کرنا نعمت کی ناقدری کے ساتھ ساتھ ذہنی بگاڑ اور فکری فساد کی علامت ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جا بجا سختی کے ساتھ اس چیز سے منع کیا گیا ہے۔

لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں کے فکری عملی اخلاقی اور معاشرتی زوال کی وجہ سے یہ فتنہ بھی دبے پاؤں سرایت کر گیا اور اس نے فکر ونظر کا زاویہ ہی بدل دیا؛ چنانچہ اسلامی اقدار وروایات پر جب پوری شدت وقوت کے ساتھ مغربی استعمار نے حملہ کیا اور ظاہری ملکی فتح حاصل کر کے غالب وحاکم ہوا تو اس نے صرف

ظاہری طور پر ہی مسلمانوں کو مغلوب ومحکوم نہیں بنایا بلکہ ذہنی مرعوبیت اور فکری پستی اور نظریاتی وعملی غلامی کے دلدل میں دھکیل دیا کیونکہ "ان الملوك اذا ادخلوا قرية افسدوها" اور اِفساد، ظاہری جسمانی بھی ہوتا ہے معنوی اور باطنی بھی جیسا کہ الناس علی دین ملکوھم بھی اس کا مؤید ہے۔

پھر مغربی استعمار کے اس طاغوت نے تو سب کچھ بدل دیا گھر سے بازار تک مسجد سے زنداں کی دیوار تک سبھی کچھ انگریزی ہو گیا حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ کے اشہب قلم سے اس بدلاؤ کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ ہو:

"نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دل پر عظمت فرنگ کا نقش، ہر زبان پر اقبال سرکار کا کلمہ، دادخواہی کے لئے گھر سے نکلیے ا تو قانون انگریزی، عدالتیں انگریزی، لڑکوں کو پڑھنے بٹھایئے تو اسکول انگریزی، کالج انگریزی، کتابیں انگریزی، زبان انگریزی، سفر کے لیے باہر نکلیے تو سڑکیں انگریزی سواری (ریل) انگریزی، ٹکٹ انگریزی، سفر کی منزلیں (اسٹیشن) انگریزی، دکھ درد میں مبتلا ہو جائے تو علاج کے لیے دوائیں انگریزی، تشخیص انگریزی، شفا خانے انگریزی، مرہم پٹی انگریزی، خط بھیجیے، پارسل منگایئے تو ڈاک انگریزی، ڈاکخانہ انگریزی روپیہ جمع کرنے، بہی کھاتا کھولنے کا شوق ہوا تو بینک انگریزی، سیونگ بینکس انگریزی، مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں انگریزی، قصہ کہانی کے لیے جی لہرائے تو افسانے انگریزی، ناول اور ڈرامے انگریزی، ورزشی کھیلوں کے لیے دل للچائے تو کھیل انگریزی، فٹبال اور کرکٹ اور ٹینس اور انٹا (ایک قدیم انگریزی کھیل) شام کو سیر وتفریح کے لیے قدم اٹھایئے تو سامان تفریح انگریزی، پارک میں لانمیں، کلب میں، ہوٹل اور ریسٹوران میں۔ رات کو رنگ رلیاں منانے کو جی چاہے تو تماشے انگریزی، تھیٹر کر گرٹ، آپیرا ماضی کو جاننا چاہیے تو تاریخیں انگریزی،

حال سے باخبر رہنا چاہیے تو اخبارات انگریزی تار برقیاں انگریزی پیشے انگریزی، بیرسٹری وکالت ڈاکٹری انجینیر عہدے انگریزی، علوم انگریزی فنون انگریزی صنائع انگریزی خلاصہ یہ کہ زمین انگریزی، آسمان انگریزی۔

اپنی یہ پستی اور صاحب کی یہ بلند پروازی، اپنی خاک نشینی اور صاحب کی فلک پیمائی دیکھ حواس بجا کس کے رہ سکتے تھے خصوصا جبکہ دل کا سرمایہ پہلے ہی لٹ چکا ہو۔ حواس گم، نگاہیں خیرہ، عقل دنگ، مرعوبیت غالب دماغ مفلوج۔۔۔ اب قوم تھی اور اس کے سر پر جادوئے فرنگ! ہر طرف سحر سامری کا دور دورہ ہر سمت سے دجالی تہذیب کا حملہ معیار کمال یہ ٹھہرا کہ انگریزی بول چال میں کسی طرح لب ولہجہ ''صاحب'' کا سا ہو جائے یہاں تک کہ اس کی خاطر قصدا اپنی زبان بگاڑ کر بولی جائے، اپنی زبان، اپنے علوم، اپنے ہاں کے کھانے پینے اپنے طرز کے پہننے اور رہنے اپنی ساری معاشرت، اپنے خاندان، اپنی برادری، یہاں تک کہ اپنے ماں باپ سے بھی شرم آنے لگے، اپنے ہاں کی ایک ایک چیز میں ذلت وحقارت نظر آنے لگے معزز صرف ''صاحب'' اور ''میم صاحب'' ٹھہر جائیں، اپنے ہاں کی شرم وحیا، حجاب ونقاب اس لیے قابل نفرت کہ میم صاحب کھلے بندوں سب کچھ دیکھتی دکھاتی پھرتی ہیں جن وملائک کا شمار اس لیے اوہام میں داخل کہ ''مل'' اور ''اسپنر'' ان کے قائل نہیں عرش کا وجود اس لیے باطل کی جغرافیہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں آتا وحی، نبوت، توحید کے بنیادی مسائل اس لیے فرسودہ ومتروک کہ مشرکانہ مسیحیت ان پر دلائل عقل قائم کرنے سے قاصر رہی، داڑھی منڈانا اس لیے واجب کی صاحب جو روزانہ شیو کرتے ہیں، سود جیسی حرام کمائی اس لیے جائز کی صاحب کے دیش میں شہر شہر سودی بینک گھر کھولے ہوئے ہیں ''سرا'' ذلیل ہوٹل معزز، مختار کارندہ حقیر، ایجنٹ، قابل عزت ''حکیم''

غریب کسمپرسی میں پڑے ہوئے ”ڈاکٹر“ ہاتھوں ہاتھ لیے جارہے ہیں۔

غرض فرش سے لے کر عرش تک علم، عمل، معاشرت، اخلاق، عقائد کے دائرے میں کوئی شی ایسی نہ تھی جو صاحب کے نام کا کلمہ نہ پڑھ رہی ہو، ساری فضا اسی مرعوبیت سے معمور ”دانش فرنگ“ ”حکمت مغرب“ ”عقلاء فرنگ اقبال سرکار، دانایان ”مغرب“ وغیرہ خدا جانے کتنے فقرے اور ترکیبیں اس دور مرعوبیت کی یادگار مسلم و بدیہی علوم متعارفہ کی طرح بے تکلف زبانوں پر چڑھ گئے اور ادب کا گویا جزو بن گئے۔ ”فرنگی“ کا لفظ اس سے قبل ذم و ہجو کا پہلو لیے ہوئے تھا اس دور میں "فرنگی" محل مدح وعظمت میں استعمال ہونے لگا دنیا کی تاریخ میں یہ واقعہ انوکھا نہیں، زبردست جب کمزوروں پر غلبہ پا جاتے ہیں تو بس یہی ہونے لگتا ہے، ہر چیز حاکموں کی عینک سے محکوم خود بھی دیکھنے لگتے ہیں اور اب نہ اپنی عقل باقی رہجاتی ہے نہ اپنی نظر اور تاریخ کا بیان ہے کہ قوموں کی قسمت میں یہ دستور ازل سے لکھا چلا آرہا ہے۔ (انشاء ماجد ص: ۸۱ تا ۸۳)

ظاہر ہے اس کا اثر وہی ہونا تھا جو ہوا اب تو نسل نو اس فکری و عملی یلغار کی زد میں ہے اور طرہ یہ ہے کہ طوفان حوادث کے تھپیڑوں کا احساس بھی فوت ہو گیا ہے، چنانچہ اس طرح کے بہت سے شبہات نوجوانوں کی طرف سے آئے دن اٹھائے جارہے ہیں کہ اصل ایمان واسلام کا تعلق تو دل سے ہے ظاہری طور پر اگر غیروں کے طور طریق اور کلچر کو اپنایا جائے تو اس سے نہ و اسلام روکتا ہے اور نہ ہمارے ایمان واسلام پر فرق پڑتا ہے اس لیے اس نازک صورتحال کو دیکھتے ہوئے احقر نے اس موضوع کا انتخاب کیا اور موضوع سے متعلق اصول کلیات حدود اور جزئیات کو قرآن حدیث اسلاف اکابرین کے فرامین کی روشنی میں نہیں ہاں ایک کوشش ضرور ہے، اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازیں۔

بندہ اس موقع پر اپنے اساتذہ اکابرین کا مشکور و احسان مند ہے کہ حضرات اکابر نے احقر کی درخواست پر مسودہ دیکھا پڑھا اور تقریظ لکھ کر خردوں کی حوصلہ افزائی کا عملی نمونہ پیش فرمایا بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے روح رواں بقیۃ السلف حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ مایہ ناز فقیہ بابصیرت مفتی حضرت الاستاد مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی استاد و مفتی دارالعلوم دیوبند۔ نبیرہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم استاد حدیث دارالعلوم دیوبند فقیہ بے بدل حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدت فیوضہم ان حضرات اکابر نے اپنی گوناگوں مصروفیات ہمہ جہت دینی خدمات کے باوصف تقریظ لکھ کر کتاب کی زینت کو دو بالا کیا۔فجزاهم الله عنا وعن جميع المسلمين احسن الجزاء

اسی طرح بندہ شکرگزار ہے حضرت مفتی مصعب صاحب قاسمی معین مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی ابراہیم صاحب غازیآبادی مرتب فتاوی کتاب النوازل رفیق مکرم مفتی سیف اللہ عرشی صاحب عزیزم محمد ماجد سلمہ کا کہ ان حضرات نے بھی مفید مشوروں سے نوازا، اللہ پاک ان سبھی کو اور جملہ معاونین محسنین و خیر خواہاں کو اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے اپنے اور غیروں کے شر سے بچائے احقر کی اس حقیر کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر ذخیرہ آخرت بنائے۔آمین

محمد ثاقب قاسمی فتح پوری

۲۱؍محرم الحرام ۱۴۴۵ھ مطابق ۹؍اگست ۲۰۲۳ء

تشبہ کی تعریف

لغوی تعریف: تشبہ یہ باب تفعل کا مصدر ہے مادہ (ش ب ہ) ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ رنگ وروپ، شکل وصورت، یا دیگر اوصاف میں مشابہ وہم شکل ہونا کہا جاتا ہے، ہذا الشئ شِبْہ وشَبَہ وشَبِیہ ذلک الشيء، یعنی یہ چیز دوسری چیز کے مشابہ ہے، شِبْہٌ جمع اشباہ، تشابہا ای تماثلا، یعنی دونوں ایک جیسے ہوگئے۔(۱)

اصطلاحی تعریف: علامہ غزی شافعیؒ نے تشبہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:التشبہ عبارة عن محاولة الإنسان ان یکون شبہ المتشبہ بہ وعلی ہیئتہ وحلیتہ ونعتہ وصفتہ وہو عبارة عن تکلف ذلک وتقصدہ۔ (۲)

یعنی تشبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان بتکلف متشبہ بہ (جس کی مشابہت اختیار کی جائے) کی مخصوص طرز وہیئت اوصاف وخواص وغیرہ کی مشابہت اختیار کرے۔

علامہ مناوی: من تشبّہ بقوم فہو منہم حدیث کے تحت کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: من تشبّہ إلخ أي تزيّا في ظاهره بزيهم وفي تصرفه

(۱) الصحاح لإسماعیل الجوہری ۶/۲۲۳۶ لسان العرب لابن منظور ۱۳/۵۰۳۔۵۰۴ دار صادر بیروت۔

(۲) حسن التنبہ لما ورد فی التشبہ ص: ۴ مخطوط برقم ۱۵۔

بفعلهم وفي تخلقه بخلقهم وسار بسيرتهم و هديهم في ملبسهم وبعض أفعالهم۔ أي وكان التشبه بحق قد طابق فيه الظاهر الباطن۔ (۱)

یعنی تشبہ کا مفہوم یہ ہے کہ لباس وطعام اور مخصوص افعال میں غیروں کی اوضاع واطوار کو اختیار کیا جائے۔

اسی طرح الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے: التشبه لغة مصدر تشبه يقال تشبه فلان بفلان اذا تكلف أن يكون مثله والمشابهة بين الشئيين والاشتراک بينهما فی معنى من المعانی ومنه أشبه الولد أباه اذا شاركه فی صفة من صفاته۔ (۲)

یعنی تشبہ لغوی اعتبار سے باب تفعل کا مصدر ہے جس کا مفہوم ہے بہ تکلف دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا، اور دو چیزوں میں کسی مخصوص صفت میں اشتراک ہو تو اسے مشابہت سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ بچہ جب باپ کی کسی مخصوص صفت میں شریک ہو تو عرب اس وقت کہتے ہیں: اشبه الولد اباه یعنی بچہ باپ کے مشابہ ہے۔

حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ تشبہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تشبہ شبہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں دو چیزوں کا آپس میں ایسا ملتبس ہو جانا کہ کوئی بھی اپنے اصلی وجود کو نمایاں نہ رکھ سکے اور ظاہر ہے کہ ایسا شبہ ایک انسان کو دوسرے کے ساتھ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ پہلا دوسرے کے مخصوصات اور امتیازی نشانات کو اختیار کرے اور صورتاً اس میں رل مل جائے۔ (۳)

---

(۱) فیض القدیر: ۴/ ۱۰۴، دار المعرفۃ بیروت۔

(۲) الموسوعة الفقهية: ۲/ ۴۱۵۵ تشبہ۔

(۳) اسلامی تہذیب وتمدن: ۲۳۷، مطبوعہ: دار الکتاب دیوبند۔

دوسری جگہ اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں لکھتے ہیں: تشبہ بالغیر فی الحقیقت تخریب حدود اور ابطال ذاتیات کا نام ہے یعنی فطری حدود سے تجاوز کرنے یا حقیقی حدود کو توڑ دینے کا دوسرا نام تشبہ بالغیر ہے۔(۱)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ تشبہ کی تفصیلی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اپنی حقیقت، اپنی صورت اور وجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت اس کی صورت اور اس کے وجود میں مدغم ہو جانے کا نام تشبہ ہے۔

یا اپنی ہستی کو دوسرے کی ہستی میں فنا کر دینے کا نام تشبہ ہے۔

یا اپنی ہیئت اور وضع کو تبدیل کر کے دوسری قوم کی وضع اور ہیئت اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

یا اپنی شان امتیازی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی شان امتیازی کو اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

یا اپنی اور اپنوں کی صورت وسیرت کو چھوڑ کر غیروں اور پرایوں کی صورت اور سیرت کو اپنا لینے کا نام تشبہ ہے۔(۲)

ان تعریفات کی روشنی میں تشبہ کی تعریف کا خلاصہ یہ ہوا کہ دوسری اقوام وملل کے خصائص وامتیازات کو اختیار کرنا خواہ عادات واطوار کی قبیل سے ہوں یا اعمال وعبادات کی قبیل سے اسے تشبہ کہا جاتا ہے۔

---

(۱) التشبہ فی الاسلام ص: ۳۵۔

(۲) سیرۃ المصطفیٰ ۳/ ۲۹۴، الامین کتابستان۔

تشبہ سے قریب ترین دیگر الفاظ:

التمثل: یہ باب تفعل کا مصدر ہے مادہ (م ث ل) ہے، اس کے معنی یکسانیت، مشابہت، تسویہ اور برابری کے ہیں: هذا مِثْله و مَثَله وهذا شبه وشبهه دونوں کا معنی ایک ہے اور دو چیزوں میں مماثلت کا اطلاق اسی وقت کیا جائے گا جب وہ دونوں کسی وصف میں متحد و متفق ہوں خواہ حقیقۃ بایں طور کہ دونوں میں اس خاص وصف میں مکمل یکسانیت ہو یا حکما بایں طور کہ دونوں متقارب ہوں کہا جاتا ہے:

لونه مثل لون فلان وقلمه مثل قلم فلان (اس کا رنگ فلاں جیسا ہے اور اس کا قلم فلاں کی طرح ہے) اور کبھی تمثل کے معنی آتے ہیں ایک چیز کا خاص صورت وشکل میں ظہور كما قال الله تعالىٰ: فتمثل لها بشرا سويا اى تصور۔ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے سامنے مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوئے۔(۱)

المحاكاة: یہ باب مفاعلة کا مصدر ہے اس کے معنی آتے ہیں کسی چیز کی نقل اتارنا اور مشابہت اختیار کرنا خواہ یہ نقل اتارنا قول میں ہو یا فعل میں جب کوئی آدمی کسی کے مخصوص انداز میں کوئی کام کرتا ہے تو اس وقت عرب کہتے ہیں: حكى فعله وحاكاه، لیکن اس کا بیشتر استعمال منفی اور قبیح مشابہت ونقل میں ہوتا ہے۔(۲)

---

(۱) لسان العرب لابن المنظو ۶۱۰/۱۱، المعرفة بيروت۔

(۲) دیکھئے: القاموس المحيط: ۴۶/۲، دار الرّسالة۔ والصّحاح للجوبرى: ۲۳۱۷/۶۔

المشاكلة: مشاکلہ، اشکال، تشاکل تشکّل ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی کسی چیز کا دوسری چیز کے موافق ومشابہ ہونا جب ایک چیز دوسرے کے مشابہ ہو تو اس وقت عرب کہتے ہیں: هذا اشكل لهٰذا أى أشبه اور جب دو چیزیں اختلاط کی وجہ سے مشتبہ ہو جائیں تو اس وقت عرب استعمال کرتے ہیں: أشكل الأمران اذا شتبها۔ یعنی یہ دونوں چیزیں مشتبہ ہوگئیں۔(۱)

الإتباع: اس کے معنی ہیں کسی کے پیچھے پیچھے چلنا، اس کے قول یا عمل کو اپنانا، جب کوئی کسی کے پاس سے گذرے اور وہ اس کے ساتھ ہولے تو عرب اس وقت استعمال کرتے ہیں اتبعه أتبعه وتبعه، اسی سے بخاری ومسلم کی حدیث میں یہ لفظ وارد ہوا ہے: لتتبعن سنن من كان قبلكم الخ۔ یعنی ضرور بالضرور تم اپنے سے پہلی امتوں (یہود ونصاری) کے نقش قدم پر چلو گے۔

الموافقة: موافقت کی تعریف علامہ سیف الدین الآمدی نے ان الفاظ میں کی ہے: وهى مشاركة أحد االشخصين لآخر فى صورة قول أو فعل أو ترك او اعتقاد او غير ذلك سواء كان ذلك من أجل ذلك الآخر أم لا لأجله۔ (۳)

یعنی ایک شخص کا دوسرے کے قول وعمل اعتقاد وغیرہ امور میں شریک ہونا خواہ یہ مشارکت اس دوسرے شخص کی وجہ سے ہی ہو یعنی قصد موافقت کے ساتھ مشارکت ہو یا کیف ما اتفق قصد کے بغیر شرکت وموافقت ہو جائے۔

---

(۱) الصحاح للجوهري: ۱۷۲۶/۲،القاموس المحيط ۱۳۱۷۔

(۲) بخاری كتاب الإنبياء باب ما ذكر عن بنى اسرائيل، رقم۳۲۶۹۔ومسلم كتاب العلم باب اتباع سنن اليهود والنصارى رقم۲۶۶۹۔

(۳) الإحكام فى اصول الأحكام ۱۷۲/۱، المكتب الإسلامى۔

التأسي: اسوۃ کہ معنی قدوۃ اورنمونہ کے ہیں جب کوئی شخص کسی کومقتدا بنا کراس کےقول وعمل کی اقتدا کرےاوراپنائےتوعرب اس وقت استعمال کرتے ہیں: فلان يتأسى بفلان أي يرضى لنفسه ما رضيه ويقتدى به۔ یعنی فلاں شخص اپنی خوشی ومرضی سےفلاں کی پیروی کررہا ہے۔(۱)

التقلید: یہ باب تفعیل کا مصدر ہےقلادۃ سے ماخوذ ہےجب کوئی آدمی بغیر مطالبہ دلیل کےکسی کاقول یا عمل قبول کرےتو اس وقت کہا جاتا ہے: قلد فلان فلانا، اورعرب استعمال کرتے ہیں؛قلد القرد الإنسان اى حاكاه وتشبه به یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بندرکسی شخص کی نقل اتارے۔(۲)

الغرض یہ چند الفاظ ہیں جو یاتوتشبہ کےہی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں یا اس سےقریب ترین مفہوم رکھتے ہیں اگرچہ ان میں سے ہرایک میں اپنے موقع استعمال اوراطلاق وتقیید کےاعتبار سے دوسرے سے کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے۔

---

(۱) لسان العرب: ۱۴/ ۳۵، دار الصادر بیروت۔

(۲) المعجم الوسيط: ۲/ ۷۵۴۔

ممانعت تشبہ کی حکمتیں

پہلی حکمت: یہ حقیقت ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے اگر ظاہری لباس وپوشاک صاف ستھرا ہے اس میں خوشبو لگا دی گئی ہے تو روح اور باطن میں انبساط وفرحت کی کیفیات موجزن ہوتی ہیں اور اگر کپڑے میلے کچیلے اور بدبودار ہوں تو روح میں انقباض کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر ایک جوان مرد اور بہادر انسان عورتوں کی طرح نازک لباس، بیش بہا زیورات اور ناز وتنعم کی غیر معمولی ہیئت اختیار کرنے لگے تو چند ہی دن کے بعد اس کے دل میں بزدلی، تن آسانی آرائش وعیش پسندی کے نسوانی جذبات پیدا ہونے لگیں گے۔

اگر ایک انسان بتکلف فاخرانہ لباس پہنتا ہے تو اس لباس کے اثرات تکبر اور تفاخر وغیرہ امور اس کے قلب میں سرایت کرنے لگتے ہیں، اگر کوئی فقراء ومساکین کی ہیئت اختیار کرتا ہے تو اس ہیئت کے آثار تواضع، خاکساری فروتنی جیسی چیزیں اس کے باطن میں جگہ بنا لیتی ہیں۔

خود شریعت نے اس تاثیر ظاہر کو تسلیم بھی کیا ہے اور احکام میں اس کا لحاظ بھی کیا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ صوف کا پہننا (جو محض ظاہری عمل ہے) ایمان کی حلاوت پیدا کرتا ہے؛ من سره ان يجد حلاوة الإيمان فيلبس الصوف۔ (یعنی جو شخص ایمان کی حلاوت چاہتا ہے اسے اونی کپڑا پہننا چاہیے)(۱)

---

(۱) كنز العمال: ۱۵/۳۰۱، رقم الحديث: ۴۱۱۱۹۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ عمامہ باندھنے سے حلم اور وقار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے: اعتموا تزوادو حلما۔ (۱)

ترجمہ: عمامہ باندھا کرو اس سے حلم ووقار میں اضافہ ہوگا۔

نماز میں صفوں کے درستگی کے سلسلہ میں یہ حدیث وارد ہے کہ اگر نماز میں صفیں درست رکھو گے تو قلوب میں بھی راستی واستقامت پیدا ہوگی ورنہ آپس میں کجی، اختلاف وشقاق پیدا ہوگا۔

عن نعمان بن بشير قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوى صفوفنا فخرج يوما فرأى رجلا خارجا صدره عن القوم فقال لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم۔ (۲)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود ہماری صفوں کو درست کیا کرتے تھے، ایک دن جب آپ نماز پڑھانے کے لئے آئے تو ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے نکلا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنی صفوں بالکل درست رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تم میں اختلاف اور کجی پیدا فرمادیں گے۔

جس طرح یہ اعمال خیر اپنی تاثیرات قلوب تک پہونچادیتے ہیں، اسی طرح اعمال شر بھی اپنی اثرات دلوں تک منتقل کردیتے ہیں؛ کیونکہ ایک انسان کی طبیعت دوسرے انسان کے اثر (خیر وشر) کو بہت جلد قبول کرتی ہیں۔

---

(۱) کنز العمال: ۱۵/ ۳۸۰، رقم الحدیث: ۴۱۱۳۶۔

(۲) ترمذي: ۱/ ۳۳۵، رقم الحديث: ۲۲۷، باب ما جاء في إقامة الصفوف۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ولما كان بين الإنسان وبين الإنسان مشاركة فی الجنس الخاص كان التفاعل فيه أشد، ثم بينه وبين سائر الحيوان مشاركة فی الجنس المتوسط فلا بد من نوع تفاعل بقدره ولأجل هذا الاصل وقع التأثر والتأثير فی بنی آدم وإكتساب بعضهم اخلاق بعض بالمعاشرة والمشاكلة۔ (۱)

یعنی ایک انسان دوسرے کے ساتھ اسکی جنس ونوع میں شریک ہے اس لیے ان میں ایک دوسرے سے اثر انگیزی اور انفعالیت بہت ہے؛ لیکن انسان اور دوسرے حیوانوں کے درمیان صرف جنس میں مشارکت ہے تو انسان اور حیوانات کے درمیان انفعالیت اسی کے بقدر ہوگی، اسی اصول کی بنیاد پر انسانوں میں ایک دوسرے سے اثر پذیری اور ایک دوسرے کے اخلاق و عادات کو لینا سب سے زیادہ ہے۔

اس لیے کفار کے مخصوص لباس پہننا، طرز تمدن ومعاشرت یا مذہبی امور میں ان کے شعائر کو اپنانا یہی وہ رکون اور میلان ہے جس سے قرآن کریم نے صراحۃً منع کیا ہے اور چوں کہ یہی چیز ذریعہ بن سکتی ہے ان کے مخصوص عقائد واعمال کے منتقل ہونے کا اور قاعدۂ شرعیہ ہے۔ ما يتوسّل إلى محظور فهو محظور۔ یعنی ممنوع کا سبب اور مقدمہ بھی ممنوع ہوتا ہے۔ (۲)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی متعدد مقام پر اس قاعدے کی تصریح فرمائی ہے کہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے اور حرام کا مقدمہ بھی حرام ہوتا ہے اس لئے مشابہت اغیار سے منع کیا گیا ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم: ۱/۴۸۷، بیروت

(۲) مرقاه المفاتيح

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: وسر هذا الوجه أنّ المشابهة تفضی إلی كفر أو معصية غالبًا أو تفضی إليهما فی الجملة وما أفضی إلی ذلک كان محرما فالمشابهة محرمة۔ (یعنی اس بات کی اصل وجہ یہ ہیکہ غیروں کی مشابہت اکثر و بیشتر یا فی الجملہ ہی کفر و معصیت کا ذریعہ بنتی ہے اور جو چیز بھی اس کا ذریعہ بنے وہ حرام ہے، لہٰذا مشابہت بھی حرام ہوگی۔) (۱)

اسی طرح صاحب القول السدید فرماتے ہیں: والموافقة الظّاهرة تدعوا إلی الموافقة الباطنة والميل إليهم ومن هذا السّبب نهی الشارع عن مشابهة الكفار فی شعارهم وأعيادهم وهيئاتهم ولباسهم وجميع ما يختص بهم۔ (۲)

ترجمہ: یعنی غیروں کی ظاہری اتباع چوں کہ باطنی موافقت اور میلان قلبی کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لیے شریعت نے کفار کی علامتی چیزوں، تہواروں، لباس وغیرہ کی خاص ہیئتوں بلکہ جملہ مختصات میں ان کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔

دوسری حکمت: کفار اور باطل ملتوں کے جو مخصوص امتیازات اور خصوصی اعمال ہیں وہ دنیوی یا اخروی منافع وکمال کے حصول کے لئے یا تو مضر ہیں یا ناقص ہیں کیونکہ اگر وہ طریقے اور اعمال مکمل طور سے مزاج شریعت سے ہم آہنگ ہوتے تو پھر کوئی وجہ نہیں تھی کہ اسلام اس سے منع کرتا اسلام کا منع کرنا یہ دلیل ہے کہ دنیا کی مریض ہستیوں کے شفا اور حصول روحانیت کے لئے یہ اعمال وطرق ناکافی ہیں لہٰذا ان اعمال وطرق کو اپنانے کا لازمی مطلب یہ ہوگا کہ ایک

(۱) اقتضاء الصّراط المستقيم: ۱/۲۸۲

(۲) القول السديد فی شرح كتا ب التوحيد ۱/۵۷بيروت

کامل وانفع اور شفا بخش چیز کو چھوڑ کر ناقص ومضر چیز کو اختیار کیا جائے اس لیے اسلام نے ترک تشبہ پر زور دیا۔

قال ابن تيميه: وليس شيء من أمورهم إلاّ وهو إمّا مضر أو ناقص لأنّ ما بأيديهم من الأعمال المبتدعة والمنسوخة ونحوها مضرة ...... فالمخالفة فيه صلاح لنا۔ (۱)

ترجمہ: یعنی ان کے جتنے بھی کام ہیں وہ یا تو مضر ہے یا ناقص، کیونکہ جن نسخ شدہ اور بدعت کے اعمال وغیرہ کو انھوں نے اپنایا ہوا ہے وہ نقصان دہ ہیں ۔۔۔۔۔ لہٰذا ان کی مخالفت کرنے میں ہی ہمارے لیے بھلائی ہے۔

تیسری حکمت: اگر اغیار کی مذہبی یا قومی چیزوں اور ان کے خصائص میں مشابہت اختیار کی جائیگی تو اس سے انہیں اپنے باطل وغلط چیزوں پر اصرار و جماؤ میں مدد ملے گی اور وہ یہ خیال کریں گے کہ ہم حق پر ہیں جبھی تو دوسرے لوگ ہماری موافقت کرتے ہیں اس کے برخلاف اگر ان کی مخالفت کی جائیگی اور اپنے قول وعمل کردار وگفتار سے براءت کا اظہار کیا جائے گا تو اس سے ان کے قلوب میں ضعف وتکسر پیدا ہوگا، اور اس کے علاوہ بھی بہت سی حکمتیں ممانعت تشبہ کی بیان کی گئی ہیں؛ لیکن حکم کا مدار اصل کتاب وسنت کے نصوص ہیں حِکَم پر حُکم کا مدار نہیں ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم: ۱/۱۷۲، ط: دار عالم الکتب

کیا تشبہ کے لئے قصد ضروری ہے

یہاں یہ بات قابل تنقیح ہے کہ کیا تشبہ کے تحقق کے لیے قصد ضروری ہے یا بغیر قصد کے اگر تشبہ اور مشابہت پیدا ہو جائے تو کیا یہ بھی وعید اور ممانعت میں داخل ہوگا؟ چاہے اس شخص کا ارادہ غیروں کی نقالی اور ان کی مشابہت کا نہ ہو جیسا کہ آج کل بہت سی چیزیں لوگ بطور فیشن یا بطور جشن و تہوار مناتے اور اپناتے ہیں ان کا ارادہ مشابہت کا نہیں ہوتا تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا اور یہ بھی تشبہ میں داخل ہوگا یا نہیں۔

تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں:

(۱) لفظ تشبہ کا اطلاق (۲) اغیار کے خصائص اور شعائر کو اختیار کرنے کی ممانعت و قباحت۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو چوں کہ تشبہ باب تفعل کا مصدر ہے جس کی خاصیت میں تکلف و قصد داخل ہے اور جب شریعت کسی لفظ کو ایک اصطلاح شرعی کے طور پر استعمال کرتی ہے تو اس کے لغوی مفہوم کو نظر انداز نہیں کرتی بلکہ معنی شرعی میں معنی لغوی کے مفہوم کی رعایت ملحوظ ہوتی ہے صاحب ھدایہ نے مختلف مقامات پر اس قاعدہ کی تصریح فرمائی ہے: الحقائق الشرعیة لاتنفك عن معانیها اللغویة؛ (یعنی اطلاقات شرعیہ میں ان کے لغوی مفہوم کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔) لہٰذا تشبہ کے اندر بھی یہ لحاظ ضروری ہوگا۔

چنانچہ علامہ غزی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تشبہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

التشبه عبارة عن محاولة الإنسان ان يكون شبه المتشبه به وعلى هيئته وحليته ونعته وصفته وهو عبارة عن تكلف ذلك وتقصده۔ (۱)

ترجمہ: تشبہ کی حقیقت میں یہ بات شامل ہے کہ انسان اپنے قصد و ارادہ سے بہ تکلف متشبہ بہ کی ہیئت اختیار کرے۔

اسی طرح الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

التشبه لغة مصدر تشبه يقال تشبه فلان بفلان إذا تكلف أن يكون مثله و المشابهة بين الشيئين الاشتراك بينهما في معنى من المعانى و منه أشبه الولد أباه إذا شاركه فى صفة من صفاته۔ (۲)

ترجمہ: تشبہ کے تحقق کے لیے قصد ضروری ہے جب کہ مشابہت یا تشابہ پائے جانے کے لیے مطلق موافقت و مشارکت ضروری ہے خواہ مع القصد ہو یا بدون القصد۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک موقع پر فرماتے ہیں: حدیث شریف میں جو آیا ہے: من تشبه بقوم فهو منهم، اس کی حکمت یہ ہے کہ اہل باطل سے امتیاز ہو مگر تشابہ جائز ہے تشبہ جائز نہیں تشابہ وہ ہے جو فطری ہو اور تشبہ وہ ہے جو قصد سے ہو۔ (۳)

---

(۱) حسن التنبه لما ورد فى التشبة ٤۔ مخطوط برقم: ۱۵

(۲) الموسوعة الفقهيته ۲/۱۵۵۴ تشبه

(۳) ارشادات حکیم الامت مرتبہ پروفیسر مسعود احسن علوی: ۵۰۱ قومی امتیاز

اسی طرح حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: حضرت امام ابو یوسف کا ارشاد درحقیقت مسئلہ تشبہ کی دو صورتیں واضح کرنے کے لئے واقع ہوا ہے جن میں سے ایک ناجائز ہے اور دوسری جائز کیونکہ اس جگہ دو چیزیں ہیں ایک تو غیر اختیاری مشابہت و مشاکلت اور دوسرے اختیاری طور پر کسی خاص قوم یا شخص کی وضع کو اختیار کرنا۔

پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ ہر انسان کی صورت وشکل ناک ونقشہ قد و قامت حرکت وسکون دوسرے سب انسانوں سے مشابہ اور ہم شکل ہے اس میں کفار وفجار سب ہی شریک ہیں جس طرح وہ کھانا کھاتے ہیں مسلمان بھی کھاتے ہیں جس طرح وہ کرتا پاجامہ پہنتے ہیں مسلمان بھی پہنتے ہیں جس طرح وہ سوتے ہیں یہ بھی سوتے ہیں اس کو اصطلاح اور لغت میں مشابہت اور تشابہ کہا جاتا ہے یہ غیر اختیاری امر ہے اس کے متعلق حسب قواعد مقررہ کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا یہ بلا خلاف جائز ومباح ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک وضع یا کوئی لباس یا برتن وغیرہ کسی خاص قوم کی علامت سمجھی جاتی ہو اب مسلمان اس کو اختیار کریں یہ تشبہ میں داخل اور ناجائز ہے پھر اگر قصد ونیت بھی تشبہ اور تفاخر کی ہو تو گناہ عظیم ہے اور یہ نیت نہ ہو بلکہ بغیر خیال تشبہ اتفاقاً استعمال کرلیا تو یہ بھی جائز نہیں مگر گناہ میں پہلے سے کم ہے۔ حضرت امام ابو یوسف نے اپنے جواب میں اس کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ ان جوتوں کا پہننا حد تشبہ سے خارج ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے جوتے پہننے کا ثبوت ہوا ہے جن کو نصاری کے پادری بھی استعمال کرتے تھے مگر اس میں محض اتفاقی مشابہت تھی بقصد واختیار تشبہ نہ تھا۔

علامہ شامی کی عبارت جو اس واقعہ کی تشریح میں وارد ہے اس کی تائید کے لئے کافی ہے:

وھی ھذا۔ فقد اشار الی ان صورۃ المشابھۃ فیما تعلق بہ صلاح العباد لا یضر فان الارض مما لا یمکن قطع المسافۃ البعیدۃ فیھا الا بھذا النوع وفیہ اشارۃ ایضاً الی ان المراد بالتشبہ اصل الفعل ای صورۃ المشابھۃ بلا قصد۔ (۱)

ترجمہ: اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو انسانوں کے کام کی چیزیں ہیں ان میں صورۃ مشابہت میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ دور دراز کا سفر اسی طرح کے جوتے چپل سے طے کیا جا سکتا ہے، نیز یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ تشبہ سے مراد نفس فعل ہے یعنی بغیر قصد کے کسی کی مشابہت اختیار کرنا۔

اور اسی تفصیل کی تائید درمختار و شامی کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

فان التشبہ بھم لا یکرہ في کل شئ بل في المذموم و فیما یقصد بہ التشبہ کما في البحر، در مختار قال الشامي فانا ناکل ونشرب کما یفعلون بحر شامی صفحہ مذکورہ۔ (۲)

ترجمہ: تمام چیزوں میں مشابہت مکروہ نہیں ہے، بلکہ مکروہ اس وقت ہے جب کہ تشبہ مذموم اشیاء میں ہو یا قصداً ہو، علامہ شامی کہتے ہیں: کیونکہ جیسا ہم کھاتے پیتے ہیں وہ بھی کھاتے پیتے ہیں۔

---

(۱) شامی باب ما یفسد الصلوۃ صفحہ ۴۶۱ جلد ۱

(۲) امداد المفتین ص: ۸۱۲۔۸۱۳

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

والمبدء الثالث: أن اللباس الذي يتشبه به الإنسان بأقوام كفرة لا يجوز لبسه لمسلم إذا قصد بذلك التشبه بهم قال ابن نجيم في مفسدات الصلاة من البحر الرائق (٢١١) ثم اعلم أن التشبه بأهل الكتاب لا يكره في كل شئ فإنا نأكل ونشرب كما يفعلون. إنما الحرام هو التشبه فيما كان مذموماً وفيما يقصد به التشبه. كذا ذكره قاضي خان في شرح الجامع الصغير. فعلى هذا لو لم يقصد التشبه لا يكره عندهما وقال هشام في نوادره رأيت على أبي يوسف رحمه الله تعالى نعلين محفوفين بمسامير الحديد فقلت له: أترى بهذا الحديد بأساً؟ فقال: لا، فقلت له: إن سفيان وثور بن يزيد كرها ذلك، لأنه تشبه بالرهبان فقال أبو يوسف رحمه الله تعالى كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس النعال التي لها شعور، وإنها من لباس الرهبان۔

فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما يتعلق به صلاح العباد لا تضر. وقد تعلق بهذا النوع من الإحكام صلاح العباد، فإن من الأراضي ما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها إلا بهذا النوع من الإحكام كذا في المحيط في المتفرقات و راجع له الفتاوى الهندية (٥: ٣٣٣). الباب التاسع من الكراهية۔ (١)

کمال الدین راشدی صاحب لکھتے ہیں:

یہاں اس بات کو واضح کر دینا ضروری ہے کہ تشبہ اور مشابہت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں کی بنیاد میں واضح فرق ہے اس لئے دونوں کے احکام

(١) تکملہ فتح الملہم ۴/ ۷۷

بھی الگ الگ ہیں تشبہ کے معنی یہ ہیں کہ اگر قصد وارادہ سے کسی چیز کو اس انداز کا بنایا جائے تاکہ ان کافروں جیسا لگے اور ان جیسا بننے کی کوشش کرے یہ تشبہ ہے جو بالکل ناجائز اور حرام ہے لیکن اگر بلا قصد وارادہ ان جیسی کوئی چیز بن گئی یعنی ان جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں کیا تھا لیکن اس عمل سے ان کے ساتھ مشابہت خود بخود پیدا ہو گئی تو یہ تشبہ نہیں مشابہت ہے۔(۱)

علامہ حصکفی ایک مسلہ، پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وجوزه الشافعي بلا كراهة وهما بها للتشبه بأهل الكتاب أي ان قصده فان التشبه بهم لا يكره في كل شئ بل فى المذموم وفيما يقصد به التشبه۔

علامہ شامی اس عبارت کے ذیل میں تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قوله لان التشبه بهم لا يكره في كل شئ الخ" فانا ناكل ونشرب كما يفعلون بحر عن شرح الجامع الصغير لقاضى خان ويؤيده ما في الذخيرة قبيل كتاب التحري قال هشام رايت على ابي يوسف نعلين مخصوفين بمسامير فقلت أترى بهذا الحديد بأسا قال لا قلت سفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لان فيه تشبها بالرهبان فقال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس النعال التي لها شعر وانها من لباس الرهبان فقد اشار اليه ان صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر فان الارض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها الا بهذا النوع وفيه اشارة ايضا الى ان المراد بالتشبه اصل الفعل اي صورة المشابهه بلا قصد۔(۲)

(۱) مردوں کے لباس، ٹوپی، پگڑی، داڑھی، مونچھ بالوں کے شرعی احکام:۲۵

(۲) رد المحتار على الدر المختار ۲/ ۳۸۴ زكريا

امدادالاحکام میں ہے:

عادات میں مشابہت مثلاً جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں اسی ہیئت سے کھانا یا لباس ان کی وضع پر پہننا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہماری کوئی خاص وضع پہلے سے ہو اور کفار نے بھی اس کو اختیار کرلیا ہو خواہ ہماری اتباع کر کے یا ویسے ہی اس صورت میں یہ مشابہت اتفاقیہ ہے اور اگر ہماری وضع پہلے سے جدا ہو اور اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں یہ ناجائز ہے اگر ان کی مشابہت کا قصد بھی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے اور اگر مشابہت کا قصد نہیں ہے بلکہ اس لباس و وضع کو کسی اور مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے تو اس صورت میں تشبہ کا گناہ نہ ہوگا مگر چونکہ تشبہ کی صورت ہے اس لئے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں والی نعلین پہننے کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت فعله عليه السلام محمول على بيان الجواز أذا كان بدون القصد۔

آگے لکھتے ہیں: مگر چونکہ آجکل عوام جواز کے لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں ان کا قصد تشبہ ہی کا ہوتا ہے اس لئے اکثر احتیاط کے لئے عادات میں بھی تشبہ سے منع کیا جاتا ہے خواہ تشبہ کا قصد ہو یا نہ ہو۔(۱)

الغرض تشبہ کا اطلاق تو حقیقی طور پر اسی صورت میں ہوگا جب کہ قصد و ارادہ کے ساتھ مشابہت پائی جائے۔

لیکن جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے یعنی اغیار کی مشابہت کی مذمت وقباحت تو وہ قصد و ارادہ پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ شعار کفار اور خصائص اغیار

---

(۱) امداد الاحکام: ۲۸۶/۱،ما يتعلق بالحديث والسنة ط زكريا

کی مطلق موافقت واتباع مذموم اور ممنوع ہے بیشتر روایات میں بغیر قصد کے موافقت سے بھی منع کیا گیا ہے یہود آپ ﷺ کو غلط معنی میں راعنا کہہ کر پکارتے تھے قرآن کریم نے صراحتہ صحابہ کرام اور ایمان والوں کو منع کر دیا کہ وہ راعنا نہ کہیں بلکہ اس کی جگہ "انظرنا" کہا کریں ظاہر ہے کہ جس معنی میں یہود استعمال کرتے تھے وہ غلط معنی صحابہ کرام کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتے تھے لیکن اس عدم قصد کے باوجود صحابہ کرام کو اس سے منع کیا گیا۔ اس آیت کے ذیل میں علامہ ظفر احمد عثمانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

ولا يخفى نزاهةساحةالصحابة ان يورو كما كانت اليهود يورونا ومع هذا تراه نهواعن هذه اللفظة وما هذا الا من باب سد الذراع وقطع التشبه بالكفار۔ (۱)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فان قال قائل: انا لا نقصد التشبه بهم؟ فيقال له نفس الموافقة والمشاركة لهم في اعيادهم ومواسمهم حرام بدليل ما ثبت في الحديث الصحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه نهى عن الصلاة وقت طلوع الشمس ووقت غروبها وقال انها تطلع بين قرني شيطان وحينئذ يسجد لها الكفار والمصلي لا يقصد ذلك اذ لو قصده كفر لكن نفس الموافقة والمشاركة لهم في ذلك حرام۔ (۲)

نماز میں کتے کی طرح کلائیوں کو بچھانے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے:

عن انس أن النبي صلى الله عليه وسلم قال اعتدلوا في المسجد

(۱) احکام القران تهانوی ۱/ ۵۴،البقره ۱۰۴

(۲) تشبه الخسيس باهل الخميس ص: ۳۰ ط دار عمار

ولا یبسط احدکم ذراعیه انبساط القلب۔ (۱)

اس حدیث کے ذیل میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والتشبه هما مذموم مع عدم وجود القصد فاذا اوجد القصد کان ذمه من باب أولی۔ (۲)

الغرض تشبہ کی شناعت قباحت مذمت وحرمت قصد تشبہ پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ نفس موافقت اور مشارکت سے بھی شناعت و مذمت ثابت ہوگی۔

قصد کی قسمیں:

پھر یہاں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ قصد تو دل کے ارادہ کا نام ہے اور دل ہی کے طرح اس کے اعمال و افعال اور اس سے متعلق چیزیں امر مخفی ہیں اور شریعت کا یہ بہت اہم ضابطہ ہے کہ جب حکم کی علت امر خفی ہو تو سبب ظاہر پر حکم دائر ہو جاتا ہے اور یہی سبب ظاہر اصل علت کے قائم مقام ہو جاتا ہے چنانچہ نیند سے وضو کا ٹوٹ جانا چاہے اصل میں حدث پیش آیا ہو یا نہ ہو اسی طرح ایک متعین مسافت سفر پر قصر کا حکم لگ جانا چاہے مشقت کا تحقق ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اور اس طرح کے دیگر احکام یہ سب اسی اصول پر متفرع ہیں تو اب اگر کسی شخص نے غیروں کے شعائر کو اپنایا انھیں جیسا بننے کے لئے، انھیں جیسا دکھنے کے لیے، اسی نیت اور جذبے سے، تو ظاہر ہے کہ یہ حقیقتاً قصد ہے اور قصد التزامی ہے لیکن اگر اس طرح کا ارادہ نہیں کیا بلکہ غیروں کے مخصوص افعال واعمال اور ان کے شعار کو برضا ورغبت بلا کسی عذر کے اختیار کیا تو اگرچہ یہاں قصد التزامی نہیں ہے لیکن

---

(۱) رواه البخاری

(۲) مجموع فتاوی ابن تیمیه ۲۵۷/۳۲

قصد لزومی ہے کیونکہ ان افعال کا اپنی مرضی سے اختیار کرنا بھی علامت قصد اور مظاہر قصد میں سے ہے۔

لہٰذا یہ بھی قصد میں شامل ہوگا اور تشبہ کے تحقق کے لئے چاہے قصد التزامی پایا جائے یا قصد لزومی پایا جائے دونوں صورتوں میں نفس قصد کے تحقق کی وجہ سے تشبہ کا تحقق ہو جائے گا ہاں اگر وہ اعمال وافعال غیروں کے خصائص وشعائر میں سے نہ ہوں بلکہ عادات واطوار کی قبیل سے ہوں اور عام ہوں اپنے اور غیر مشترک طور پر انھیں اختیار کرتے ہوں تو اب ان افعال میں تشبہ اس وقت ہوگا جبکہ حقیقتا اور التزاما تشبہ کا قصد کیا جائے۔ چنانچہ درمختار کی اس عبارت التشبه لا يكره في كل شيء بل في المذموم وفيما يقصد به التشبه میں ایسے ہی افعال مراد ہیں جیسا کہ فانا نأكل ونشرب كما يفعلون کی تعلیل شاهد ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس عبارت کا یہی محل متعین فرمایا ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں: فطری امور میں مشابہت مثلاً کھانا پینا چلنا پھرنا سونا لیٹنا صفائی رکھنا وغیرہ یہ مشابہت حرام نہیں۔

قال في الدر فان التشبه بهم لا يكره في كل شيء بل في المذموم وفيها يقصد به التشبه كما في البحر قال الشامی تحت قوله لا يكره في كل شئ فانا نأكل ونشرب كما يفعلون. (١)

خلاصہ یہ ہے کہ تشبہ کے تحقق کے لیے قصد تو ضروری ہے؛ لیکن قصد التزامی ہی ضروری نہیں بلکہ قصد لزومی بھی کافی ہے۔

اس کی نظیر

روایات میں اسبال ازار یعنی ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور اس سلسلے میں سخت وعیدیں بھی آئی ہیں؛ لیکن بعض روایات میں اس

ممانعت و وعید کو قصد خیلاء یعنی باارادۂ تکبر کپڑا لٹکانے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اب بہت سے شراح حدیث نے مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے نہی کو حقیقتاً قصد خیلاء کے ساتھ دائر کیا ہے اگر کوئی بالقصد تکبر کی نیت سے کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا تو ہی ممنوع ہوگا ورنہ نہیں اس رائے کے حاملین میں امام احمد بن حنبل، امام نووی، علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

لیکن بہت سے شراح حدیث نے یہاں پر یہی توجیہ کی ہے کہ دراصل قصد تو فعل قلب ہونے کی وجہ سے امر مخفی ہے، لہٰذا کسی ظاہری علامت اور سبب ظاہر پر حکم دائر کر کے اس کو بمنزلۂ علت قرار دیں گے اب اگر کوئی قصداً تکبر کی نیت کرتا ہے اسی نیت سے اسبال ازار کرتا ہے تو حقیقتاً قصد خیلاء ہے اور یہی قصد التزامی ہے؛ لیکن اگر کوئی تکبر کی نیت تو نہیں کرتا لیکن یہ جانتے ہوئے کہ شریعت میں اسبال ازار منع ہے اختیاری طور پر کپڑا نیچے لٹکاتا ہے تو اب اس کے اس ظاہری عمل کو ہی علامت قصد مان لیا جائے گا اور یہ قصد لزومی ہوگا، چنانچہ یہ شخص بھی اس وعید میں شامل ہوگا؛ لہٰذا ممانعت جانتے ہوئے بطور فیشن یا بطور رواج جو لوگ ایسے لباس پہنتے ہیں وہ بھی اس وعید کے مستحق ہوں گے۔

مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الشَّرْعُ جَعَلَ نَفْسَ الْجَرِ مَخِيْلَةً، فَإِنَّ الَّذِينَ يَجُرُّونَ ثِيَابَهُمْ لَا يَجُرُّونَ إِلَّا تَكَبُّرًا وَفَخْرًا، وَكَذَلِكَ جَرَّبْنَا فِي زَمَانِنَا أَيْضًا، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي زَمَانِنَا كَذَلِكَ، فَإِنَّهُ قَدْ كَانَ فِي الْعَرَبِ، وَقَدْ كَانَ وَإِذَنْ هُوَ مِنْ بَابِ إِقَامَةِ السَّبَبِ مَقَامَ الْمُسَبَبِ، كَالنَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بِحَدَثٍ، وَلَكِنَّهُ سَبَبٌ لِاسْتِرْخَاءِ الْمَفَاصِلِ، وَأَنَّهُ لَا يَخْلُو عَنْ خُرُوجِ شَيْءٍ منه

غالباً فاقيم النوم الذي هو سبب مقام الحدث و كالسفر فانه ايضا انيب مناب المشقة وكالمباشره الفاحشه فانها سبب لخروج شيء عادة فادير الحكم على المباشره فهكذا جر الثوب فان سببه المخيله وهي امر خفي يتعسر ادراكها كالمشقة في باب السفر والحدث في النوم وخروج شيء فِي الْمُبَاشَرَةِ الْفَاحِشَةِ. فَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَى جَرِ الثَّوْبِ. عَلَى أَنَّا قَدْ جَرَّبْنَا أَنَّ لِلظَّاهِرِ تَأْثِيرًا فِي الْبَاطِنِ، وَمِنْ هَذَا الْبَابِ تَحْسِيْنُ الْأَسْمَاءِ، فَمَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ لَا يَأْمَنُ أَنْ يُسْرَى الْكِبْرُ إِلَى بَاطِنِهِ أَلَا تَرَى أَنَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ: اِجْعَلُوا أَزْرَكُمْ عَلَى أَنْصَافِ سِيْقَانِكُمْ، فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَلا حَقَّ لَكُمْ فِي الْكَعْبَيْنِ بِالْمَعْنى فَدَلَّ عَلَى أَنَّ الْحَدِيثَ مِنْ أَحْكَامِ اللّبَاسِ، وَأَنَّهُ لَا حَقَّ لَنا فِيْمَا دُونَ الْكَعْبَيْنِ. وَهَذَا التَّعْبِيرُ يُشْعِرُ بِنَفْيِ التَّخْصِيصِ بِالْمَخِيْلَةِ، وَغَيْرِهَا، وَأَوْضَحُ مِنْهُ أَنَّهُ لَمْ يُرَخِّصُ لِلنِّسَاءِ فِي إِرْخَاءِ ذُيُوْلِهِنَّ، فَوْقَ شِبْرٍ، مَعَ شِدَّةِ احتِيَاجِهِنَّ إِلَيْهِ، وَسُؤَالِهِنَّ عَنْهُ، وَلَمْ يُفْصَلُ لَهُنَّ بِالْمَخِيْلَةِ، أَوْ غَيْرِهَا۔ (۱)

ترجمہ: شریعت نے صرف کپڑا لٹکانے کو کبر وعجب قرار دے دیا، کیونکہ جولوگ اپنے کپڑوں کو لٹکاتے ہیں، تو وہ تکبر اور فخر کے طور پر ہی لٹکاتے ہیں، ہمارے زمانہ میں تجربہ (ومشاہدہ) بھی اسی کا ہے، اور اگر ہمارے زمانہ میں اس طرح نہ ہو، تو عرب میں تو اس طرح تھا، اور اس صورت میں یہ سبب کو مسبب کی جگہ قائم کرنے کے باب سے تعلق رکھے گا، جیسے نیند، کیونکہ وہ بذات خود حدث

(۱) حاشية البدر الساری إلی فيض الباری، ج ۲، ص: ۸۴،۸۳، كتاب اللباس، باب الثياب البيض

نہیں ہے، بلکہ وہ استرخاء مفاصل کا سبب ہے، لیکن وہ غالباً کسی چیز کے خارج ہونے سے خالی نہیں ہوتا، لہٰذا نیند کو حدث کے سبب کی جگہ رکھ دیا گیا، اور جیسا کہ سفر، کہ اس کو بھی مشقت کے قائم مقام کر دیا گیا ہے، اور جیسا کہ مباشرت فاحشہ کہ یہ عادتاً کسی چیز کے خروج کا سبب ہوتی ہے، پس حکم کا مدار مباشرت پر رکھ دیا گیا، پس اسی طرح سے کپڑا لٹکانا ہے کہ اس کا سبب کبر و عجب ہے، لیکن یہ امر مخفی ہے، جس پر مطلع ہونا دشوار ہے، جیسا کہ سفر کے باب میں مشقت، اور نیند کے باب میں حدث، اور مباشرت فاحشہ کے باب میں کسی چیز کا نکلنا، پس حکم کا مدار کپڑا لٹکانے پر رکھ دیا گیا۔ اس کے علاوہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ظاہر کو باطن میں تاثیر و دخل ہوتا ہے، چنانچہ اچھے نام رکھنا اسی قبیل سے ہے، پس جو شخص اپنے کپڑے کو لٹکاتا ہے، تو وہ اس بات سے محفوظ نہیں رہ پاتا کہ کبر اس کے باطن تک سرایت کر جائے، کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے ازار کو اپنی نصف پنڈلیوں تک رکھو، اور اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو ٹخنوں (سے نیچے لٹکانے) میں تمہیں کوئی حق نہیں، یہ روایت بالمعنیٰ ہے، جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ حدیث لباس کے احکام سے تعلق رکھتی ہے، اور یہ بات کہ ہمیں (ٹخنوں سے نیچے لٹکانے) میں کوئی حق نہیں، یہ تعبیر کبر و عجب کے ساتھ تخصیص کی نفی کی خبر دیتی ہے، اور اس سے بھی زیادہ واضح بات یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے دامن کو ایک یا دو بالشت سے زائد لٹکانے کی اجازت نہیں دی

گئی، باوجودیکہ ان کو اس کی زیادہ ضرورت تھی، اور انہوں نے اس کے متعلق سوال بھی کیا تھا، اور ان کے لئے کبر وعجب وغیرہ کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ (۱)

شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے اس توجیہ کو راجح قرار دیا ہے:

إِنَّ الْعِلَّةَ الْأَصْلِيَّةَ مِنْ وَرَاءِ تَحْرِيمِ الْإِسْبَالِ هِيَ الْخيلاءُ، كَمَا صَرَّحَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ الْبَابِ، وَلَكِنْ تَحَقُّقَ الخيَلَاءِ أَمْرٌ مَخْفِيٌّ، رُبَمَا لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ مَنْ إِبْتَلَى بِهِ فَأَقِيمَ سَبَبُهُ مَقَامَ الْعِلَّةِ وَهُوَ الْإِسْبَالُ وَهَذَا كَالْقَصْرِ فِي السَّفَرِ، فَإِنَّ عِلَّتَهُ هِيَ الْمُشَقَّةُ، وَلَكِنَّ الْمُشَقَّةَ أَمْرٌ مُجْمَلٌ لَا يُنْضَبَطُ بِضَوَابِطَ، فَأَقِيمَ سَبَبة مَقَامَ العِلةِ وَهُوَ السَّفَرُ، وَعَلَى هَذَا، كُلَّمَا تَحَقَّقَ الْإِسْبَالُ تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ جَاءَ الْمَنْعُ إِلَّا فِي غَيْرِ حَالَةِ الْإِخْتِيَارِ، فَإِنَّ الْتِفَاءَ الْخُيَلَاءِ، فِي ذَلِكَ مُتَيَقَّنٌ لِأَنَّ الْخُيَلَاءَ لَا تَتَحَقَّقُ بِفِعْلٍ لَا قَصْدَ لِلْعَبْدِ فِيهِ، وَمِنْ هَذِهِ الْجِهَةِ أَجَازَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِسْبَالَ لِأَبِي بَكْرٍ، وَقَالَ لَهُ: "لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ، وَبِهَذَا تَنطَبِقُ الرِّوَايَاتُ۔ (۲)

ترجمہ: کپڑا لٹکانے کے حرام ہونے کی اصل علت کبر وعجب ہی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث باب میں تصریح فرمائی ہے، لیکن کبر وعجب کا تحقق امر مخفی ہے، جس پر بسا اوقات مبتلی بہ مطلع نہیں ہو پاتا، پس اس وجہ سے اس کے سبب کو علت

(۱) فیض الباری

(۲) تکملة فتح الملهم جلد ۴ ص:۱۲۳، کتاب اللباس والزينة، باب التحريم جر الثواب

کے قائم مقام کر دیا گیا ہے، جو کہ اسبال ہے اور یہ سفر میں قصر کی طرح ہے کہ جس کی علت مشقت ہے، لیکن مشقت امر مجمل ہے، جس کو ضابطوں کے تحت منضبط نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اس کے سبب یعنی سفر کو علت کے قائم مقام کر دیا گیا ہے، پس اس اصول کی بناء پر جب کعبین سے نیچے کپڑا لٹکانا تحقق ہوگا تو ممانعت کا حکم ہوگا، الا یہ کہ غیر اختیاری طور پر یہ عمل سرزد ہو، کیونکہ اس صورت میں کبر وعجب کا نہ ہونا یقینی ہے، کیونکہ کبر وعجب ایسے فعل سے متحقق نہیں ہوتا کہ جس میں بندہ کا قصد وارادہ نہ ہو اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسبال کی اجازت دی اور فرمایا کہ آپ ان لوگوں میں سے نہیں، جو یہ عمل کبر وعجب کی بناء پر کرتے ہیں اور اس تفصیل کے مطابق تمام روایات باہم منطبق ہو جاتی ہیں۔

اور تقریر ترمذی میں ہے:

جو بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حقیقتاً نہی خیلاء کے ساتھ اس معنی میں مقید نہیں، کہ جب تک آدمی کو تکبر ہونے کا یقین نہ ہو جائے، اس وقت تک "جر ازار کر سکتا ہے۔ بلکہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ممانعت کی اصل وجہ تکبر ہی ہے، لیکن تکبر کا ذریعہ بطور حکمت ہے نہ کہ بطور علت، یعنی عام طور پر تکبر ہی کی وجہ سے جر ازار کیا جاتا ہے، گویا کہ اس ممانعت کا اصل مدار تکبر پر تھا لیکن تکبر ایک امر مخفی ہے، اس کا پتہ لگانا آسان نہیں کہ فلاں شخص یہ عمل تکبر کی وجہ سے کر رہا ہے، اور فلاں شخص تکبر کے بغیر یہ عمل کر رہا ہے۔ ایسے مواقع پر جہاں امور منضبط نہ ہو سکتے ہوں، اور ان کا پتہ آسانی

سے نہ چلتا ہو، وہاں شریعت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ حکم کا مدار ایسے امور پر رکھنے کے بجائے کسی منضبط علامت پر اس کا مدار رکھ دیا جاتا ہے کہ جب یہ علامت پائی جائے گی تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ علت پائی گئی اور علت کے پائے جانے کے نتیجے میں حکم پایا گیا۔ مثلاً سفر میں قصر کرنے کی اصل علت مشقت ہے، لیکن مشقت کا پتہ لگانا کہ کہاں مشقت پائی گئی اور کہاں نہیں پائی گئی، یہ پتہ لگانا آسان نہیں، اور نہ ہی اس کو منضبط کیا جا سکتا ہے، کہ کتنی مشقت موجب قصر ہے اور کتنی مشقت موجب قصر نہیں اور کس کو مشقت ہوئی اور کس کو نہیں ہوئی، تو چونکہ مشقت منضبط ہونے والی چیز نہیں تھی، اس لیے اس پر مدار رکھنے کے بجائے علامت پر مدار رکھ دیا گیا، اور وہ علامت سفر ہے، لہٰذا جب بھی سفر پایا جائے گا تو یہ سمجھا جائے گا کہ قصر کرنا واجب ہے۔ اسی طرح یہاں ممانعت کا اصل مدار تکبر پر تھا، لیکن تکبر امر مخفی ہے، اس کا پتہ نہیں چلتا کہ تکبر پایا گیا یا نہیں؟ اور بعض اوقات خود متکبر کو پتہ نہیں چلتا کہ میں تکبر میں مبتلا ہوں۔ اس لیے اس ممانعت کا مدار اس کی علامت پر رکھ دیا گیا، اور وہ علامت ٹخنوں سے نیچے ازار کا ہونا ہے، جب یہ علامت پائی جائے گی تو سمجھیں گے کہ تکبر ہے، الا یہ کہ کسی دلیل خارجی سے اس تکبر کی نفی ہو جائے۔(۱)

(۱) تقریر ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۴۰،باب ماجاء فی کراہیتہ جر الازار

تشبہ اور قرآن کریم

قرآن کریم نے اگرچہ سارے عالم کو ایک ہی رشتہ اخوت و مذہب میں منسلک کرنا اپنا واحد مقصد بتلایا اور اس نے وحدت و توحید، اتحاد و اتفاق کا درس دیا؛ لیکن دوسری طرف اسی نے اپنا نام فرقان (جدا کرنے والا) اور قول فصل (فیصلہ کرنے والا) رکھا اور اس فارق و فاصل کلام نے اسلام کو کفر سے، امانت کو خیانت سے، حق کو باطل سے، طیب کو خبیث سے جدا اور نمایاں کیا، امتوں پر خالق و مخلوق، عابد و معبود کا فرق ملتبس ہو چکا تھا، کسی نے خدا کی مخصوص صفات بندوں میں مان لی تھیں اور کسی نے بندوں کی ناقص صفات خدا کے لئے ثابت کردی تھیں، معروف و منکر کی حدود مل گئی تھیں طیب و خبیث کا فرق امتیں بھلا چکی تھیں، اس قول فصل اور فرقان کلام نے اسلام و کفر معروف و منکر، طیب و خبیث، حلال و حرام اور حق و باطل کی حدود متعین کر کے اعلان کر دیا:

لا تلبسوا الحق بالباطل الآیة۔

ترجمہ: مت ملاؤ صحیح میں غلط۔

اسی طرح ان متضاد صفات کے اعتبار سے ان کے حاملین بھی خیر و شر کی دو جانبوں میں بٹ گئے چنانچہ قرآن کریم نے نیک و بد، مطیع و سرکش، مسلم و کافر، اولیاء رحمن و اولیاء شیطان میں بھی خط امتیاز قائم کیا اور قرآن کی زبان میں مسلم و کافر دو جدا جدا نوعیں بن گئیں، جن میں دنیوی و اخروی اعتبار سے کوئی اختلاط والتباس نہیں ہوسکتا ہے۔

هو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن۔ (۱)

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا سو تم میں سے کچھ تو کافر ہیں اور کچھ مؤمن۔

اسی کتاب مبین نے یہ اعلان بھی کیا ہے؛

افنجعل المسلمین کالمجرمین، أم نجعل الذین آمنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الأرض أم نجعل المتقین کالفجار۔

ترجمہ: بھلا کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر کردیں گے؟ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، کیا ہم ان کو ایسے لوگوں کے برابر کردیں گے جو زمین میں فساد مچاتے ہیں؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کردیں گے؟

دوسری جگہ ہے: وما یستوی الأعمٰی والبصیر والذین آمنوا وعملوا الصالحات ولا المسیء۔ (اور اندھا اور بینائی رکھنے والا دونوں برابر نہیں ہوتے، اور نہ وہ لوگ جو ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کیے، وہ اور بدکار برابر ہیں۔)

غرض قرآن کریم کی نظر میں مسلم و کافر، فاجر و متقی، مسیٔ و مصلح دو جداگانہ نوعیں ہیں، پس قرآن کریم یہ تو چاہتا ہے کہ ساری غلط ملتیں، غلط ادیان مٹ کر اسلام میں آملیں، اور اس کے دامن میں سمٹ جائیں اور اس طرح ادیان نہ رہیں، بلکہ خدا کا دین واحد ہی رہے؛

لیکون الدین کله لله۔اور لیظہر علی الدّین کلّه إلخ۔

لیکن وہ ایسا اتحاد قطعاً نہیں چاہتا ہے کہ برائی اپنی صورت پر قائم رہتے

(۱) التغابن: ۲ الآیة

ہوئے نیکی کے ساتھ رل مل جائے، ظلمت اپنی تاریکی سمیت نور میں آکر ملتبس ہوجائے، کیونکہ ایسے اتحاد کو گوارہ کرنا یقیناً پوری اسلام کی بنیادوں کو ڈھادینا ہے اس لئے اس نے حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ کرنے سے منع کیا اور صرف اسی پر اکتفانہیں فرمایا، بلکہ متعدد آیات میں اس التباس کو ختم کرنے کا عملی پروگرام بھی پیش کیا۔

ارشاد ہوتا ہے: یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ أولیاء۔ (اے مؤمنوں! یہود ونصاری کو دوست نہ بنا۔)

یعنی کوئی مسلم کسی کافر کے ساتھ موالات ومودت اور قلبی محبت کا تعلق ہرگز نہ رکھے کیونکہ محبت کا تعلق ہی آخرکار انسان کے نیت وارادہ اور افعال پر چھا جاتا ہے، حبک الشئ یعمی ویصم، (یعنی کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنادیتی ہے) جس سے ایک مسلم ہرطرح ایک کافر کے ساتھ ملتبس ومشتبہ ہو جائے گا، پھر رفتہ رفتہ اس کے عقائدونظریات کو اپنا کر اپنے قیمتی متاع یعنی دولت ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

اسی آیت کے اگلے ٹکڑے میں موالات کا یہی نتیجہ بیان کیا گیا ہے۔

ومن یتولھم منکم فإنه منھم إن اللّٰہ لا یھدی القوم الظلمین۔

ترجمہ: جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے تو وہ انھیں میں سے ہے، اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ (المائدۃ:۵۱)

اور اگر یہود ونصاریٰ یا کافروں کو اچھا سمجھ کر ان سے محبت قائم کریگا تو پھر اس کے کفر میں بھی کیا شبہ ہے ابن عباس سے یہی تفسیر منقول ہے اور علامہ آلوسی نے اسکی یہی توجیہ ذکر کی ہے۔

وقيل المراد: ومن يتولهم منكم فإنه كافر مثلهم حقيقة وحكى عن ابن عباس رضى الله عنه ولعل ذلک إذا كان توليهم من حيث كونهم يهودا أونصارىٰ۔ یعنی یہود و نصاری سے جو شخص ان کے یہودی یا نصرانی ہونے کی وجہ سے ہی دوستی کریگا وہ حقیقتاً انھیں کی طرح کافر ہوگا۔(۱)

بلکہ قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ صرف ترک مودت اور قطع موالات پر ہی اکتفاء نہ کریں بلکہ اغیار اور ان کے خصائص مذہب سے اپنی تبری اور برأت کا بھی کھلے لفظوں اعلان کردیں تاکہ غیر تمہارے بارے میں کوئی امید نہ رکھ سکیں۔

قد كانت لكم أسوة حسنة فى ابراہیم والذین معه إذا قالوا لقومهم إنا براء منكم ومما تعبدون من دون الله كفرنا بكم وبدأ بيننا وبينكم العداوة والبغضاء۔ (۲)

ترجمہ: تمہارے لیے ابراہیم میں اور ان لوگوں میں جو کہ ایمان واطاعت میں ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جب کہ ان سب نے مختلف اوقات میں اپنی اپنی قوم سے کہد یا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض زیادہ ظاہر ہوگیا۔ (بیان القرآن)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: يقول الله تعالىٰ لعبا ده المؤمنين الذين أمرہم بمصارمة الكافرين وعداوتهم ومجانبتهم والتبرى منهم۔ كفرنا بكم اى بدينكم وطريقكم۔

(۱) روح المعانی: ۸/۴۳۱، المائدہ: ۵۱

(۲) الممتحنة: ۴

یعنی اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو کافروں سے قطع تعلق، عداوت، دوری اختیار کرنے اور ان سے براءت ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے۔اور "کفرنا بکم" کا مطلب ہم نے تمہارے دین اور طور طریقہ کا انکار کیا۔(۱)

اس آیت کے ذیل میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: یعنی جو لوگ مسلمان ہو کر ابراہیمؑ کے ساتھ ہوتے گئے اپنے وقت پر سب نے قولا وفعلا اس سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کیا ہے۔(۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے: إن الذين فرّقوا دينهم وكانوا شيعا لست منهم في شئ۔

ترجمہ: یقینا جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا ہے،
اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

اس آیت میں تمام اہل بدع وضلال اور گمراہ فرقوں سے الگ رہنے ان سے برأت کا اظہار کرنے کا حکم ملتا ہے اور یہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے تمام باطل جماعتوں اور گمراہ فرقوں کو شامل ہے۔

قال ابن كثير: والظاهر أن الآية عامّة في كل من فارق دين الله وكان مخالفًا له ...... فمن اختلف فيه وكانوا شيعا أي فرقا كأهل الملل والنحل وهي الأهواء والضلالات فإنّه قد برأ رسوله مما هم فيه۔ (۳)

یعنی اس آیت کا مصداق ہر وہ شخص ہے جس نے اللہ کے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کی مخالفت کی۔۔۔لہٰذا جو بھی اس میں اختلاف کرے

(۱) ابن كثير الممتحنة: ۴ص:۵۴۹

(۲) تفسیر عثمانی ۲/۶۷۵ ممتحنہ آیت:۴

(۳) تفسیر ابن كثير: انعام آیت: ۱۵۹

اور گروہوں میں بٹ جائے مثلاً اہل ملل جو کہ خواہشات و گمراہیوں کے پیروکار ہیں تو اللہ تعالی نے اپنے رسول کو ان کے طریقہ کار سے بری کر دیا ہے۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام اور ان کے متبعین کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ادیان باطلہ اور گمراہ فرقوں کے عقائد وافکار، اوضاع واطوار اور مخصوص مذہبی معاملات سے کنارہ کش اور اظہار براءت کرتے رہے ہیں تو کیا ہم لوگوں کے لئے یہ گنجائش باقی رہ سکتی ہے کہ ہم اغیار کی مذہبی چیزوں میں ان کے شریک ہوں؟

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسّكم النّار۔

ترجمہ: اے مسلمانو! ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب البحر المحیط علامہ ابو حیان الغرناطی فرماتے ہیں:

و النہی متناول لانحطاط فی ہواہم و الانقطاع إلیہم و مصاحبتہم و مجالستہم و زیارتہم و مداہنتہم و الرّضا بأعمالہم و التّشبہ بہم و التّزيّ بزیہم۔

ترجمہ: یعنی ظالمین وکفار کے مخصوص اعمال وافعال کو اختیار کرنے والا ان کی جیسی مخصوص ہیئت بنانے والا بھی اس قرآنی وعید کا مصداق ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: فرمایا اللہ تعالیٰ نے ظالموں (یعنی نافرمانوں) کی طرف باعتبار دوستی یا شرکت اعمال واحوال کے) مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جائے۔

ف: یہ یقینی بات ہے کہ اپنی وضع وطریقہ کو چھوڑ کر دوسرے کی وضع اور طریقہ آدمی خوشی سے تبھی اختیار کرتا ہے جب اس کی طرف دل جھکے۔اس سے صاف ثابت ہوا کہ ایسی وضع اور طریقہ اختیار کرنا گناہ ہے، اوراس پر حاشیہ میں فرماتے ہیں: فمسئلة التشبه ثابتة بالقرآن ایضًا۔(یعنی مسئلہ تشبہ قرآن سے بھی ثابت ہے۔)(۱)

الغرض ترک موالات اور قطع مودت کا حکم دے کر قلب کو اس گندگی سے پاک کیا گیااور زبان سے اظہار برأت کا بھی حکم دیا گیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: یا ایها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافه ولا تتبعو خطوات الشیطان إنه لکم عدو مبین۔ الآیة۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤاور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو یقیناوہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

مشہور مفسر ابن جریر طبری نے اس آیت کا شان نزول یہ ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ثعلبہ،عبد اللہ بن سلام اوران کے رفقاء کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے، یہ سب حضرات یہودی تھے پھر اسلام لے آئے ان حضرات نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ ہم لوگ سنیچر کے دن کی تعظیم کیا کرتے تھے آپ ہمیں اس کی اجازت دے دیں کہ ہم اب بھی سنیچر کی تعظیم کیا کریں، اور تورات بھی اللہ کی کتاب ہے تو آپ ہمیں رات میں نمازوں میں تورات کی بھی تلاوت کرنے کی اجازت مرحمت فرمادیں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حضرت عکرمہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یعنی جل ثناوه بذلک اعملوا أیها المؤمنون بشرائع الإسلام

---

(۱) حیات المسلمین:۲۸۱،امتیاز قومی روح بست وپنجم

كلها وادخلوا في التصديق به قولا وعملا ودعوا طرائق الشيطان وآثاره أن تتبعوها فإنه لكم عدو مبين لكم عداوته، وطريق الشيطان الذى نهاهم أن يتبعو ما خا لف حكم الإسلام وشرائعه ومنه تسبيت السّبت وسائر سنن أهل الملل التي تخالف ملة الإسلام۔ (۱)

ترجمہ: یعنی اے مسلمانوں شریعت کے تمام احکام پر عمل کرو قولا وفعلا ان کی تصدیق کرو اور تمام باطل ملتوں اور گمراہ فرقوں کے مخصوص طور وطریق سے بچو کیونکہ دراصل یہ شیطانی طریقے ہیں اور شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

الغرض چونکہ سنیچر کے دن کی تعظیم یہود کا خاص مذہبی شعار تھا اس لئے انہیں اس سے منع کر دیا گیا۔

اسی طرح ایک اور آیت میں کفار کی مثلیت اور مشابہت پیدا کرنے سے صراحۃً منع کیا گیا ہے ارشاد ہے: یا ایها الذین آمنوا لا تکونوا کالذین کفروا۔ (۲)

ترجمہ: اے مؤمنوں! تم کفار جیسے مت بنو۔

اس آیت کریمہ میں غور طلب بات یہ ہے کہ اس میں انقطاع مثلیت کا حکم دیا گیا ہے یعنی کافروں کی طرح مت بنو ظاہر ہے کہ اگر صرف کفر سے روکنا مقصود ہوتا تو کفر نہ کرو اس طرح کی تعبیر اسہل بھی ہوتی اور قرآن کے ایجاز کے مناسب بھی لیکن اس مختصر تعبیر کو چھوڑ کر بہ نسبت اس کے مقابلے میں یہ طویل تعبیر اسی لئے ہے کہ اس میں کفار سے مشابہت ومماثلت سے بھی منع کیا گیا ہے اب آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ کافروں کا جو بھی امتیاز اور خاص شعار ہو اس سے کنارہ کش رہو۔

---

(۱) جامع البیان عن تاویل آی القرآن المعروف بتفسیر الطبري:۳/۵۹۶/ تفسیر القرآن للعز بن عبد السلام ۲۰۵/۱ (۲) آل عمران:۱۵۶

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

وإنما ذكر في صدر الجملة كفرہم تصريحا بمباينة حالہم لحال المؤمنين وتنفيراً عن مما ثلتہم۔ (١)

(یعنی شروع جملہ میں ہی ان کے کفر کا تذکرہ کیا گیا تا کہ یہ بات واضح ہوجائے کہ ان کفار کا حال مؤمنین سے بالکل الگ ہے؛ نیز اس لیے کہ مؤمنین ان کی مشابہت ومماثلت اختیار کرنے سے گریز کریں۔)

حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: اس آیت میں بالعموم تمام کفار کے مثل ہوجانے ان کی عام موافقت اوران کی اتباع سے روکا گیا ہے۔(٢)

الغرض قرآن کریم کی آیات اورمفسرین کی تشریحات سے یہ بات اظہر من الشّمس ہوگئی کہ قرآن کریم نے مسلمانوں کواپنا لباس وضع قطع، طرز معاشرت، تمدن وتہذیب اوضاع اطوار عادات وخصائل دوسرے ادیان ومذاہب والوں سے الگ رکھنے کا حکم دیا ہے تا کہ حق وباطل میں التباس نہ ہواور مسلمانوں کے پاس ان کا دین وایمان احکام وشرائع صحیح صورت پر باقی رہیں، اوراسلام کا منشاء بھی یہ ہے کہ جب مؤمن وکافر دو جداگانہ حقیقتیں ہیں تو ان کا پیرایۂ اظہار بھی مختلف اورجداگانہ ہونا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک تشبہ پر بہت زیادہ زور دیا ہے حتی کہ یہودی کہنے لگے تھے کہ یہ پیغمبر تو ہماری ہر چیز میں مخالفت کرتے ہیں۔

---

(١) روح المعاني، آل عمران: ١٥٦

(٢) اسلامی تہذیب وتمدن: ص: ٨٠

تشبہ اور احادیث نبویہ

احادیث میں صراحۃ تشبہ بالغیر سے منع کیا گیا ہے اور قولا وعملا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں اپنی امت کے سامنے واضح ہدایات کھول کر بیان کردی ہیں اہل کتاب اور کفار ومشرکین کے جو طریقے مزاج اسلام سے ہم آہنگ نہیں تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان طریقوں کو بدل کر اسلام کے مطابق کردیا اور خود اعلان فرمایا: خالف ہدینا ہدی المشرکین، یعنی ہمارا طریق مشرکین سے الگ ہے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبالغ في مخالفة أہل الكتاب ويأمر بہا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل کتاب کی سخت مخالفت کرتے تھے اور اس کا حکم بھی دیا کرتے تھے۔(۱)

ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں نے بوانہ (ایک جگہ کا نام ہے) میں اونٹ قربان کرنے کی نذر مانی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ وہاں کوئی بت تو نہیں ہے جس کی پوجا کی جاتی ہو انہوں نے کہا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا وہاں کفار ومشرکین کے مخصوص تہوار تو نہیں ہوتے کہ اس میں ذبح کا ارادہ ہو انہوں نے کہا نہیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دی۔(۲)

---

(۱) نيل الاوطار ۱/۳۱۲ باب تغيير الشيب بالحناء الخ

(۲) رواه ابو دؤد كتا ب الايمان والنذور باب مايئومر به من الوفاء رقم: ۳۳۱۳

اس سے معلوم ہوا کہ کفار مشرکین کے مخصوص تہواروں میں شرکت ناجائز ہے بلکہ ان کے کسی مخصوص مذہبی عمل میں شرکت بھی درست نہیں ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر تشبہ کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم الشان اصول بیان فرمایا:

ألا كل شيء من أمر الجاهلية تحت قدمى موضوع۔ (۱)

ترجمہ: جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئی ہے۔

اس حدیث کے تحت علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: وهذا يدخل فيه ما كانوا عليه من العادات والعبادات مما لم يقره الاسلام۔ (۲)

یعنی امور جاہلیت میں وہ تمام عبادات وعادات داخل ہیں جس کو کفار زمانہ جاہلیت میں اپنائے ہوئے تھے اور اسلام نے انھیں باقی نہیں رکھا۔

حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: جاہلیت درحقیقت اسلام کے سوا تمام مذاہب کا عنوان ہوگیا ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اسلام کے آوردہ احکام کے سواء ہر وہ دستور العمل جو رائج تھا یا ہو میرے قدموں کے نیچے مسل دیا گیا، آگے فرماتے ہیں جاہلیت کے طریقوں کا اسلام میں ڈھونڈنا اور اسلامی طرق چھوڑ کر ان پر عمل پیرا ہونا تشبہ بالاغیار ہے۔ (۳)

ایک دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أبغض الناس إلى الله ثلاثه ملحد فى الحرم، ومبتغ فى الاسلام سنة الجاهلية ومطلب دم امرئ بغير حق ليريق دمه۔

(۱) رواه مسلم كتاب الحج، با ب حجة النبى صلى الله عليه وسلم رقم: ۲۹۵۰

(۲) اقتضاء الصراط المستقيم: ۱/۲۶۴، فصل فى ذكر فوائد خطبته الخ

(۳) اسلامی تہذیب وتمدن ص ۸۱-۸۲، مطبوعہ: دار الکتاب دیوبند

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین شخص انتہائی ناپسندیدہ ہیں (۱) حرم میں ظلم کرنے والا (۲) اسلام لانے کے بعد جاہلیت کے طور وطریق کو اپنانے والا (۳) ناحق کسی انسان کا خون بہانے کے لیے رستے ڈھونڈنے والا۔(۱)

اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی باطل مذہب کے طور طریق کو اپنانے والا اس حدیث کا مصداق ہے کیونکہ جاہلیت اسلام کے سوا تمام مذاہب کا عنوان ہے جیسا کہ حکیم الاسلام کے حوالہ سے ابھی گذرا ہے۔

علامہ ابن الجوزی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قوله ومبتغ فی الإسلام المبتغی الطالب والمرادأنه یعمل وہو مسلم بعادات الجاہلیة۔ (۲)

ترجمہ: مبتغی بمعنی طالب ہے اور مراد وہ مسلمان شخص جس میں جاہلیت کی عادتیں ہوں۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: فکل من اراد فی الإسلام أن یعمل بشيء من سنن الجاہلیة دخل فی ہذا الحدیث۔ (۳)

یعنی ہر وہ شخص جو حالت اسلام میں جاہلیت کے کسی کام کو انجام دے گا وہ اس حدیث کا مصداق ہوگا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: المراد من یرید بقاء سیرة الجاہلیة او إشاعتہا أو تنفیذہا وسنة الجاہلیة اسم جنس یعم جمیع ما کان أہل الجاہلیة یعتمدونه۔ (۴)

---

(۱) البخاری با ب من طلب دم امرئ بغیر حق، رقم: ۶۸۸۲

(۲) کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۱/۵۴۵ دار الوطن الریاض

(۳) اقتضاء الصراط المستقیم، باب ذم بعض خصال الجاہلیة: ۱/۲۰۳

(۴) فتح الباری: ۱۲/۲۱۱، دار الکتب العلمیه

یعنی یہاں پر ہر وہ شخص مراد ہے جو جاہلیت کے طریقے کو باقی رکھنا چاہے یا اس کو پھیلانے اور نافذ کرنے کا ارادہ کرے، اور سنۃ الجاہلیۃ اسم جنس ہے جو ہر اس چیز کو شامل ہے جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔

(۴) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اوپر کسم کے رنگے ہوئے دو کپڑے دیکھے تو آپ نے فرمایا یہ کفار کے کپڑے ہیں ان کو مت پہنو۔

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص قال رآنی النبی ﷺ علی ثوبین معصفرین فقال ان ھذہ من ثیاب الکفار فلا تلبسھما۔ (۱)

ملا علی قاریؒ، ابن الجوزی، حضرت تھانوی ان سب حضرات نے اس حدیث کی شرح میں ممانعت کی علت تشبہ کو ہی قرار دیا ہے، ملا علی قاری لکھتے ہیں:

قال ابن الملک وإنما نہی الرجال من ذلک لمافیہ من التشبہ بالنساء۔ یعنی ابن ملک فرماتے ہیں: مردوں کو اس سے منع کرنے کی وجہ یہ کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے۔(۲)

اسی طرح علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں: "إن ہذہ من ثیاب الکفار" الثیاب المعصفرۃ لیست من ملابس الرّجال وإنما تلبسہا النساء فإذا لبسہا الرجل تشبہ بالمرأۃ وقد نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبّہین من الرجال بالنساء۔ (۳)

یعنی زرد رنگ کے کپڑے آدمیوں کے لیے نہیں ہیں انھیں تو عورتیں استعمال کرتی ہیں، اس لیے اگر کوئی مرد اسے استعمال کرے تو اس نے

---

(۱) مسلم کتاب اللباس، النہی عن لبس الرجل الثوب المعصفر، رقم: ۲۰۷۷

(۲) کشف المشکل من حدیث الصحیحین لابن الجوزی: ۱/۱۱۰۴

(۳) مرقاۃ کتاب اللباس: ۱/۱۳، بیروت

عورت کی مشابہت اختیار کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ یہ کافروں کے مخصوص لباس ہیں؛ اس لئے انہیں مت پہنو۔ آپ فائدہ کے تحت لکھتے ہیں: ایسا کپڑا مرد کے لیے خود بھی حرام ہے مگر آپ نے ایک وجہ یہ بھی فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ اس وجہ میں بھی اثر ہے پس یہ وجہ جہاں بھی پائی جائے گی یہی حکم ہوگا۔ (۱)

الغرض مذکورہ حدیث پاک میں ممانعت کی علت تشبہ ہی ہے خواہ تشبہ بالکفار ہو یا تشبہ بالنساء۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص (وضع وغیرہ میں) کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔ من تشبّه بقوم فهو منهم۔ (۲)

علامہ ابن کثیرؒ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ففيه دلالة على النهي الشديد والتهديد والوعيد على التّشبّه بالكفار في أقوالهم وافعالهم ولباسهم وأعيادهم وعباداتهم وغير ذلك من أمورهم التي لم تشرع لنا ولا نقر عليها۔ (۳)

ترجمہ: یہ حدیث کافروں کے مخصوص اقوال وافعال، لباس و تہوار، عبادات وعقائد وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنے پر شدید ممانعت، زجر وتوبیخ اور تہدید ووعید پر واضح دلیل ہے۔

---

(۱) حياة المسلمين: ص: ۱۸۸، روح بست وپنجم

(۲) ابو داؤد كتاب اللباس، باب لبس الشهرة: رقم: ۴۰۳۱

(۳) تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۴۹، مطبوعہ، بیروت

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت حکیم الاسلام قاری طیبؒ صاحب فرماتے ہیں، یہ حدیث ہر اعتبار سے تشبہ کا ایک عام وتام قانون ہے.......... یہ حدیث کم از کم تشبہ مطلق کی حرمت کے لیے ایک زبردست استدلال ہے بلکہ اگر اس کے ظاہر پر جمود کیا جائے تو وہ تشبہ بالکفر کی حرکات کو کفر اور متشبہ کو کافر ثابت کرتی ہے۔(۱)

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: جاءت الشريعة بالمنع من التشبه بالكفار والحيوانات والشاطين والنساء والأعراب وكل ناقص حتى نهى فى الصلاة عن التشبه بشبه أنواع من الحيوان يفعلها نهى عن نقر كنقر الغراب والتفات كالتفات الثّعلب وإقعاء كاقعاء الكلب وافتراش كافتراش السبع وبروك كبروك الجمل۔ (۲)

ترجمہ: شریعت نے کافروں، جانوروں، شیطانوں، عورتوں، گنواروں بلکہ ہر ناقص کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے یہی وجہ ہیکہ نماز میں جانوروں کی مخصوص حرکات کرنے سے حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے مثلا کوے کے ٹھونگ مارنے کی طرح جلدی جلدی نماز پڑھنا، نماز میں لومڑی کی طرح بار بار گردن گھمانا، کتے کی طرح بیٹھنا درندوں کی طرح ہاتھ بچھا دینا، اونٹ کی طرح رکوع اور سجدے کے لیے جانا۔

حضرت اسماعیل صنعانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: والحديث دال على أن من تشبه بالفساق كان منهم أو بالكفار أو بالمبتدعة فى أى شي كان مما يخصون به من ملبوس أو مركوب أو هيئة۔

(۱) اسلامی تہذیب وتمدن، ص: ۸۳-۸۲، مطبوعہ: دار الکتاب

(۲) الفروسية لابن القيم: ص: ۱۲۲، كتاب عمر وشرحه

حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص بھی فساق، کفار، یا بدعتیوں کی مخصوص اشیاء مثلا کپڑے، سواری یا ان کے طور وطریق میں مشابہت اختیار کرے گا تو وہ انھیں میں سے ہوگا۔(۱)

یہ روایات بطور نمونہ ذکر کی گئی ہیں ورنہ بے شمار احادیث ایسی ہیں جن میں اغیار کی مشابہت اور ان کی موافقت سے پر زور انداز میں منع کیا گیا ہے، ذیل میں تتبع اور تلاش کے بعد اس سلسلے میں جتنی روایات مل سکیں انہیں فقہی ترتیب پر پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) سبل السّلام إلی بلوغ المرام: ۸/۳۴۸

التّشبّه في العبادات

طہارت ونظافت وغیرہ

گھر کا صحن صاف رکھنے کا حکم

(۱) عن عامر بن سعد أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: نظفوا قال أفنیتکم ولا تشبھوا بالیھود۔ (۱)

(یعنی اپنے گھر کا صحن پاک وصاف رکھا کرو اور گندہ وناپاک رکھنے میں یہود کی طرح مت بنو۔)

ملاعلی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: لا تشبھوا بحذف احدی التائین عطفا علی نظفوا أی لا تکونوا متشبھین بالیھود أي فی عدم النظافة والطھارة۔ (۲)

ترجمہ: لا تشبھوا دوتاء میں سے ایک تا محذوف ہے، اور اس کا عطف نظفوا پر ہے، معنی یہ ہیکہ گندگی وناپاکی میں تم یہود کی مشابہت کرنے والے مت بنو۔

تحفة الأحوذي میں ہے: ولا تشبھوا بالیھود أی فی عدم النظافة والطھارة وقلة التطیب۔ (۳)

---

(۱) ترمذی الأدب، باب ماجاء فی النَظافة

(۲) مرقاة: ۱۳/۲۲۶، باب الترجل

(۳) تحفة الاحوذی: ۷/۱۱۰، ما جاء فی النظافة

(یعنی گندگی، ناپاکی اور پھوہڑپن میں تم یہود کی مشابہت اختیار مت کرو۔)

حضرت تھانویؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: جب گھر سے باہر کے میدانوں کو میلا رکھنا یہود کی مشابہت کے سبب ناجائز ہے تو خود اپنے بدن کے لباس میں مشابہت کیسے جائز ہوگی۔(۱)

پرندوں کی طرح لمبے ناخن رکھنا

(۲) ابو واصل کہتے ہیں کہ میں نے ابو ایوب انصاریؓ سے ملاقات پر مصافحہ کیا تو انہوں نے میرے لمبے ناخن دیکھ کر یہ حدیث سنائی:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يسئل أحدكم عن خبر السماء وهو يدع أظفاره كأظفار الطير يجتمع فيها الجنابة والخبث والتفث۔ (۲)

ترجمہ: تم میں سے کوئی مجھ سے آسمان کی خبریں پوچھتا ہے حالانکہ اس نے پرندوں کی طرح اپنے ناخن لمبے چھوڑ رکھے ہیں جس میں جنابت کا اثر گندگی میل کچیل سب جمع ہوجاتا ہے۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرندوں کی طرح ناخن رکھنے پر اظہار ناراضگی فرمائی ہے:

وفى هذا الحديث ذم لابقاء الأظافر على هيئة أظافر الطير والتشبه بها فى اطالتها۔ (۳)

---

(۱) حيات المسلمين ص: ۲۸۴ روح بست وپنجم

(۲) أخرجه أحمد فى مسنده: رقم: ۱۷۰۰،وقال الهيثمى فى مجمع الزوائد: ۵/۱۷۱ رواه احمد والطبرانى باختصار و رجالهما رجال الصحيح خلا أبا واصل وهو ثقة

(۳) التشبه المنهى عنه ص: ۱۴۶

(یعنی اس حدیث میں پرندوں کی طرح ناخن رکھنے اور بڑھانے پر مذمت کی گئی ہے۔)

فائدہ: اس حدیث پاک سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان جانوروں کی مخصوص صفات اور حیوانی خصلتوں سے اپنے آپ کو بچائے وہیں دوسری طرف موجودہ دور کے ایک فیشن پر بھی روشنی پڑتی ہے یعنی مغربی تہذیب کے دلدادہ لڑکے لڑکیاں بطور فیشن پورے ہاتھ کے یا کسی انگلی کے ناخن بہت بڑا رکھتے ہیں حالاں کہ ناخن کاٹنا امور فطرت میں سے ہے، مسلم شریف کی حدیث میں اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ذکر کی گئی ہے بلا عذر اس سے زیادہ دنوں تک ناخن نہ کاٹنا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے:

ویستحب قلم أظافیره یوم الجمعة ---- والأفضل یوم الجمعة، وجاز في کل خمسة عشر، وکره ترکه وراء الأربعین۔ تنویر مع الدر۔ قال الشامي: قوله: (وکره ترکه) أي تحریماً لقول المجتبی، ولا عذر فیما وراء الأربعین ویستحق الوعید۔ (۱)

حالت حیض میں بیویوں کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دینا

(۳) یہودیوں کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ جب عورت کو حیض آتا تھا تو اس کے ساتھ گھر میں رہنا سہنا کھانا پینا سب چھوڑ دیتے تھے اور یہود کی دیکھا دیکھی کفار عرب نے بھی یہی طریقہ اختیار کر رکھا تھا، حضرات صحابہ کرام نے جب اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

---

(۱) ۹/ ۴۹۵-۴۹۷، تنویر الأبصار مع الدر والرد، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع

اس حدیث پاک میں بھی اس کو مذموم قبیح قرار دیا گیا ہے۔

ویسألونک عن المحیض قل ہو أذی الخ، اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اصنعوا کل شئی إلا النکاح (یعنی حالت حیض میں بیویوں سے صحبت کے علاوہ تمام خدمات لے سکتے ہو) جب یہودیوں کو یہ خبر پہونچی تو انہوں نے کہا، کہ یہ شخص ہر چیز میں ہماری مخالفت کرتا ہے، فبلغ ذلک الیہود فقالوا ما یرید ہذا الرجل أن یدع من أمرنا شیئا إلا خالفنا فیہ۔ (یعنی یہ بات جب یہود کو پہنچی تو کہنے لگے یہ شخص تو ہماری ہر چیز میں مخالفت کرنا چاہتا ہے۔)(۱)

علامہ طبری نے اس آیت کی تفسیر حضرت قتادہ سے یہ نقل کی ہے: کان أہل الجاہلیة لا تساکنہم حائض فی بیت ولا تؤاکلہم فی إناء فأنزل اللہ تعالیٰ ذکرہ فی ذلک فحرم فرجہا مادامت حائضا وأحل ماسوی ذلک أن تصبغ لک رأسک وتواکلک فی طعامک۔ (۲)

ترجمہ: زمانہ جاہلیت میں لوگ حیض والی عورت کے ساتھ نہ ایک گھر میں رہتے اور نہ ہی ایک برتن میں اس کے ساتھ کھانا کھاتے، اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق حکم نازل کیا اور حالت حیض میں اس کی شرمگاہ کے علاوہ تمام چیزوں کو جائز قرار دیا، مثلا تمہارے بالوں کو رنگنا اور تمہارے ساتھ کھانا کھانا۔

ایک طرف یہودیوں کی یہ حالت تھی اور دوسری طرف نصاری حالت حیض میں بیویوں سے جماع تک کرتے تھے تو شریعت محمدیہ جس کا امتیاز ہی وسطیت اور اعتدال ہے اس نے دونوں باطل ملتوں کی مخالفت کرتے ہوئے اعتدال کی

---

(۱) مسلم کتاب الحیض ۱/۲۰۷ رقم: ۳۰۲

(۲) الجامع البیان للطبری: ۲/۵۱۸، البقرہ

راہ اختیار کی اور فطرت کے عین مطابق حکم دیا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: قال علمائنا: كانت اليهود والمجوس تجتنب الحائض وكانت النصارى يجامعون الحائض فأمر الله تعالى بالقصدبين هذين۔ (۱)

ترجمہ: ہمارے علماء فرماتے ہیں: یہود اور مجوسی لوگ حائضہ عورت سے بالکل دوری اختیار کرتے تھے، اور نصاری حائضہ سے جماع تک کر لیتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بین بین اعتدال پر مبنی حکم دیا۔

چنانچہ عملی طور پر بھی آپ ﷺ نے یہود ونصاری کی اس سلسلہ میں مخالفت کر کے دکھلائی؛ عن عائشة أنها قالت كان رسول الله ﷺ يدني إلى رأسى وأنا في حجرتي فأرجل رأسه وأنا حائض۔ (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک میرے قریب کرتے اور میں اپنے حجرے میں ہی ہوتی تھی پھر میں حالت حیض میں ہی آپ کے سر میں کنگھی کرتی تھی۔

اسی طرح دوسری روایت میں ہے:

كنت أشرب وأنا حائض ثم أنا وله النبي صلى الله عليه وسلم فيضع فاه موضع فمي فيشرب (ایضا)

ترجمہ: میں حالت حیض میں کسی برتن میں پانی پیتی پھر نبی

(۱) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۳/۵۴

(۲) مسلم كتاب الحيض باب جواز غسل الحائض رأس زوجها: ۱/۲۰۵

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیتی اور آپ اسی جگہ سے منہ لگا کر پانی پیتے جہاں سے میں نے پیا تھا۔

الغرض آپ نے گمراہ ملتوں اور قوموں کی مشابہت سے امت کو بچانے کے لیے معتدل ومتوازن فطرت کے عین مطابق حکم دیا اور پوری زندگی عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔

برتن کے استعمال میں تشبہ

(۴) چونکہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کفار وجابرہ کا شعار تھا وہی لوگ تفاخر وتکبر کے طور پر ان برتنوں کو استعمال کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک تشبہ کے لئے ان کے استعمال سے منع فرمایا اور بڑی سخت وعید بیان فرمائی کہ سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے والا درحقیقت اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے:

لا تشربوا فی آنیة الذهب والفضة ولا تأكلوا فی صحافهما فأنها لهم فی الدنیا ولكم فی الآخرة۔ (۱)

(یعنی سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پانی پیو اور نہ ان پلیٹ میں کچھ کھاؤ، کیونکہ یہ تو دنیا میں کفار کے لیے ہے اور تمہارے لیے یہ سب آخرت میں ہوگا۔)

دوسری روایت میں ہے: الذی یشرب فی آنیة الفضة إنما یجرجر فی بطنه نار جهنم۔ (جو لوگ چاندی کے برتن میں پانی پیتے ہیں تو وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں۔)(۲)

---

(۱) بخاری الأطعمة باب الأكل فی اناء مفضض: ۵/۲۰۶،رقم:۵۱۱۰

(۲) بخاری الأشربة باب آنیة الفضة: رقم ۵۳۱۱

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ اس ممانعت کی علت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حرم الأكل فيهما لما فيهما من السرف والخيلاء وكسر قلوب الفقراء ولما فى ذلک من التشبه بالكفار۔ (۱)

(یعنی سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال اس لیے حرام ہے کہ اس میں اسراف وتکبر، فقراء کی دل شکنی، اور کفار وجابرہ کے ساتھ تشبہ ہے۔)

اسی طرح علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

وإنما ذكر ذلک تنبيها على تحريم التشبه بهم فيما يعانون من أمور الدنيا تاكيدا للمنع منه۔ (۲)

(یعنی اس کو ذکر کرنے کی وجہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ کفار کی ان کے دنیاوی امور میں مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، نیز اس سے سختی کے ساتھ روکنے کے لیے بھی یہ بات کہی گئی۔)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: وإنما المعنى بقوله "لهم" أى هم الذين يستعملونه مخالفة لزىّ المسلمين وكذا قوله "لكم" فى الآخرة أى تستعملونه مكافاة لكم على تركه في الدنيا۔ (۳)

ترجمہ: حدیث شریف میں "لهم" کا معنی یہ ہیکہ یہی وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے طریقہ کی مخالفت میں ان چیزوں کا استعمال کرتے ہیں، اور اسی طرح "لكم فى الآخرة" کا معنی یہ ہیکہ تم نے چونکہ دنیا میں اس چیز کو چھوڑ رکھا تھا اس لیے بطور جزا تم اب (جنت میں) انکا استعمال کروگے۔

---

(۱) المغنى: ۲۰/۳۶۱، اتخاذ الآنية من الذهب الفضة

(۲) إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام: ۴/۲۱۵

(۳) فتح البارى: ۱۶/۱۱۴، الشرب فى آنية الذهب

الغرض سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کفار وفجار کا خاص شعار تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع کر دیا، لہٰذا اگر ان کے علاوہ کسی اور دھات کے برتن یا کسی اور نوعیت کے برتن وغیرہ کسی جگہ یا کسی زمانہ میں کفار وفجار کے خاص شعار بن جائیں تو اشتراک علت کی بنا پر ان کا استعمال بھی ممنوع ہوگا، جیسے تانبہ اور کانسی و پیتل کے کچھ برتن بعض جگہ غیر قوموں کے شعار ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معلوم ہوا کہ برتنے کی چیزوں میں بھی غیر قوم کی مشابہت سے بچنا چاہیے، جیسے کانسی پیتل کے برتن بعض جگہ غیر قوموں سے خصوصیت رکھتے ہیں۔(۱)

(۱) حیات المسلمین ص: ۱۹۰، روح بست وپنج

اذان واوقات نماز وغیرہ میں تشبہ

اذان کی مشروعیت کا آغاز

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہونچے تو کچھ دنوں کے بعد یہ سوال ہوا کہ لوگوں کو نماز کے لیے بلانے کا کیا طریقہ اپنایا جائے کسی نے مشورہ دیا کہ ''بوق'' بجایا جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو یہود کا شعار ہے کسی نے ناقوس کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو نصاری کا شعار ہے کسی نے آگ روشن کرنے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا یہ تو مجوس کا شعار ہے غرض یہ کہ نماز کے لیے بلانے کے سلسلے میں مذکورہ تینوں طریقوں کو آپ نے صرف اس بنا پر ترک فرمادیا کہ یہ غیروں کے شعار اور ان کے خصائص مذہب میں سے تھے۔

عن عبد الله بن عمرؓ قال كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلاة وليس ينادى بها أحد فتكلّمو يوما فى ذلك فقال بعضهم اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصارى وقال بعضهم: بل بوقا مثل قرن اليهود فقال عمر أولا تبعثون رجلا ينادى بالصلاة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا بلال قم فناد بالصلاة۔ (۱)

(۱) البخارى باب بدء الاذان ۱/۲۱۹رقم ۵۷۹، مسلم باب بدء الاذان: ۱/۳۳۹رقم: ۳۷۷

البوق: ہو القرن الذى ينفخ ويذمر۔ القاموس المحيط ۱۱۲۳۔ یعنی بگل، ہارن، بھوپو۔ القاموس الوحید ص:۱۸۷

الناقوس: خشبة طويلة تضرب بخشبة أصغر منہا والنصارىٰ يعلمون بہا أوقات صلاتہم۔ النہاية لابن الاثير ۱۰۶ بيروت) نصاری کا گھنٹہ جسے وہ اپنی نماز کے وقت بجاتے ہیں، ہندوؤں کی پوجا کے وقت بجانے کا سنکھ۔ القاموس الوحید ص: ۱۶۹۴۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ میں بس گئے تو تمام حضرات ایک جگہ جمع ہو کر نماز کی تیاری میں لگ جاتے اور نماز کے لیے آواز بھی نہیں لگائی جاتی تھی، پھر ایک دن سب نے اس بارے میں مشورہ کیا تو کسی نے کہا کہ نصاریٰ کی طرح گھڑیال بنالیا جائے، اور کسی نے کہا کہ نہیں بلکہ یہودیوں کی طرح بگل بنانا چاہیے، حضرت عمر نے فرمایا تم کیوں نہیں کسی شخص کو بھیج دیتے ہو جو نماز کے لیے آواز لگائے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! کھڑے ہوؤ اور نماز کے لیے آواز لگاؤ۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بسند حسن یہ روایت نقل فرمائی ہے:

فقالوا لو اتخذنا ناقوسا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ذاک للنصارىٰ. فقالوا لو اتخذنا بوقا فقال ذلک للیہود. فقالوا لو رفعنا ناراً فقال ذاک للمجوس۔ (۱)

ترجمہ: لوگوں نے کہا کہ ہمیں گھڑیال بنالینا چاہیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو نصرانیوں کی نشانی ہے، تو لوگوں نے کہا کہ بگل بنالیتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ تو یہودیوں کی نشانی ہے، پھر لوگوں نے کہا کہ آگ کو بلند کر کے لوگوں کو نماز کی اطلاع دیدی جائے تو آپ نے فرمایا کہ آگ تو مجوس کی علامت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان چیزوں کے اختیار نہ کرنے کی جو علت ذکر کی ہے اس سے صاف واضح ہے کہ ان چیزوں کا ترک تشبہ بالغیر سے بچنے کے لئے تھا، لہٰذا

(۱) فتح الباري:۲/۸۰، باب بدء الأذان

اشتراک علت کی بناء پر ان کی دوسری مخصوصات کا بھی یہی حکم ہوگا۔

مغرب کو عشاء اور عشاء کو عتمہ نام رکھنے کی ممانعت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دیہاتی (جاہل) لوگ تمہاری نماز کے ناموں کے سلسلہ میں تم پر غالب نہ آجائیں کیونکہ وہ کتاب اللہ میں عشاء ہے اور یہ لوگ اسے عتمہ کہتے ہیں اس لئے کہ عتمہ (اندھیرے) میں اونٹ کا دودھ دوہا جاتا ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تغلبنكم الأعراب على اسم صلاتكم العشاء فإنها في كتاب الله العشاء وانها تعتم بحلاب الإبل۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیہاتی لوگ تمہاری نماز کے نام عشاء پر غالب نہ آجائیں (کہ تم اس کے نام کو ہی بدل ڈالو) کیونکہ اس نماز کا نام کتاب اللہ میں عشاء ہی ہے، (اور یہ حضرات جو اس کو عتمہ کہتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ) وہ اونٹنیوں کا دودھ نکالنے کی وجہ سے اندھیرا کرتے ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ نے اس روایت میں یہ بھی اضافہ فرمایا ہے کہ راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر جب کسی سے سنتے کہ وہ مغرب کو عشاء اور عشاء کو عتمہ کہتا ہے تو غصہ ہو جاتے اور اسے ڈانٹتے: وكان ابن عمر إذا سمعهم يقولون العتمة صاح وغضب۔ (۲)

(۱) مسلم باب وقت العشاء وتأخيرها: ۱/۴۴۵رقم ۲۲۹

(۲) فتح الباری لابن حجر: ۲/۳۴۰، ذکرا لعشاء والعتمة

(حضرت ابن عمر جب لوگوں کو عتمہ کہتے ہوئے سنتے تو غصہ
ہو جاتے اور اس پر نکیر فرماتے۔)

حضرت تھانویؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ف: اس سے معلوم ہوا کہ بول چال میں بھی بلا ضرورت ان لوگوں کی مشابہت نہ چاہیے جو دین سے واقف نہیں ہیں۔(۱)

حافظ ابن حجر نے ممانعت کو خلاف اولی پر محمول کیا ہے فرماتے ہیں:

واختلف السلف فی ذلک فمنهم من کرهه کابن عمر راوی الحدیث ومنهم من أطلق جوازه نقله ابن ابی شیبه عن أبی بکر الصدیق وغیره ومنهم من جعله خلاف الاولی وهو الراجح۔ (۲)

ترجمہ: سلف کا اس بات میں اختلاف رہا ہے، بعض مکروہ سمجھتے ہیں جیسے خود راوی حدیث حضرت ابن عمر، اور بعض جواز کے قائل ہیں جو بقول ابن ابی شیبہ حضرت ابو بکر صدیق وغیرہ سے منقول ہے، اور بعض دیگر حضرات اسے خلاف اولی قرار دیتے ہیں اور یہی بات راجح ہے۔

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کفار و فساق یا دین سے نابلد لوگوں کی اگر کوئی مخصوص تعبیر ہے یا مخصوص انداز گفتگو ہے تو بلا ضرورت اسے اختیار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس میں ان کی نقل اور مشابہت ہے۔

---

(۱) حیات المسلمین ص: ۲۸۴ روح بست وپنجم

(۲) فتح الباری: ۲/۳۴۰، ذکر العشاء والعتمة

مغرب کی نماز میں تعجیل

روایات میں مغرب کی نماز میں تعجیل اور جلدی پڑھنے کا حکم ہے اور اس کے خلاف پر وعید وارد ہوئی ہے بلکہ ایک روایت میں تعجیل مغرب کو امت کے خیر پر باقی رہنے کا ضامن قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے:

لا تزال امتی بخیر او علی الفطرۃ ما لم یؤخروا الصلوۃ حتی تشتبک النجوم۔ یعنی میری امت اس وقت تک خیر پر ہوگی جب تک کہ وہ نماز (مغرب) کو اتنا تاخیر سے نہ پڑھے کے تاروں کے جھرمٹ نظر آنے لگیں۔ (۱)

تاخیر مغرب کی ممانعت کی علت ایک دوسری روایت میں یہ مذکور ہوئی ہے کہ چونکہ یہودی مغرب کو اشتباک نجوم یعنی آسمان پر ستارے چھا جانے تک مؤخر کرتے ہیں اس لئے ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے تعجیل کا حکم ہے۔

مسند احمد میں ہے: لا تزال امتی علی مسکۃ من دینہا ما لم ینتظروا بالمغرب اشتباک النجوم مضاہاۃ للیہودیۃ ولم ینتظروا بالفجر محاق النجوم مضاہاۃ للنصرانیۃ۔ (۲)

ترجمہ: میری امت میں دینی مضبوطی اس وقت تک قائم رہے گی جب تک وہ یہودیوں کی دیکھا دیکھی مغرب کی نماز ادا کرنے کے لیے ستاروں کے چھا جانے کا انتظار نہ کرنے لگیں اور نماز فجر میں عیسائیوں کی مشابہت میں ستاروں کے آسمان سے بالکل ختم ہو جانے کا انتظار نہ کرنے لگیں۔

---

(۱) ابو داؤد: ۱/ ۱۱۳، کتاب الصلوۃ، باب وقت المغرب: رقم: ۴۱۸

(۲) ۳۵۶/۴۱ حدیث ابی عبد اللہ الصنابحی

نیز مغرب کو روافض بھی اشتباک نجوم تک مؤخر کرتے ہیں اس لئے ان کی مشابہت سے بھی بچنا ضروری ہے۔

علامہ نوویؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

القول بكراهة التأخير على هذ النحو خروجا من مشابهة الرافضة الذين يؤخرون المغرب حتى اشتباك النجوم۔ (١)

(یعنی اس طریقہ پر نماز کی تاخیر کو مکروہ کہنے کی وجہ روافض کی مشابہت سے گریز کرنا ہے کیونکہ یہ لوگ تاروں کے نکلنے تک مغرب کو مؤخر کرتے ہیں۔)

الغرض جہاں نفس عمل ضروری ہو وہاں کیفیت عمل کی تغییر سے مشابہت ختم کی گئی ہے نماز مغرب تو بہر حال ادا کرنا ہے؛ لیکن زیادہ تاخیر سے پڑھنے میں یہودی اور روافض کی مشابہت تھی اس لیے تعجیل کا حکم دیا گیا۔

اوقات مکروہہ میں نماز

حدیث میں اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے چونکہ ان اوقات میں سورج پرست قومیں اور بت پرست مشرکین بتوں کی خصوصیت کے ساتھ پوجا کیا کرتے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے ان اوقات میں ہر طرح کی فرض ونفل نماز پڑھنے سے منع فرمادیا:

عن عقبة بن عامرؓ أنه قال ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلى فيهن أو نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب۔ (٢)

---

(١) المجموع للنووى: ٣/٣٤

(٢) مسلم با ب الأوقات التى نهى عن الصلوة فيها ١/٥٧٤رقم ٨٣١

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تین اوقات میں نماز پڑھنے یا نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے، جس وقت سورج طلوع ہو یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے، اور جس وقت کہ ٹھیک دوپہر ہوتی کہ وہ دوسری جانب مائل ہو جائے، اور جس وقت کہ سورج غروب ہونے لگے یہاں تک کہ وہ غروب ہو جائے۔

حضرت عمرو بن عبسہ کی ایک طویل روایت میں اس علت کی صراحت بھی ہے کہ چونکہ ان اوقات میں سورج پرست قومیں سورج کی پرستش کرتی ہیں اس لیے ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے:

أخبرني عن الصلاة! قال صل صلاة الصبح ثم اقصر عن الصلاة حتى تطلع الشمس حتى ترتفع فإنها تطلع حين تطلع بين قرني شيطان وحينئذ يسجد لها الكفار۔ (۱)

ترجمہ: مجھے نماز کے بارے میں بتائیے! آپ نے فرمایا: صبح کی نماز پڑھو پھر نماز مت پڑھو یہاں تک کہ سورج طلوع ہو کر بلند ہو جائے؛ کیونکہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اور اسی وقت کفار اس کا سجدہ کرتے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ونهى عن التشبه بالكفار في زيهم وكلامهم وبديهم حتى نهى عن الصلوة بعد العصر وبعد الصبح فإن الكفار يسجدون للشمس في هذين الوقتين۔ (۲)

(۱) مسلم باب اسلام عمروبن عبسہ: ۵۶۹/۱ رقم: ۸۳۲

(۲) الفروسیہ لابن القیم ۱۲۲ کتاب عمرؓو شرحہ

ترجمہ: کفار سے ان کے طور وطریق اور کلام میں مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے، یہاں تک کہ فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے بھی منع کیا گیا ہے کیونکہ کفار ان دونوں وقتوں میں سورج کا سجدہ کرتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشابہت کی مذمت وشناعت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مشابہت اختیار کرنے والا اس مشابہت کا قصد بھی کرے کیونکہ ان اوقات میں عبادت کرنے والوں کا یقینی طور پر یہ قصد وارادہ نہیں ہوگا لیکن اس کے باوجود منع کیا گیا۔

مسجد میں محراب بنانا

یہ حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے مبارک زمانے سے آج تک سلفا وخلفا مسجدوں میں محراب بنایا جاتا رہا ہے اور احادیث میں جو محراب بنانے سے منع کیا گیا ہے وہ نصاریٰ کی طرح محراب بنانے سے منع کیا گیا ہے نہ کہ مطلقا؛ عن موسیٰ الجهنی قال قال رسول الله علیه وسلم: لا تزال أمتی بخیر مالم یتخذوا فی مساجدہم مذابح کمذابح النصاریٰ۔ (۱)

ترجمہ: میری امت ہمیشہ خیر وبھلائی پر باقی رہے گی جب تک کہ مسجدوں میں نصاری کی طرح محراب نہ بنانے لگے۔

اور مذابح سے مراد محاریب ہے۔ (۲)

(۱) مصنف ابن ابی شیبه ۵۹/۲ کتاب الصلوة الصلوة فی الطاق

(۲) النہایة لابن الأثیر: ۲/۱۵۴ بیروت

ایک دوسری روایت میں ہے: قال یکون فی آخر الزمان قوم ینقص أعمارہم و یزینون مساجدہم و یتخذون بہا مذابح کمذابح النصاریٰ فإذا فعلوا ذلک صب علیہم البلاء۔ (۱)

ترجمہ: آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جن کی عمریں کم ہونگی وہ مسجدوں کو خوب آراستہ کریں گے اور اس میں عیسائیوں کی طرح محراب بنائیں گے، جب وہ ایسا کرنے لگیں گے تو ان پر مصیبتیں برسنے لگیں گی۔

اور نصاریٰ پتلے، گہرے اس طرح محراب بناتے تھے کہ اگر امام اس میں کھڑا ہو تو مصلین کو اشتباہ ہو اور اس کی حالت کا مطلقا علم نہ ہو، چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ امام کا اس طرح محراب میں کھڑا ہونا اس وقت بھی مکروہ ہے۔

مجمع الانہر میں ہے: وقیام الإمام فی طاق المسجد ای محرابہ ...... لما فیہ من التشبہ بأہل الکتاب۔ (۲)

(یعنی امام کا محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔)

الغرض مساجد میں نصاریٰ کی طرح محراب بنانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تاکہ متعلقات عبادت میں بھی ان کی مشابہت سے بچا جائے۔

---

(۱) مصنف عبد الرزاق باب صلاۃ الإمام فی الطاق ۲/۴۱۳ رقم ۳۹۰۳

(۲) ۱/۱۸۷ ما یکرہ فی الصلوۃ

کیفیت صلوۃ میں تشبہ

نماز میں کتے کی طرح بیٹھنا (اقعاء الکلب)

چونکہ کسی چیز کی ظاہری مشابہت سے اس کے مخصوص آثار وخواص مشابہت اختیار کرنے والے کی طرف منتقل ہوتے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کے مخصوص افعال اوران کی مخصوص عادات کی مشابہت سے بھی منع فرمایا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قال نہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثلاث...... وإقعاء کإقعاء الکلب۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چیزوں سے منع کیا ہے ان میں سے ایک کتے کی طرح اقعاء کرکے بیٹھنا ہے۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

یا بنی إذا سجدت فأمکن کفیک...... ولا تقع إقعاء الکلب۔ (۲)

(اے بیٹے جب سجدہ کروتو اپنے ہتھیلیوں کو درست رکھو۔۔۔اور کتے کی طرح اقعاء کرکے نہ بیٹھو۔)

حضرت سمرۃ بن جندب فرماتے ہیں: قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الإقعاء في الصلوة۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں اقعاء کرکے بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔)

---

(۱) مسند الإمام احمد: ۱۵/ ۲۴۰ رقم:۸۰۹۱،واسنادہ صحیح

(۲) رواہ الترمذی أبواب الصلوۃ باب ما ذکر فی الإلتفات فی الصلوۃ: ۲/ ۲۸۴ رقم ۵۸۹

یعنی مختلف صحابہ کرام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں کتے کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جسے اقعاء کہتے ہیں۔(۱)

اقعاء کی تعریف

اقعاء کی دو مشہور تعریفیں منقول ہیں:

پہلی تعریف: امام طحاوی نے اقعاء کی یہ تعریف کی ہے دونوں سرین کو زمین پر رکھ کر گھٹنوں کو کھڑا کر لینا اور رانوں کو پیٹ سے ملا لینا اور دوسری تعریف امام کرخی سے اقعاء کی یہ منقول ہے کہ دونوں قدموں کو کھڑا کر کے اسی پر بیٹھنا۔

قال فی البدائع: واختلفوا فی تفسیر الإقعاء: قال الکرخی ہو نصب القدمین والجلوس علی العقبین وقال الطحاوی ہو الجلوس علی الالیتین ونصب الرکبتین ووضع الفخذین علی البطن۔ (۲)

یعنی صاحب بدائع فرماتے ہیں کہ اقعاء کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، علامہ کرخی فرماتے ہیں: اقعاء کا مطلب ہے دونوں قدموں کو کھڑا کرنا اور ایڑیوں پر بیٹھنا، اور امام طحاوی فرماتے ہیں: اقعاء کا معنی دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے سرین پر بیٹھنا اس طرح کے ران پیٹ سے مل جائے۔

دونوں تعریفوں میں سے جمہور نے امام طحاوی کی تعریف کو اختیار کیا ہے خود صاحب بدائع امام طحاوی کی تعریف ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وہذا أشبہ بإقعاء الکلب (ایضا) یہ تعریف اقعاء کلب کے زیادہ قریب ہے۔

---

(۱) رواہ البیہقی: ۲/۱۷۳

(۲) بدائع الصنائع ۱/۵۰۵،الصلاۃ ما یستحب فی الصلاۃ، وما یکرہ فیہا، زکریا دیوبند

علامہ زیلعی فرماتے ہیں: والاول اصح لانه اشبه باقعاء الكلب۔ (یعنی پہلی تعریف اصح ہے کیونکہ وہ اقعاء کلب کے زیادہ مشابہ ہے۔)(۱)

اسی طرح علامہ سرخسیؒ نے بھی امام طحاوی کی تعریف کو ہی راجح قرار دیا ہے۔

قال: الثانى ان يضع إليتيه على الارض وينصب ركبتيه نصبا وہذا اصحّ۔ (دوسرا قول یہ ہیکہ اپنے سرین کو زمین پر رکھے اور گھٹنوں کو بالکل سیدھا کھڑا کرلے، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔)(۲)

بلکہ علامہ ابن عبد البر نے تو اقعاء کی مذکورہ تعریف پر اجماع نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

الإقعاء جلوس الرجل على اليتيه ناصبا فخذيه مثل إقعاء الكلب والسبع وہذا إقعاء مجتمع عليه لا يختلف العلماء فيه۔ (۳)

(اقعاء کہتے ہیں آدمی کا اپنے دونوں رانوں کو اٹھا کر اپنی سرین پر بیٹھنا جیسے کتا بیٹھتا ہے، اور یہ اقعاء متفق علیہ ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔)

مشہور لغوی امام عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی غریب الحدیث میں اقعاء کی یہی تعریف کی ہے۔(۴)

علامہ کشمیری علیہ الرحمہ نے نماز میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی راجح کردہ ہیئت کو مکروہ تحریمی اور امام کرخی والی ہیئت کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔

للاقعاء تفسيران احدهما ان ينصب الركبتين ويضع الالية على الارض بشرط وضع اليدين على الارض، هذا تفسير الطحاوي

(۱) تبيين الحقائق ۱/۴۰۸ باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، زكريا

(۲) المبسوط: ۱/۲۷ كيفية الدخول فى الصلوة

(۳) الاستذكار ۱/۴۸۱ باب العمل فى الجلوس فى الصلوة

(۴) غريب الحديث لابى عبيد ۱/۲۱۰

ويساعده اللغة وهذا مكروه تحريما والثاني ان يجلس على عقيبه في الجلسة وهذا تفسير الكرخي وهذا مكروه تنزيها۔ (۱)

ترجمہ: اقعاء کی دو تعریف ہے: پہلی یہ کہ گھٹنوں کو کھڑا رکھے اور سرین کو زمین پر رکھے بشرطیکہ دونوں ہاتھ زمین پر ہوں، یہ تعریف امام طحاوی نے کی ہے، یہ لغت کے بھی زیادہ قریب ہے، اور اقعاء اس تعریف کہ اعتبار سے مکروہ تحریمی ہے، دوسری تعریف یہ ہیکہ ایڑیوں پر بیٹھے جو کہ امام کرخی سے منقول ہے، اور یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

ایک کے مکروہ تحریمی اور دوسرے کے مکروہ تنزیہی ہونے کی توجیہ حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ نے یہ فرمائی ہے کہ چونکہ امام کرخی کی بیان کردہ ھیئت کے مطابق بعض روایات اور آثار صحابہ سے رخصت منقول ہے اور بعض روایات میں نماز میں اس طرح بیٹھنا ثابت ہے گرچہ وہ ہمارے یہاں تشریع نہیں ہیں لیکن بہرحال ثبوت ہونے کی وجہ سے کراہت تحریمی نہیں کہا جاسکتا، اور امام طحاوی کی بیان کردہ ہیئت کے سلسلے میں کوئی رخصت منقول نہیں ہے اس لیے نہی اپنے اصل پر باقی رہے گی اور کراہت تحریمی پر محمول ہوگی۔

وهما مكروهان الا أن القسم الأول مما لم يرد الرخصة فيه كما وردت في القسم الثاني كانت كراهية تحريمة وكراهة الثاني تنزيهية. (۲)

ترجمہ: یعنی اقعاء کی دونوں قسم مکروہ ہیں لیکن پہلی قسم میں اس طرح کوئی رخصت ثابت نہیں جس طرح کہ دوسری قسم میں

---

(۱) العرف الشذي ۱/۲۷۹ باب ما جاء في كراهية الاقعاء بين السجدتين

(۲) الكوكب الدرى ۴/۱۲۸ باب كراهيته الاقعاء بين السجدتين

ہے، لہٰذا پہلی قسم مکروہ تحریمی اور دوسری مکروہ تنزیہی ہوگی۔

الغرض چونکہ اقعاء کتے کی خاص خصلت وعادت ہے اس وجہ سے بلا ضرورت نماز میں اس طرح بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔

ان ہی روایات کے پیش نظر حنفیہ کے نزدیک بلاعذر نماز میں اقعاء مکروہ ہے یہی جمہور کا مذہب ہے۔

سجدے میں کلائیوں کو بچھانا

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدے کی حالت میں ہاتھوں کو بچھانے سے منع فرمایا ہے کیوں کہ ہاتھوں کو زمین پر بچھا کر بیٹھنا یہ بھی کتے اور درندے کی خاص خصلت ہے:

عن أنسؓ ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال اعتدلوا فی المسجد ولا یبسط احدکم ذراعیه انبساط الکلب۔ (۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اعتدال کے ساتھ سجدہ کرو، اورتم میں سے کوئی اپنے بازو کو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔

علامہ مناوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفیه إیماء إلی النہی عن التشبه بالحیوانات الخسیسة فی الأخلاق والصفات وهیئة القعود ونحو ذلک۔ (۲)

ترجمہ: یعنی اس حدیث پاک سے ذلیل جانوروں کے اخلاق وعادات اورنشست وبرخاست کی مخصوص ہیئتوں میں

(۱) البخاری صفة الصلوة ۱۔۲۸۳ رقم ۷۸۸ لا یفترش ذراعیه فی السجود۔

(۲) فیض القدیر للمناوی ۱/ ۵۳

مشابہت کی مخالفت ثابت ہو رہی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: والتشبه ہنا مذموم مع عدم وجود القصد فإذا وجد القصد كان ذمه من باب أولٰى۔ (۱)

یعنی یہاں تو تشبہ بلا قصد ہے لیکن پھر بھی مذموم ہے لہذا اگر قصدا تشبہ اختیار کیا جائے تو بدرجہ اولی ممنوع ہوگا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: إذا سجد أحدكم فليعتدل ولا يفترش ذراعيه افتراش الكلب۔ (۲)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اعتدال کو ملحوظ رکھے، اور اپنے بازو کو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: وقد ذكر الحكم ہنا مقرونا بعلته فإن التشبه بالأشياء الخسيسة يناسب تركه۔ (۳)

یعنی یہاں پر حکم کو علت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ رذیل اشیاء کے ساتھ مشابہت کو ترک کرنا ہی مناسب ہے۔

اسی لئے بلا عذر اس طرح ہاتھ بچھانے کو جمہور فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے خواہ فرائض میں ہو یا نوافل میں۔

علامہ شامی نے صاحب بحر کے حوالہ سے کراہت تحریمی کا رجحان ظاہر کیا ہے، نیز اس ممانعت کی علت درندوں اور جانوروں کے ساتھ مشابہت بتلائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

---

(۱) مجموع فتاوی ابن تیمیه ۳۲/۲۵۷

(۲) اخرجه البخاری عن جابر فی صفة الصلوة

(۳) فتح الباری: ۳/۲۱۹ لا يفترش ذراعيه فی السجود

قال في البحر قيل وانما نهي عن ذلك لأنها صفة الكسلان والتهاون بحاله مع ما فيه من التشبه بالسباع والكلاب والظاهر انها تحريمية للنهي المذكور من غير صارف.

ترجمہ: بحر میں ایک قول یہ ہیکہ: وجہ ممانعت یہ ہیکہ یہ سست افراد کی صفت ہے نیز اس میں درندوں اور کتوں کے ساتھ مشابہت ہے، اور مذکورہ ممانعت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے۔(۱)

نماز میں جانوروں کی صفات اختیار کرنا

جو شخص بلا خشوع وخضوع بہت جلد نماز پڑھتا ہے جلدی جلدی رکوع وسجود کرتا ہے گویا وہ کوئی مرغ ہے جو جلدی جلدی دانہ چنگتا ہے، اسی طرح جو شخص نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے (بلا تحویل صدر) وہ گویا لومڑی کی طرح بار بار مڑتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب سے منع فرمایا ہے: عن ابی ہریرۃ قال نہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثلاث نقرۃ کنقرۃ الدیک وإقعاء کإقعاء الکلب والتفات کالتفات الثلعب۔ (۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (نماز میں) تین چیزوں سے منع فرمایا ہے، مرغے کی طرح چونچ مارنے سے، کتے کی طرح بیٹھنے سے، اور لومڑی کی طرح بار بار مڑنے سے۔

دوسری حدیث میں ہے: عن عبد الرحمن بن شبل قال: نہی

(۱) رد المتابر مع الدر ۲/۲۱۱ ط زکریا

(۲) مسند احمد ۱/۲۴۰ رقم الحدیث ۸۰۹۱

رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نقرة الغراب وافتراش السبع وان يوطن المكان كما يؤطن البعير۔

ترجمه: عبد الرحمن بن شبل سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے (نماز میں) کوے کی طرح ٹھونگ مارنے سے، درندوں کی طرح بازو پھیلانے سے منع فرمایا ہے، نیز آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص مسجدوں میں اس طرح جگہ خاص کرلے جیسا اونٹ اپنے باڑے میں ایک جگہ خاص کرلیتا ہے۔(۱)

ایطان کی تفصیل علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے کہ مسجد میں ایک جگہ ایسی مقرر کرے کہ صرف وہیں نماز پڑھے کسی دوسری جگہ نماز نہ پڑھے جیسے اونٹ اپنے باڑے میں متعینہ جگہ پر ہی آرام کرتا ہے۔

الایطان ان یألف الرجل مکانًا معلوما من المسجد لا یصلی إلا فیه کالبعیر لا یاوی من عطنه إلا إلی میرک۔ (۲)

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے:

عن ابی هریرة مرفوعا: إذا سجد احدکم فلا یبرک کما یبرک البعیر ولیضع یدیه قبل رکبتیه۔ (۳)

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے: جب تم میں سے کوئی سجدہ کو جائے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اسے

---

(۱) ابو داؤد، کتاب الصلوة باب صلوة من لا یقیم صلبه فی الرکوع والسجود: ۱/۲۲۸ رقم ۸۶۲،النسائی باب النہی عن نقرة الغراب: ۲/۵۶۳رقم:۱۱۱۱

(۲) شرح السنة للبغوی ۳/۱۶۲، الصلوة

(۳) ابو داؤد کتاب الصلوة باب کیف یضع رکبتیه قبل یدیه ۱/۲۲۲

چاہئے کہ دونوں گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔

غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کی مخصوص حرکات وعادات کے ساتھ مشابہت سے بھی منع فرمادیا تاکہ ان کے آثار واثرات سے امت محفوظ رہے۔

نماز میں سدل کی ممانعت

سدل لغت میں "اَلْإِرْخَاءُ وَالْإِرْسَالُ" یعنی چھوڑنے اور لٹکانے کو کہا جاتا ہے۔اور اِصطلاح میں "اَلْإِرْسَالُ بِدُونِ الْمُعْتَادِ" کپڑے کو خلافِ عادت طریقے سے لٹکانا۔(۱)

اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں اصطلاحی اعتبار سے:

کپڑے کو سر یا کندھے پر ڈال کر دونوں طرف سے لٹکادیا جائے۔

ایک کپڑے کو بدن پر اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ ہاتھ پیر اندر رہوں۔

اسبال ازار یعنی ٹخنوں کے نیچے کپڑا لٹکانا۔

لباس کے پہننے کا معروف طریقہ چھوڑ کر بے ڈھنگا پن اختیار کرنا۔(۲)

ان میں سے پہلی تفسیر کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے علامہ زیلعی فرماتے ہیں: ھوان یجعل ثوبہ علی راسہ اوکتفیہ ویرسل جوانبہ (یعنی اپنے سر یا کاندھے پر کپڑا اڈالے اور اس کے اطراف کو ایسے ہی چھوڑ دے۔)(۳)

چونکہ سدل بھی یہودیوں کا خاص شعار تھا وہ نماز میں اسی ہیئت کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ان کی مشابہت سے بچانے کی

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۶۳۱/۲۔

(۲) درس مشکوۃ: ۲۵۷

(۳) تبیین الحقائق: ۱/ ۱۶۴الصلاۃ وما یکرہ فیہا۔

یہ تعریف علامہ مطرزی نے بھی ذکر کی ہے دیکھیے المغرب للمطرزی ص:۳۲۱۔

لئے نماز میں سدل سے منع فرمادیا:

عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن السدل فی الصلوة۔ (۱)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے سدل کا شعار یہود ہونا ثابت ہوتا ہے:

روی عن علی بن ابی طالب انه رأی قوما سدلوا فی صلاتهم فقال: كأنهم اليهود خرجوا من فهو رهم ای کنائسهم۔ (۲)

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کچھ افراد کو نماز میں سدل کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ ایسے لگ رہے ہیں کہ جیسے کہ یہودی جو اپنے کنیسوں سے نکلے ہوں۔

انہیں روایات کے پیش نظر فقہاء احناف نے نماز میں سدل کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے؛ قال فی الدر وکره سدل تحريما للنهی ثوبه ای إرساله بلا لبس معتاد۔ (۳)

ترجمہ: یعنی اپنے کپڑوں کو معتاد طریقے پر پہنے بغیر یوں ہی اپنے اوپر چھوڑ دینا مکروہ تحریمی ہے۔

---

(۱) ترمذی باب ماجاء فی کراہیة السدل فی الصلوة ۲/۲۱۷ رقم ۳۷۸

(۲) مصنف عبد الرزاق کتا ب الصلوة باب السدل: ۱/۳۶۴، رقم الاثر: ۱۴۲۳

(۳) الدر المختار مع رد المختار ۲/۴۰۵ الصلوة باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها ط زکریا

علامہ زیلعی ممانعت سدل کی علت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولان فیه تشبہا باهل الکتاب فیکرہ۔ (۱)

ترجمہ: یعنی چونکہ اس میں اہل کتاب کی مشابہت ہے اس لیے مکروہ ہوگا۔

نماز میں کسی ایک پیر پر کھڑا ہونا

چونکہ یہود جب اپنی عبادت کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو دونوں پیروں کو برابر کرکے نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ کسی ایک پیر پر زور دے کر کھڑے ہوتے تھے آپ ﷺ نے نماز میں ان کی طرح کھڑے ہونے سے منع فرمایا:

قال النبی صلی اللہ علیه وسلم: إذا قام احدکم فی صلاته فلیسکن اطرافه ولا یتمیل تمیل الیهود فإن تسکین الأطراف من تمام الصلوة۔ (۲)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے اعضاء وجوارح کو ساکن رکھے، کیونکہ اعضاء کو ساکن رکھنا تمامیت نماز میں سے ہے۔

محیط برہانی میں ہے: ویکرہ التمایل علی یمناہ مرة وعلی یسراہ أخری فقد صح عن ابي بکر الصدیق رضي اللہ عنه أنه قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول اذا صلی احدکم فلیسکت اطرافه فیه ولا یتمایل تمایل الیهود۔ (۳)

(۱) تبیین الحقائق ۴۱۰/۱ ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها ط زکریا دیوبند

(۲) حلیة الأولیاء: ۳۰۴/۹، دار الکتاب العربی بیروت

(۳) المحیط البرهانی ۳۷۹/۱ الفصل السادس عشر

ترجمہ: یعنی کبھی دائیں طرف جھکنا اور کبھی بائیں طرف جھکنا مکروہ ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے اعضاء وجوارح کو ساکن رکھے اور یہود کی طرح جھومنے نہ لگے۔

تمایل کا مطلب

لیکن بظاہر اس تمایل سے مراد یہ نہیں ہے کہ کوئی سکون کے ساتھ نماز میں ایک ہی پیر پر زور دے کر کھڑا رہے بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مسلسل نماز میں جھومتا اور ہلتا رہے یا مستقل پیر بدلتا رہے کبھی اس پیر پر اور کبھی دوسرے پر جلدی جلدی ایسا کرے تو دراصل یہ تمایل یہود ہے۔

علامہ شرنبلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مراقی الفلاح میں ہے: والتراوح أفضل من نصب القدمين وتفسير التراوح أن يعتمد على قدم مرة وعلى الآخر مرة لأنه أيسر وأمكن لطول القيام.

پھر اس کے ذیل میں حاشیۃ الطحطاوی میں لکھتے ہے:

وروي عن الامام التراوح في الصلاة احب الى من ان ينسب قدميه نسبا فما في منيه المصلي من كراهه التمايل يمينا ويسارا محمول على التمايل على سبيل التعاقب من غير تخلل سكون مما يفعله بعضهم حال الذكر لا الميل على احد قدمين بالاعتماد ساعة ثم الميل على الاخرى كذلك بل هو سنة ذكره ابن امير حاج۔ (۱)

---

(۱) حاشیته الطحطاوی علی المراق ۲۲۶صـ فصل فی بیان سننها

روایات سے بھی اسی مطلب کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ محیط برھانی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے جو حدیث مذکور ہے اس کا پس منظر کنز، ترغیب اور جامع الاحادیث وغیرہ میں یہ مذکور ہے کہ صدیق اکبر کی بیوی حضرت ام رومان ایک مرتبہ نماز پڑھ رہی تھیں اور نماز میں ہل رہی تھیں صدیق اکبر نے اس زور سے ڈانٹا کہ نماز بمشکل پوری کر سکیں اور آپ نے فرمایا کہ نماز میں یہودیوں کی طرح ہلنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

عن ام رومان قالت رأني أبوبكر أميل في الصلاة فزجرني زجرة كدت أنصرف من صلاتي ثم قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا قام احدكم في الصلاة فليسكن أطرافه ولا يتميل تميل اليهود فإن تسكين الأطراف من تمام الصلاة۔ (۱)

ایک دوسری روایت میں ولا يتميل بجسده كما تصنع يهود، ہے جس سے اس مطلب کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمیل یہود کے ساتھ تشبیہ دے کر منع فرمایا ہے اور یہودیوں کا تمیل یہ نہیں تھا کہ وہ ایک پیر پر عبادت کے لئے کھڑے ہوتے تھے بلکہ وہ جھومتے اور ہلتے تھے۔ چنانچہ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نوادر الاصول میں اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما تميل اليهود فأصامه أن موسى عليه السلام كأن اذا قراء التوراة على بني اسرائيل تلذذ بما فيه وهاجت منه اللذة فكان يتمايل على قراءته كالذي يضطرب على الشيء يقرأه فخلت قلوب ما بعده مما كان يجده عليه السلام فاستعملوها من بعده على خراب القلوب وخلاء الباطن من ذلك قال موسى عليه السلام يوم الوفاة إن هدنا إليك اي ملنا إليك وهو التوبة فأخذوا هذا من قوله وجعلوا يتهادون في صلاتهم تمايلا۔ (۲)

(۱) جامع الحديث للسيوطي رقم الحديث ٢٧٦٠٦

(۲) نوادر الاصول ١٧٢/٢ فى حقيقته الخشوع

تمایل یہود کی حقیقت یہ ہے کہ موسی علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو تورات پڑھ کر سناتے تو اس خداوندی کلام کی حلاوت سے لطف اندوز ہوتے حتی کہ یہ کیف وسرور جب بہت بڑھ جاتا تو آپ اس کے پڑھنے پر ایسے جھومتے جیسے کوئی چیز پڑھ کر آدمی پھڑک اٹھتا ہے پھر حضرت موسی علیہ السلام کے بعد جب لوگوں کے قلوب پر مردنی چھا گئی اور وہ اس کیفیت سے محروم ہو گئے تب بھی وہ بہ تکلف تورات کی تلاوت کے وقت ویسے ہی جھومتے رہے اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی وفات کے دن یہ جملہ استعمال فرمایا: ان هدنا اليك یعنی ہم اللہ کی طرف متوجہ ہوئے ہم نے اس سے توبہ کی لیکن بنی اسرائیل نے اس کا مطلب ہلنا اور جھومنا لیا چنانچہ وہ اپنی عبادات میں جھومنے لگے۔

اسی طرح الدکتور المطیر ی لکھتے ہیں: كما أن التيمل من عادة اليهود عند قراءة التوراة حيث يتمايلون وقيل لذلك سمى اليهود يهودا أى لأنهم يتهودون اي يتحركون عند قراءة التوراة ويقولون إن السماوات والارض تحركت حين اتى الله موسى التوراة. (١)

الغرض نماز میں جھومنا، ہلنا، بلا عذر بکثرت جلدی جلدی پیر بدلنا ظاہر ہے یہ منافی خشوع ہونے کے ساتھ ساتھ یہود کی مشابہت بھی ہے اس لیے مکروہ تحریمی ہے ہاں اگر وقفہ وقفہ سے کسی ایک پیر پر زور دیدیا جائے تو یہ کراہت میں نہیں آئے گا تاہم بلا عذر ایسا کرنا بھی خلاف اولیٰ ہوگا۔

(١) التشبه المنهى عنه ٤٣٢

آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا

اسی طرح یہود آنکھیں بند کرکے عبادت کرتے تھے اور یہ ان کا خاص شعار تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمادیا:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا قام احدکم فی الصلوۃ فلا یغمض عینیہ۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی نماز پڑھے تو اپنی آنکھوں کو بند نہ رکھے۔

اور اس عمل کے شعار یہود ہونے کی صراحت سفیان بن عیینہ حضرت مجاہد، سفیان ثوری امام اوزاعی امام احمد ان سب نے کی ہے۔

ففی المغنی: ویکرہ ان یغمض عینیہ فی الصلاۃ نص علیہ احمد وقال ھو فعل الیھود وکذلک قال سفیان وروی ذلک عن مجاھد و الثوری و الاوزاعی۔ (۲)

(یعنی آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے، امام احمد نے اس کی صراحت کی ہے اور فرمایا کہ یہ یہود کا عمل ہے، یہی قول حضرت سفیان کا بھی ہے، اور یہی بات حضرت مجاہد، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ سے بھی منقول ہے۔)

اسی لئے بشمول علمائے احناف جمہور نے اسے نماز میں بلا عذر مکروہ قرار دیا ہے۔(۳)

---

(۱) اخرجہ الطبرانی فی معاجمہ الثلاثۃ والھیثمی فی مجمع الزوائد: ۸۶/۲

(۲) المغنی ۱۲۴/۳ الصلاۃ فصل ترک شیء من سنن الصلاۃ۔

(۳) تبیین الحقائق: ۴۱۱/۱ مایفسد الصلاۃ

حاشیہ الشلبی علی التبیین میں ہے: قوله وتغميض عينيه لأنه تشبه باليهود ذكره في الدراية نقلا عن فتاوى الظهيرية۔

ہاں البتہ یہ کراہت تنزیہی ہے اس لیے اگر ادھر ادھر کی چیزوں پر نگاہ پڑنے کی وجہ سے دلجمعی اور خشوع فوت ہو رہا ہو تو کمال خشوع کے حصول کے لیے نگاہ بند بھی کی جا سکتی ہے۔

قال ابن عابدين: ثم الظاهر أن الكراهية تنزيهية ...... الالكمال الخشوع بأن خاف فوت الخشوع بسبب رؤية ما يفرق الخاطر فلا يكره. (۱)

نماز میں تشبیک

تشبیک کہتے ہیں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا؛ التشبيک هو أن يدخل الشخص أصابع إحدى يديه بين أصابع الأخرى۔ (۲)

یہ چونکہ شیطان کی خاص حرکت ہے اس لئے نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا؛ عن أبی سعيد الخدریؓ أن النبی صلی الله عليه وسلم قال: إذا كان احدكم فی المسجد فلا يشبكن فإن التشبيک من الشيطان الخ۔ (۳)

ترجمہ: یعنی جب کوئی شخص مسجد میں جائے تو تشبیک نہ کرے کیونکہ یہ شیطانی عمل ہے۔

(۱) الدر مع الرد ۲/۴۱۳۔ ۴۱۴ ط زکریا

(۲) رد المحتار: ۲/۴۰۹با ب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، زكريا

(۳) رواه احمد فی مسنده عن أبي ايوب المساجد باب كراہة الاحتباء والتشبيک فی المسجد ۳/۵۲رقم ۳۱۶ـقال الهميع فی مجمع الزوائد ۲/۲۸،اسناده حسن

اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھا ہو تو اس شخص کے لیے بھی تشبیک مکروہ ہے کیونکہ وہ بھی حکما نماز میں ہے۔

عن ابي سعيد الخدري قال اذا كان احدكم في المسجد فلا يشبكن فان التشبيك من الشيطان وان احدكم لا يزال في صلاة ما دام في المسجد حتى يخرج منه (ايضا)

بلکہ اگر کوئی گھر سے مسجد کے لیے نماز کے ارادہ سے نکلے تو راستہ میں بھی تشبیک مکروہ ہے۔

عن كعب بن عجرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إذا توضأ احدكم ثم خرج عامدا الى الصلاة فلا يشبكن بين يديه فانه في صلاة۔ (۱)

حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو نماز میں تشبیک کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: تلك صلاة المغضوب عليهم۔ (یہ ان لوگوں کی نماز ہے جن پر اللہ تعالی کا غضب ہے۔)(۲)

یعنی یہ نماز میں یہودیوں کی خاص حرکت ہے اس لیے اس کی مشابہت مت اختیار کرو۔

علامہ ابن رجب اس جملہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: وكرهه طاؤوس والنخعي وقال النعمان بن عياش كانوا ينهون عن ذلك وكلام ابن عمر يدل على انه كره لما فيه من مشابهة اهل الكتاب۔ (۳)

(یعنی حضرت طاؤس اور نخعی نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، اور نعمان بن عیاش فرماتے ہیں: علماء اس سے منع فرماتے تھے، اور حضرت ابن عمر کا قول اس

---

(۱) ترمذی رقم ۳۸۶ باب ما جاء فی کراهته التشبیک بین الاصابع فی الصلاة

(۲) ابو داؤد کتاب الصلوة باب کراہیة الاعتماد علی الید فی الصلوة: ۲۶۱/۱، رقم ۹۹۳

(۳) فتح الباري لابن رجب ٤٢٦/٣

بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے مکروہ ہونے کی وجہ اھل کتاب سے مشابہت ہے۔)

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس جملہ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب بذل المجہود فرماتے ہیں: فقول ابن عمر: تلک صلاة المغضوب عليهم: لعله اشارة الى ان الصلاة بالتشبيک صلاة اليهود وهم المغضوب عليهم فلا تشبهوا بهم فنهاهم عن التشبيک فی الصلاة للتشبه بهم۔ (۱)

ترجمه: یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مذکورہ قول سے یہ بتلانا مقصود ہیکہ تشبیک کے ساتھ نماز پڑھنا یہود کا طریقہ ہے کیونکہ یہی لوگ مغضوب علیہم ہیں، اس لیے تم ان کی مشابہت مت اختیار کرو، تو نماز میں تشبیک سے منع کیا گیا کیونکہ اس سے یہود کی مشابہت لازم آتی ہے۔

اسی لئے فقہاء نے اس فعل کو بلا ضرورت نماز میں مکروہ تحریمی ہونے کا رجحان ظاہر کیا ہے:

ونقل فی المعراج الإجماع على كراهة الفرقعة والتشبيک فی الصلوة وينبغی أن تكون تحريمتيه للنهی المذكور۔ (۲)

(صاحب معراج نے فرقعہ اور نماز میں تشبیک کے مکروہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، اور مذکورہ ممانعت کے پیش نظر اسے مکروہ تحریمی ہونا چاہئے۔)

---

(۱) بذل المجهود ۵۵۸/۴ کتاب الصلاة رقم ۹۹۳ ط دار الكتاب

(۲) رد المتاور ۴۰۹/۲ ما يكره فيها، زكريا

الغرض چونکہ تشبیک شیطان کی خاص حرکت تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی اس علت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ عمل خارج صلوۃ بھی ممنوع ہو لیکن چونکہ خارج صلاۃ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بہت سے صحابہ کرام سے تشبیک کا عمل منقول ہے اس لئے یہ حکم صرف نماز اور توابع نماز کے لئے ہوگا۔

اور خارج نماز بلاضرورت مکروہ تنزیہی ہوگا البتہ کسی مقصد اور ضرورت سے بلا کراہت درست ہوگا۔

وفي الرد وتشبيكها ولو منتظر الصلاة او ماشيا اليها للنهي ولا يكره خارجها لحاجة، وقال ابن عابدين: المراد بخارجها ما ليس من توابعها لان السعي اليها والجلوس في المسجد لاجلها في حكمها.... واراد بالحاجة نحوا راحة الاصابع فلو بدون حاجة بل على سبيل العبث كره تنزيها.... واما التشبيك فقال في الحلية لم اقف لمشايخنا فيه على شئ والظاهر انه لولغير عبث بل لغرض صحيح ولولا راحة الاصابع لا يكره۔ (۱)

نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا

صحیحین وغیرہ میں یہ روایت ہے: عن ابی ھریرۃؓ عن النبی ﷺ نھی عن الخصر فی الصلوۃ۔ (۲)

ترجمہ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں اختصار سے منع فرمایا ہے۔

(۱) الدر مع الرد ۲/۴۰۹ زکریا ص:۴۵

(۲) البخاری باب الخصر فی الصلوۃ ۱/۴۰۸ رقم ۱۱۶۱۔ مسلم کتاب المساجد باب کراہیۃ الإختصار فی الصلوۃ ۱/۳۳۳ رقم ۵۴۵

اختصار کا مطلب

حدیث میں دوران نماز خصر یا اختصار کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد کیا ہے تو اس سلسلے میں علماء امت کے درمیان مختلف اقوال ملتے ہیں:

(۱) جمہور فقہاء و محدثین اور اہل لغت کے نزدیک اس سے مراد نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا ہے:

هو وضع اليد على الخاصرة۔ (کوکھ پر ہاتھ رکھنا)(۱)

(۲) حافظ ابن حجر نے علامہ خطابی کے حوالہ سے یہ تعریف نقل کی ہے کہ کوئی عصا وغیرہ لیکر نماز میں اس پر ٹیک لگائے۔ هو أن يمسك بيده مخصرة أي عصا يتوكّأ عليها في الصلاة۔(۲)

اور علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں اور زیلعی نے تبیین الحقائق میں کسی کی طرف منسوب کیے بغیر مذکورہ تعریف ذکر کی ہے۔

(۳) تیسری تعریف بعض حضرات نے یہ کی ہیکہ پوری سورت چھوڑ کر صرف آخر سے ایک دو آیتیں پڑھے۔

هو ان يختصر السّورة فيقرأ من آخرها آية أو آيتين۔

حافظ ابن حجرؒ نے یہ تعریف علامہ ہروی کی طرف منسوب کی ہے۔(۳)

(۴) چوتھی تعریف یہ ہے کہ مصلی نماز میں اختصار کرے، یعنی نماز جلدی جلدی ادا کرے رکوع وسجود اطمینان سے ادا نہ کرے؛ هو ان يختصر صلاته فلا يتم حدودها ولا يطمئن فيها۔(۴)

(۱) فتح القدیر: ۱/۴۱۰، المبسوط: ۱/۲۶، المجموع للنووي: ۴/۹۷، المغني لابن قدامة: ۲/۳۹۳، المغرب للمطرزی ۱۴۶۔ (۲) فتح الباری: ۳/۸۹، دیکھئے فتح القدیر: ۱/۴۱۰، تبیین الحقائق للزيلعي: ۱/۱۶۴۔ (۳) فتح الباری: ۳/۸۹ کتاب الصلوة

(۴) فتح القدیر: ۱/۴۱۰، المجموع للنووی: ۴/۹۷

(۵) پانچویں تعریف یہ کی گئی ہے کہ صرف آیات سجدہ کو پڑھ کر سجدہ کرے؛

هو ان يقتصر على الآيات التى فيها السجدة ويسجد فيها۔ (۱)

ترجمہ: یعنی صرف آیات سجدہ پر اکتفا کر لے دوسری کوئی آیت نہ پڑھے اور پھر اس میں سجدہ کرے۔

لیکن ان مذکورہ، تعریفات میں پہلی تعریف ہی راجح ہے حضرات صحابہ کرام کے اقوال سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

إذا قام أحدكم إلى صلاته فلا يجعل يديه فى خاصرته فإن الشيطان يخصر لذلک۔ (۲)

یعنی جب کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے ہاتھوں کو اپنی کوکھ پر نہ رکھے کیونکہ اس طرح شیطان کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے اس فعل سے منع کیا ہے اور اسے خصائص یہود میں شمار فرمایا ہے؛

أنّها نهت أن يجعل الرّجل أصابعه في خاصرته في الصّلاة كما يصنع اليهود۔ (۳)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے اس بات سے منع کیا کہ کوئی شخص نماز کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو اپنی کوکھ پر رکھے جیسا کو یہودی کرتے ہیں۔

---

(۱) مغنى المحتاج: ۱/ ۲۰۲

(۲) مصنف ابن أبي شيبه: ۲/ ۴۷با ب الرّجل يضع يده فى خاصرته فى الصلوة مصنف عبد الرزاق: ۲/ ۲۷۴، باب وضع الرّجل يده في خاصرته في الصّلاة۔

(۳) اخرجه عبد الرزاق عن مسروق باب وضع الرجل يده فى خاصرته فى الصلوة: ۲/ ۲۷۲

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اوراس ممانعت کی علت مشابہت یہود ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں گزرا، اورآپ نے اس علت کی تصریح فرمائی ہےاور حدیث میں جو راحۃ أھل النّار آیا ہے ابن حبان نے اس کی یہی توجیہ کی ہے، فرماتے ہیں: راحة أهل النّار يعنى اليهود والنصارىٰ وهم اهل النار۔ (یعنی"راحۃ اہل النار" میں اہل نار سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔)(۱)

الغرض یہود ونصاریٰ اپنی عبادات میں اس ہیئت پر کھڑے ہوتے تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے منع فرمادیا، اسی لئے جمہور وفقہاء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے؛ بلکہ علامہ ابن عابدین نے انہیں احادیث کے پیش نظر بحر کے حوالہ سے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے:

قال فی البحر والذی یظهر ان الکراهة تحریمتیه فی الصلوة للنهی المذکور۔ (۲)

(یعنی نہی مذکور کی وجہ سے اس طرح کھڑے ہونا مکروہ تحریمی ہے۔)

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: ولا يجعل يديه على خاصرته لما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم انه نهى عن الاختصار في الصلاة وقيل انه استراحة اهل النار وقيل ان الشيطان لما اهبط اهبط مختصرا والتشبه بالكفرة مكروه خارج الصلاه ففي الصلاه اولى وعن عائشه رضي الله عنها انه عمل اليهود وقد نهينا عن التشبه باهل الكتاب۔ (۳)

---

(۱) بحواله مغنی المحتاج: ۱/۲۰۲

(۲) رد المختار: ۲/۴۱۰ما یفسد وما یکره فیها، زکریا

(۳) بدائع ۱/۵۰۴ ط زکریا

اشتمال صما کی ممانعت

نماز میں اشتمال صما کی ممانعت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں اشتمال صما یعنی ایک خاص ہیئت پر کپڑا پہن کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان لاحدكم ثوبان فليصل فيهما فان لم يكن الاثوب فليتزر ولا يشتمل اشتمال اليهود۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کسی کے پاس دو کپڑے ہوں تو وہ دونوں کپڑے پہن کر نماز پڑھے، اور اگر ایک ہی کپڑا ہو تو اسے ازار بنا لے، یہود کی طرح نہ پہنے۔

(۱) رواہ ابو داؤد

اشتمال صما کی تعریف

اشتمال صما کی مختلف تعریفیں کتابوں میں مذکور ہیں:

(۱) امام کرخیؒ سے یہ تعریف منقول ہے کہ کپڑے کے دونوں کنارے لیکر ایک کنارہ دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال دیا جائے بشرطیکہ بدن پر ازار نہ ہو:

أن يجمع طرفي ثوبه ويخرجهما تحت إحدى يديه على أحد كتفيه إذا لم يكن عليه سراويل۔ (۱)

(۲) امام مالک نے یہ تعریف ذکر کی ہے: هي ان يشتمل على منكبيه ويخرج يده اليسرى من تحت الثّوب ولا إزار عليه فإن كان عليه إزار فلا بأس به۔ (۲)

یعنی مونڈھے سے لیکر پورے بدن پر کپڑا لپیٹ لیا جائے اور بائیں ہاتھ کو کپڑے کے نیچے سے نکال لیا جائے بشرطیکہ بدن پر ازار نہ ہو۔

(۳) علامہ خطابی نے اصمعی اور بہت سے حضرات سے یہ تعریف نقل کی ہے:

ان يشتمل بثوبه فيجلل به جسده كله من رأسه إلى قدمه ولا يرفع جانبا حتى يخرج يديه منه۔ (۳)

یعنی کپڑے کو سرتا پاؤں اس طرح لپیٹ لیا جائے اور کس لیا جائے کہ کسی

(۱) بدائع الصنائع: ۱/۲۱۹، ما يكره في الصلوة (۲) الجامع لابن ابی زيد القيروانی: ص: ۲۵۵

(۳) تبيين الحقائق للزيلعی: ۱/ ۱۶۳ شرح السنّة للبغوی: ۲/ ۴۲۴

طرح ہاتھ نہ نکل سکے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تعریفات ذکر کی گئی ہیں، آخر الذکر جو تعریف ہے یہ اہل لغت کی طرف منسوب ہے جبکہ اول الذکر دونوں تعریفیں فقہاء کی طرف منسوب ہیں، اہل لغت اور فقہاء کی تعریفوں میں تھوڑا سا فرق ہے اہل لغت کے یہاں اشتمال کا تحقق اس وقت ہوگا کہ پورا بدن کپڑے سے ڈھانک کر کپڑے کو یونہی چھوڑ دیا جائے کپڑے کے اطراف کو اٹھا کر کندھے پر نہ رکھا جائے جب کہ فقہاء کے یہاں کسی ایک طرف اور کنارے کو کندھے پر رکھنا ضروری ہے اس کے بغیر اشتمال صما کا تحقق نہیں ہوگا، اور اشتمال صما کو اشتمال یہود بھی کہا جاتا ہے چونکہ یہ یہود کا خاص شعار تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہیئت اختیار کرنے سے منع فرمادیا ہے۔

راجح تعریف

ان دونوں تعریفوں میں سے فقہاء کی تعریف ہی راجح ہے کیوں کہ ایک روایت میں وہ تعریف خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے: چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت ہے:

عن ابی سعید الخدریؓ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن لبستین إلی قوله... واللبستان اشتمال الصماء والصماء ان یجعل ثوبه علی احد عاتقیه فیبدو احد شقیه لیس علیه ثوب۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو طرح کے پہناوے سے منع فرمایا

(۱) البخاری کتاب اللباس باب اشتمال الصماء: ۵/۲۱۹رقم ۵۴۸۲، مسلم کتاب البیوع باب إبطال بیع الملامسة والمنابذة: ۳/۹۳۲،رقم:۱۵۱۲،لکن لیس فیه تفسیر اللبستین

ہے۔۔۔ان میں سے پہلا اشتمال صما ہے،اور صما کا مطلب یہ ہیکہ کپڑے کو کاندھے پر ڈال لیا جاوے جس سے ایک طرف کی بدن ظاہر ہو جائے اور بدن پر کوئی دوسرا کپڑا بھی نہ ہو۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ظاهر سياق البخارى أن التفسير المذكور فيها مرفوع وهو موافق لما قاله الفقهاء۔ (١)

یعنی بخاری کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس روایت میں جو اشتمال صما کی تعریف مذکور ہے وہ آپ ﷺ سے منقول ہے اور یہ تعریف فقہاء کی بیان کردہ تعریف کے مطابق ہے۔

امام ابوعبید اور دیگر حضرات نے فقہاء کی تعریف ہی کو راجح قرار دیا ہے امام ابن رجب حنبلی نے اس ترجیح کو حسن قرار دیتے ہوے فرمایا ہے کہ چوں کہ فقہاء کلام نبوت کے رمز شناس اور مزاج شریعت سے واقف طبقہ ہے اس لیے لغویین کے مقابلہ میں ان کی فہم زیادہ قابل اعتماد ہوگی۔

قال ابو عبيد والفقهاء اعلم بالتاويل في هذا و ذلك أصح معنى في الكلام وهذا الذي قاله ابو عبيد في تقديم تفسير الفقهاء على تفسير اهل اللغة حسن جدا فان النبي صلى الله عليه وسلم قد يتكلم بكلام من كلام العرب يستعمله في معنى هو اخص من استعمال العرب او اعم منه ويتلقى ذلك عنه حملة شريعته في الصحابه ثم يتلقاه عنهم التابعون ويتلقاه عنهم ائمة العلماء فلا يجوز تفسير ما ورد في الحديث المرفوع الا بما قاله هؤلاء ائمة

(١) فتح الباري: ١/٤٧٧ اشتمال الصماء

العلماء الذين تلقوا العلم عمن قبلهم ولا يجوز الاعراض عن ذلك والاعتماد على تفسير من يفسر ذلك اللفظ بمجرد ما يفهمه من لغة العرب وهذا امرمهم جدا ومن اهمله وقع في تحريف كثير من نصوص السنة وحملها على غير محالها۔ (۱)

امام ابوعبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقہاء نصوص کی مراد کو زیادہ سمجھتے ہیں اور فقہاء کا ذکر کردہ معنی ہی اس کلام کا صحیح مفہوم ہے اور امام ابوعبید نے جو فقہاء کی تفسیر کو اہل لغت کی تفسیر پر راجح قرار دیا ہے یہ بہت عمدہ بات ہے کیاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کلام ارشاد فرماتے ہیں اور اسے عام استعمال عرب کے مقابلہ میں اصطلاحی طور پر کسی عام یا خاص معنی میں استعمال فرماتے ہیں پھر آپ سے وہ مفہوم آپ کے حاملین شریعت یعنی فقہاء صحابہ نقل کرتے ہیں پھر نقل در نقل وہ سلسلہ تابعین اتباع تابعین سے ہوتا ہوا ائمہ مجتہدین تک پہونچتا ہے اس لیے حدیث میں وارد کسی لفظ کی مراد و تشریح وہی درست ہوگی جو ان ائمہ وفقہاء نے ذکر کی ہے اس لیے کہ انہوں نے اس مفہوم کو اپنے پیشرو اہل علم سے حاصل کیا ہے اور ان فقہاء کی تفسیر وتشریح کو نظر انداز کر کے محض لفظ کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھ کر حدیث کی مراد طے کرنا بالکل بھی جائز نہیں ہے یہ بہت اہم بات ہے جو اسے نہیں سمجھے گا وہ نصوص کی مراد طے کرنے میں سخت تحریف کا شکار ہوگا اور نصوص کو غلط معنی پر محمول کردے گا۔

الغرض نماز اس طرح کی ہیئت بنا کر پڑھنا ممنوع ہے؛ عن نافع عن ابن عمر قال قال النبی صلی الله علیه وسلم: إذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیه: ولا یشتمل احدکم فی صلاته اشتمال الیهود۔ (۲)

(۱) فتح الباري لابن رجب باب من يستر من العورة ۲/۳۹۸

(۲) المجم الکبیر للطبرانی: ۱۱/۲۳۱باب المیم من اسمه محمد۔ ابو دئود: ۲/۳۶۵ باب من قال یتزر به إذا کان ضیقا

ترجمہ: نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے دونوں کپڑے پہن لے اور یہودیوں کی طرح کپڑا پہننے سے اجتناب کرے۔

اشتمال صما اور اشتمال یہود، یہ دونوں ایک ہی چیز ہے چنانچہ بعض روایات میں دونوں کا تذکرہ ایک ساتھ آیا ہے، سنن دارمی کی روایت ملاحظہ ہو۔

عن أبي هريرة قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن لبستين إلى قوله وعن الصماء اشتمال اليهود۔ (۱)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو طرح کے پہناوے سے منع فرمایا ہے اس میں سے ایک صما یعنی اشتمال یہود ہے۔

بعض حضرات نے اشتمال صماء اور اشتمال یہود میں فرق کیا ہے چنانچہ پورے بدن کو کپڑے سے ڈھانک کر کپڑے کے کناروں کو کندھے پر رکھنے کو اشتمال صماء اور پورا بدن ڈھانک کر یونہی کپڑا چھوڑ دینے کو اشتمال یہود سے تعبیر کیا ہے۔

علامہ خطابی ابوداؤد کی شرح میں لکھتے ہیں: قلت اشتمال اليهود هو ان يجلل بدنه الثوب ويسبله من غير ان يشيل طرفه فاما اشتمال الصماء الذي جاء في الحديث فهو ان يجلل بدنه الثوب ثم يرفع طرفيه على عاتقه الايسر هكذا يفسر في الحديث۔ (۲)

لیکن محقق بات یہ ہے کہ دونوں ایک ہی چیزیں ہیں دونوں میں کوئی فرق

---

(۱) سنن الدارمي: ۴/۲۰۲، باب النهي عن اشتمال الصماء

(۲) معالم السنن للخطابی باب في الثوب إذا كان ضيقا

نہیں ہے کپڑے کی مخصوص کیفیت کے اعتبار سے اشتمال صماء اور یہود کا مخصوص شعار ہونے کی وجہ سے اشتمال یہود سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنۃ میں اولا امام خطابی کا ذکر کردہ فرق نقل کیا پھر دونوں کو ایک ہی قرار دینے کا رجحان ظاہر فرمایا آپ لکھتے ہیں:

قلت وقد روي ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الصماء اشتمال الوهيد فجعلهما شيئا واحدا۔ (١)

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی صنیع اور طرز سے بھی یہی رجحان مستفاد ہوتا ہے چنانچہ آپ نے فیض الباری اور العرف الشذی میں مختلف مقامات پر دونوں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے آپ لکھتے ہیں:

ثم صرح الاحناف ان اشتمال الصماء اي اشتمال الهود في الثوب الواحد مكروه۔ (٢)

الغرض چونکہ نماز میں خاص یہ ہیئت بنانا اور اس طرح کپڑا پہن کر نماز پڑھنا یہودیوں کا خاص شعار اور ان کی خاص ہیئت تھی؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبہ سے بچنے کے لئے اس سے منع فرمایا؛ چنانچہ انہیں روایات کے پیش نظر فقہاء کرام نے بھی اسے مکروہ وممنوع قرار دیا ہے۔(٣)

---

(١) شرح السنة للبغوى ٤٢٥/٢ كتاب الصلاة

(٢) العرف الشذي ٣٣٥/١

(٣) دیکھئے: (بدائع الصنائع: ٣٥٩/٢، ما يستحب فى الصلوة وما يكره فيها تبيين الحقائق: ٢٧٨/٢ما يفسد الصلوة وما يكره فيها

نماز میں جوتے چپل اتارنے کا حکم:

یہودی لوگ جوتے یا چپل اتار کر نماز پڑھتے تھے اس لئے ان کی مخالفت میں اوران کی مشابہت سے بچنے کے لیے آپ ﷺ نے جوتے چپل میں نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

عن شداد بن اوسؓ مرفوعا خالفوا الیهود فإنهم لا یصلون فی نعالهم ولا خفافهم۔

ترجمہ: شداد بن اوس مرفوعا روایت کرتے ہیں: یہودیوں کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنے چپلوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے: صلوا فی نعالکم ولا تشبهوا بالیهود۔ (۱)

ترجمہ: جوتے پہن کر ہی نماز پڑھو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار کرنے سے بچو۔

لیکن دیگر روایات کی روشنی میں فقہاء کرام نے اس حکم کو اولویت اور افضلیت پر محمول کیا ہے کیونکہ روایات میں خود آپ ﷺ کا برہنہ پا نماز پڑھنا ثابت ہے؛ عن عمرو بن شیعب عن ابیه عن جده قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی حافیا ومنتعلا۔ (۲)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو برہنہ پا اور جوتا پہن کر دونوں طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

---

(۱) الطبرانی کما فی الجامع الصغیر وفسر السیوطی له بالصحة

(۲) ابو داؤد کتاب الصلوۃ با ب الصلوۃ فی النعال: ۱/۱۷۶، رقم: ۶۵۳

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے مخالفت یہود کی نیت سے چپل یا جوتوں میں نماز پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ پاک ہوں نیز ان میں سجدہ بہ ہیئت مسنونہ ادا ہو جائے۔ فيكون مستحبا من جهة قصد مخالفة اليهود وليست بسنةٍ۔ (۱)

(یعنی مخالفت یہود کے ارادہ سے جوتا پہن کر نماز پڑھنا مستحب ہوگا نہ کہ سنت۔)

صاحب درمختار فرماتے ہیں: وصلاته فيهما أفضل قال ابن عابدين: أي في النعل والخف الطاهرين افضل مخالفة لليهود۔ (۲)

ترجمه: یعنی یہود کی مخالفت میں پاک اور صاف جوتا یا چپل پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

تنبیه: لیکن چونکہ اس زمانے میں بالعموم راستوں میں نجاست اور گندگی پڑی رہتی ہے اور بے خیالی میں وہ چپل یا جوتے میں لگ جاتی ہے؛ اس لیے اس زمانے میں بہتر ہے کہ جوتے چپل اتار کر ہی نماز پڑھے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: قلت لكن إذا خشي تلويث فرش المسجد بها ينبغي عدمه وإن كانت طاهرة (أيضا)۔

ترجمه: یعنی اگر یہ اندیشہ ہو کہ جوتا پہن کر نماز پڑھنے سے مسجد کا فرش گندہ ہو جائے گا تو بغیر جوتا پہنے نماز پڑھنا بہتر ہے گرچہ جوتے پاک ہوں۔

ابن حجر نے یہی بات ابن بطال کے حوالہ سے اپنی فتح میں بھی ذکر کی ہے۔(۳)

---

(۱) عمد القاري: ۱۱۹/۴،باب الصلوة في الخفاف

(۲) الدّر مع الرّد: ۴۲۹/۲، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، زكريا

(۳) فتح الباري: ۲/۱۰۰، الصّلاة في النّعال

ہمارے بعض فقہاء نے جو چپل جوتے پہن کر مسجد میں داخل ہونے کو بے ادبی قرار دیا ہے اس کا محمل بھی یہی ہے؛ بلکہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے اس زمانے میں تشبہ بالنصاری کی وجہ سے جوتے چپل کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کو اولی قرار دیا ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رح لکھتے ہیں:

وينبغي لداخله تعاهد نعله وخفه وصلاته فيهما أفضل قال ابن عابدين: قوله وصلاته فيهما أي في الخف والنعل الطاهرين أفضل مخالفة لليهود تاتارخانية لكن إذا خشي تلويث فرش المسجد بها ينبغي عدمه وإن كانت طاهرة، وأما المسجد النبوي فقد كان مفروشًا بالحصى في زمنه صلى الله عليه وسلم بخلافه في زماننا ولعل ذلك محمل ما في عمدة المفتي من أن دخول المسجد منتعلاً من سوء الأدب قال الشيخ في البذل: بعد قوله صلى الله عليه وسلم خالفوا اليهود فإنهم لا يصلون في نعالهم ولا خفافهم، دل الحديث على أن الصلاة في النعال كانت مأمورة لمخالفة اليهود وأما في زماننا فينبغي أن تكون الصلاة مأمورة بها حافيًا لمخالفة النصارى فإنهم يصلون متنعلاً لا يخلعونها عن أرجلهم، انتهی۔ (۱)

ترجمہ: مسجد میں جو شخص جائے اس کو چاہئے کہ اپنے کوتے اور موزے کو دیکھ لے (کہ کہیں وہ گندے نہ ہوں) اور جوتا پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے۔ابن عابدین فرماتے ہیں: مخالفت یہود کے ارادہ سے پاک ساف جوتے یا موزے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔لیکن اگر مسجد کے فرش کے خراب ہوجانے کو اندیشہ

(۱) الکوکب الدری: ۱/۳۶۵

ہوتو ایسا نہیں کرنا چاہیے گرچہ وہ پاک ہی کیوں نہ ہو۔اور رہی بات مسجد نبوی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس کے فرش پر کنکریاں بچھی ہوئی تھیں اور ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے۔ (بلکہ اب تو فرش پکے ہوتے ہیں اس لیے بغیر جوتے کے نماز پڑھنا بہتر ہے)اور یہ ہی اس بات کا محمل ہے جو عمدۃ المفتی میں مذکور ہے کہ جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونا بے ادبی ہے۔ حضرت شیخ بذل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول خالفوا الیھود --- کے بعد فرماتے ہیں: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جوتے پہن کا نماز پڑھنے کا حکم یہود کی مخالفت میں تھا اور جب کہ ہمارے زمانہ میں جوتا پہن کر نماز پڑھنا نصاری کا شیوہ بن گیا ہے تو اب بغیر جوتے کہ نماز پڑھنا بہتر ہے۔

متعلقات جنازہ میں تشبہ

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا:

شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ حکم دیا کہ جنازہ خواہ مسلمان کا ہو یا کافر کا اسے دیکھ کر کھڑے ہوجائیں اور جب تک جنازہ گزر نہ جائے یا زمین پر رکھ نہ دیا جائے اس وقت تک بیٹھنے سے منع فرمایا:

عن عامر بن ربيعة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الجنازة فقوموا لها حتى تخلفكم او توضع۔ (۱)

(یعنی جب تم کوئی جنازۃ دیکھو تو کھڑے ہوجاؤ یہاں تک کہ وہ تم سے آگے نکل جائے یا زمیں پر رکھ دیا جائے۔)

خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شروع زمانے میں معمول مبارک بھی یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوجایا کرتے تھے:

عن جابر رضى الله عنه قال مرّ بنا جنازة فقام لها النبى صلى الله عليه وسلم وقمنا معه فقلنا يا رسول الله! إنّها جنازة يهودى فقال إذا رأيتم الجنازة فقوموا۔ (۲)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سے ایک جنازہ گذرا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوگئے اور ہم

(۱) رواه البخاری کتاب الجنائز باب القیام ۱/۴۴۰، رقم:۱۲۴۵، مسلم کتاب الجنائز باب القیام للجنازة: ۲/۵۴۹، رقم:۹۵۸

(۲) البخاری کتاب الجنائز باب من قام لجنازة یهودی: ۲/۴۴۱، رقم:۱۲۴۹

بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، پھر ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ تو یہودی کا جنازہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو۔)

لیکن ایک مرتبہ ایک یہودی عالم کی آپؐ سے ملاقات ہوئی تو اس یہودی عالم نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں یہ سن کر آپؐ فوراً بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ یہود کی مخالفت کرو اور بیٹھ جایا کرو۔

عن عبادة بن الصّامت رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا تبع جنازة لم يقعد حتى توضع في اللحد فعرض له حبر من اليهود فقال هكذا نفعل يا محمد فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال اجلسوا خالفوهم۔ (۱)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنازہ میں تشریف لے جاتے تو اس وقت تک نہیں بیٹھتے تھے جب تک کہ جنازہ کو قبر میں اتار نہ دیا جاتا، پھر ایک دن ایک یہودی عالم کی آپ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ یہود کی مخالفت کرو اور بیٹھ جایا کرو۔

(۱) ابو داؤد کتاب الجنائز با ب القیام للجنازة: ۳/۲۰۴، رقم:۳۱۷۶) (الترمذی کتاب الجنائز باب ما جاء فی الجلوس قبل ان توضع: ۳/۳۳۱، رقم ۱۰۲۰

یہ روایت منع تشبہ کی زبردست دلیل ہے کیونکہ ایک حکم جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی عامل ہیں صحابہ کرام بھی عمل پیرا ہیں مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا حکم فرما چکے ہیں؛ لیکن جیسے ہی معلوم ہوا کہ یہ عمل یہود کا بھی مذہبی شعار ہے اور یہ لوگ بطور عبادت اسے انجام دیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ان کی عملاً مخالفت کی اور صحابہ کرام کو بھی مخالفت کرنے کا حکم دیا اسی لئے جمہور فقہاء کے نزدیک جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم منسوخ ہوگیا ہے اب اس پر عمل کرنا مکروہ وممنوع ہے، حضرات صحابہ کرام سے بھی اس حکم کا منسوخ ہونا منقول ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا یہ آپ کا پہلا عمل تھا بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول بیٹھے رہنے کا تھا۔

عن عليّ انه قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام ثم قعد (١)

(یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوجایا کرتے تھے پھر آپؐ نے قیام ترک کردیا اور بیٹھے رہنے لگے)۔ مسلم شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے: قام فقمنا وقعد فقعدنا۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے تو ہم بھی کھڑے ہونے لگے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیہ وسلم بیٹھنا شروع کیا تو ہم بھی بیٹھنے لگے۔)

امام طحاوی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فقد ثبت بما ذكرنا أن القيام للجنازة قد كان ثم نسخ۔ (٢)

(١) مسلم كتاب الجنائز باب نسخ القيام للجنازة: ٢/٥٥١-٥٥٢،رقم الحديث: ٩٦٢

(٢) شرح معاني الآثار: ٢/٣٦٠،باب الجنازة تمرّ بالقوم أي يقومون بها أم لا؟

(اس سے ثابت ہوا کہ کھڑے ہونے کا حکم منسوخ ہے۔)

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے سامنے کچھ لوگ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو آپ نے پوچھا کیا بات ہے کیوں کھڑے ہو گئے انہوں نے جواب دیا کہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے یہ سن کر آپ نے وضاحت فرمائی؛

إنما قام رسول الله صلى الله عليه سلم مرة واحدة ثم لم يعد۔ (۱)

(یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک مرتبہ کھڑے ہوئے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کھڑے نہیں ہوئے) یہی رائے حضرت ابن عباسؓ کی ہے۔

اسی لئے جمہور فقہاء نے اس منسوخ حکم پر عمل کو مکروہ قرار دیا ہے تبیین الحقائق میں ہے:

وأمّا القاعد على الطريق إذا مرت به او القاعد على القبر فلا يقوم لها۔ (۲)

(یعنی راستہ میں یا قبر کے پاس بیٹھے ہوئے شخص کے پاس سے جنازہ گزرے تو وہ کھڑا نہ ہو)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیٹھے ہوئے شخص کے لئے جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے یہ یہودیوں کا خاص شعار ہے۔

---

(۱) الاستذکار: ۸/۳۰۲-۳۰۳، کتاب الجنائز، بیروت

(۲) تبیین الحقائق: ۳/۲۰۴، کیفیة صلوة الجنازة۔

قبر بغلی ہو یا صندوقی

قبر خواہ بغلی ہو جسے عربی میں ''لحد'' کہتے ہیں یا صندوقی ہو جسے عربی میں ''شق'' کہتے ہیں دونوں جائز ہے لیکن چونکہ صندوقی قبر یہود ونصاریٰ بناتے تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پسند نہیں فرمایا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ علیہ وسلم اللحد لنا والشق لغیرنا۔ (۱)

(ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لحد یعنی بغلی قبر ہمارے لیے ہے اور شق یعنی صندوقی قبر غیروں کے لیے)

مسند احمد میں حضرت جریر بن عبداللہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: والشق لأہل الکتاب (یعنی صندوقی قبر اہل کتاب اپنے لیے بناتے ہیں۔)(۲)

خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صدیق اکبر اور حضرت عمرؓ کو بغلی قبر ہی میں دفن کیا گیا اور بہت سے صحابہ کرام نے قبل الوفات اس کی وصیت بھی فرمائی:

عن نافع عن ابن عمرؓ قال الحد لرسول اللہ صلی اللہ ولأبی بکر وعمر واصی ابن عمر ان یلحد لہ۔ (۳)

ترجمہ: نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں،

---

(۱) ابو ؤاود کتاب الجنائز باب اللحد: ۳/۲۱۳ رقم ۳۲۰۸

(۲) مسند احمد أبواب الدفن واحکام القبور رقم: ۸۰۰۰

(۳) الاستذکار لابن عبد اللہ ۸/۲۸۹ کتا ب الجنائز

انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے بغلی قبر بنائی گئی تھی، اور ابن عمر نے اپنے لیے بھی بغلی قبر کی وصیت فرمائی تھی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے بھی یہی وصیت فرمائی تھی:

الحدوالی لحدا وانصبوا علی اللبن نصبا کما صنع برسول الله صلی الله علیه وسلم۔ (۱)

(یعنی میرے لیے بھی بغلی قبر بنانا اور کچی اینٹیں بچھانا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر بنائی گئی تھی۔)

انہیں روایات کے پیش نظر فقہاء احناف نے بغلی قبر کو ہی مسنون قرار دیا ہے اگرچہ کسی عذر کی بناء پر مثلاً زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے صندوقی قبر کی بھی گنجائش ہے، الغرض اہل کتاب کی مخالفت اور ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے یہی مسنون ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

وأمّا سنة الحفر فالسنة فیه اللحد عندنا۔ (۲)

(یعنی ہمارے نزدیک بغلی قبر بنانا سنت ہے۔)

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

السنة عندنا اللحد إلا ان یکون ضرورة من رخوة الارض فیخاف ان ینهار اللحد فیصار الی الشّق۔ (۳)

یعنی سنت تو بغلی قبر ہی ہے لیکن بوقت ضرورت مثلاً بغلی قبر بنانے سے اس

(۱) مسلم کتاب الجنائز باب فی اللحد ونصب اللبن علی المیت ۲/ ۵۵۴،رقم:۹۶۶

(۲) بدائع: ۳۲۷/۳،فصل سنة الحفر لدفن المیّت

(۳) فتح القدیر فصل فی الدفن: ۴۱۹/۳،ط: بیروت

کے دھنس جانے کا اندیشہ ہوتو صندوقی قبر بنائی جاسکتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت صندوقی قبر بنانا خلاف سنت اور مکروہ تنزیہی ہے۔

جنازہ کے پیچھے آواز بلند کرنا

جنازہ کے پیچھے چلتے ہوئے آواز بلند کرنا خواہ نوحہ وغیرہ کرنا یعنی میت کے اوصاف (واقعی یا فرضی) بیان کرکے بلند آواز سے رونا یا بآواز بلند ذکر واذکار اور قرأت قرآن کرنا یہ چونکہ اہل کتاب کی خاص عادت تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی؛

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تتبع الجنازة بنار ولا صوت۔ (۱)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنازہ کے پیچھے آواز نکالتے ہوئے اور آگ لے کر نہ چلا جائے۔

حضرات صحابہ کرام بھی جنازہ کے پیچھے آواز بلند کرنے کو ناپسند کرتے تھے:

عن قيس بن عباد قال كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون رفع الصوت عند ثلاث عند القتال، عند الجنائز وعند الذكر۔ (۲)

ترجمہ: قیس بن عبادہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین اوقات میں آواز بلند کرنے کو ناپسند کرتے تھے، قتال کے وقت، جنازہ لے جاتے وقت اور ذکر کرتے وقت۔

(۱) مسند احمد باب النہی عن اتباع الجنازة بصوت أو نار: ۲۰/۸،رقم الحدیث: ۲۱۴

(۲) الاوسط لابن المنذر ۳۸۹/۵

ان تین مواقع میں آواز بلند کرنے کی کراہت خود آپ ﷺ سے بھی منقول ہے:

عن الحسن أن النّبی صلی الله علیه وسلم کان یکره الصوت عند ثلاث عند الجنازة وإذا التقی الزحفان وعند قراءة القرآن۔ (۱)

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تین اوقات میں آواز نکالنے کو ناپسند کرتے تھے، جنازہ لے جاتے وقت، دو لشکر میں مڈبھیڑ ہوتے وقت اور قرآن پڑھتے وقت۔

انہیں روایات کے پیش نظر نیز اہل کتاب کے تشبہ سے بچنے کے لئے فقہاء کرام نے بھی زور سے کوئی چیز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: ویکره رفع الصوت بالذکر لما روی عن قیس بن عبادة ولأنه تشبه بأهل الکتاب فیکون مکروها۔ (۲)

ترجمہ: یعنی حضرت قیس بن عبادہ کی حدیث کی بنا پر ذکر کرتے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے، نیز اس میں اہل کتاب کی مشابہت ہے اس لیے بھی مکروہ ہے۔

جنازہ بہت آہستہ لے کر چلنا

جنازہ تیز قدموں کے ساتھ لے کر چلنا چاہیے، سبک روی اور سست رفتاری کے ساتھ جنازہ لے کر چلنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ یہود کی

(۱) مصنف ابن ابی شیبه ۳/۱۶۰، بیروت

(۲) بدائع: ۲/۴۶، کیفیة التشییع، دار الکتاب

خاص عادت تھی وہ جنازہ بہت دھیرے دھیرے لے کر قبرستان جاتے تھے آپ ﷺ نے ان کی مخالفت میں اور منع تشبہ کے لئے حکم دیا کہ جنازہ تیز قدموں کے ساتھ لے کر چلو ہاں دوڑ مت لگاؤ:

عن ابی هریرة قال: سمعت رسو الله صلى الله عليه وسلم يقول: اسرعوا بالجنازة فإن كانت صالحة قربتموها الى الخير وإن كانت غير ذلك كان شرا تضعونه عن رقابكم۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ جنازہ کو تیز قدموں کے ساتھ لے کر چلو کیونکہ اگر وہ نیک ہوگا تو تم اسے خیر کے قریب کر رہے ہو اور اگر بد ہوگا تو تم اس سے چھٹکارا پا جاؤ گے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ کہ ایک دوسری روایت اس سے زیادہ صریح ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا تبع الجنازة قال أنبسطوا بها ولا تدبوا دبيب اليهود بجنائزها۔ (۲)

یعنی یہود کی طرح سست رفتاری کے ساتھ جنازہ مت لے کر چلو۔

دبیب کے معنی آتے ہیں بہت آہستہ آہستہ چلنا، علامہ ابن الاثیر فرماتے ہیں: الدبيب هو المشيي رويدا رويدا۔ (۳)

بہت سے صحابہ کرام نے اپنی وفات سے پہلے یہ وصیت فرمائی ہے کہ میرے جنازے کو قبرستان کی طرف تیز گامی کے ساتھ لے کر چلنا یہود و نصاریٰ کی طرح آہستہ آہستہ مت چلنا۔

---

(۱) البخاری كتاب الجنائز باب السرعة بالجنازة: ۱/ ۴۴۲، رقم: ۱۲۵۲

(۲) مسند احمد ۸/ ۸، رقم: ۲۰۴ باب ماجاء فی حمل الجنازة والاسراع بها من غير رمل

(۳) النہاية لابن الاثير: ۲/ ۹۶

عن عمران بن حصين رضی اللہ عنہ قال إذا انا متّ فخرجتم بی فأسرعوا ولا تهوّدوا كما تهوّد اليهود والنّصاری۔ (۱)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں مرجاؤں اورتم میرے جنازے کو لے کر چلوتو یہود و نصاری کی طرح آہستہ آہستہ نہ چلنا۔

بلکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا عام معمول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تیز گامی کا تھا:

عن عيينة بن عبد الرحمن عن أبيه قال كنا فی جنازة عثمان بن ابی العاص فكنا نمشی مشيا خفيفا فلحقنا أبو بكرة فرفع سوطه فقال: لقد رايتنا مع النبی صلی الله عليه وسلم نرمل رملا۔ (۲)

ترجمہ: عیینہ بن عبد الرحمن، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم عثمان بن ابی العاص کے جنازہ میں تھے اور آہستہ آہستہ چل رہے تھے اسی دوران ابوبکرہ ہم سے آملے اور اپنا کوڑہ اٹھا کر کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنازہ میں تیز چلا کرتے تھے۔

الغرض ان روایات سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کی مشابہت سے بچانے کے لئے جنازہ کے اسراع کا حکم فرمایا اسی لئے فقہاء نے بلا عذر ابطاء اور سبک روی کو مکروہ قرار دیا ہے۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شيبه كتاب الجنائز با ب فی الجنازة يسرع بها إذا خرج بها ام لا۔ ۳/۲۸

(۲) مسندلاحمد باب ماجاء فی حمل الجنازة والا سراع بها الخ ۸/۷ رقم: ۲۰۳، ابو داؤد كتاب الجنائز باب الإسراع بالجنازة: ۲۰۵/۳، رقم:۳۱۸۱

روزوں میں تشبہ

سحری کھانے کا حکم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف روایات میں سحری کھانے کا حکم دیا ہے اور اس کی فضیلت بیان کی ہے اور یہ حث وتلقین اس لیے ہے کہ اہل کتاب بغیر سحری کھائے روزہ رکھتے تھے تو ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سحری کھانے کا حکم فرمایا:

عن انسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تسحروا فان فى السحور بركة۔ (١)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سحری کیا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے: عن عمروبن العاص انه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فصل بين صيامنا وصيام أہل الكتاب أكلة السحر۔ (٢)

ترجمہ: عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان فرق یہ ہیکہ ہم سحری کھا کر روزہ رکھتے ہیں اور وہ سحری نہیں کھاتے۔

---

(١) البخارى كتاب الصوم باب بركة السحو من غير ايجاب: ٢/٦٧٨،رقم: ١٨٢٣،مسلم كتاب الصيام باب فضل السحور وتاكيد استحبابه: ٢/٦٣٢رقم:١٠٩٥

(٢) مسلم كتاب الصيام باب فضل السحور وتاكيد استحبابه: ٢/٦٣٣رقم:١٠٩٦

علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: معناه الفارق والمميز بين صيامنا وصيامهم السحور فانّهم لايتسحّرون ونحن يستحب لنا السحور۔ (۱)

ترجمہ: یعنی حدیث کا معنی یہ ہیکہ ہمارے اوران کے روزہ کے درمیان فرق اورامتیاز کرنے والی چیز سحری کرنا ہے، کیونکہ وہ یعنی اہل کتاب سحری نہیں کرتے ہیں اور ہمارے لیے سحری کرنا مستحب ہے۔

اسی لیے جمہور فقہاء کرام نے اسے مستحب قرار دیا ہے بلکہ ابن المنذر نے تو اس کے مستحب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے:

قال ابن المنذر: أجمع العلماء على أن السحور مندوب اليه ومستحب ولا مأثم على تركه۔ (۲)

ترجمہ: یعنی علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سحری کرنا مستحب ہے اور اس کے ترک کرنے پر گناہ نہیں ہے۔

---

(۱) الشرح النووى: ۴/۴۳، فضل السحور وتاكيد استحبابه

(۲) شرح ابن بطال ۷/۵۱ کتاب الصیام

یوم عاشورہ کا روزہ

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ یہود یوم عاشورہ کو روزہ رکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا انہوں نے جواب دیا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تھا اس لیے ہم اس دن کی تعظیم کی غرض سے اس میں روزہ رکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے مقابلہ میں ہم موسیٰؑ سے زیادہ قربت رکھتے ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا؛

عن ابن عباسؓ قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم: المدينة فوجد اليهود يصومون يوم عاشوراء فسئلوا عن ذلك؟ فقالوا هذا اليوم الذى أظهر الله فيه موسى وبنى اسرائيل على فرعون فنحن نصومه تعظيما له فقال النبى صلى الله عليه وسلم نحن أولى بموسى منكم فامر بصيامه۔ (١)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ آئے اور دیکھا کہ یہود یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں، تو ان سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا؟ تو انھوں

(١) البخارى كتاب الصوم باب صيام يوم عاشوراء: ٢/ ٧٠٤، رقم: ١٩٠٠، مسلم كتاب الصيام باب صوم يوم عاشوراء: ٢/ ٧٥٤ رقم: ١١٣٠ اللفظ لمسلم

نے کہا کہ اس دن اللہ تعالی نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غلبہ عطا کیا تو ہم اس دن کی تعظیم میں روزہ رکھتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم موسیٰ کی اتباع کرنے کے تم سے زیادہ لائق ہیں پھر آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

لیکن اس طرح روزہ رکھنے میں یہود کی موافقت ہو رہی تھی تو آپ ﷺ نے فعل کی ہیئت اور کیفیت بدل دی اور صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ صرف یوم عاشوراء کا روزہ نہ رکھیں بلکہ ایک دن آگے یا پیچھے ایک روزہ کا اضافہ اور کرلیں تاکہ تشبہ بالیہود لازم نہ آئے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس کی صراحت ہے:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صوموا يوم عاشوراء وخالفوا اليهود وصوموا قبله يوما او بعده يوما۔ (۱)

ترجمه: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عاشوراء کے دن روزہ رکھو اور اس سے پہلے یا بعد میں ایک دن اور روزہ رکھ کر یہود کی مخالفت کرو۔

بلکہ جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو یوم عاشورا میں روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو صحابہ کرام کو یہی اشکال ہوا کہ اس دن کی یہود و نصاری تعظیم کرتے ہیں اس دن روزہ رکھنے میں ان کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ سال ان شاء اللہ ہم نویں کا بھی روزہ رکھیں گے تاکہ مشابہت باقی نہ رہے لیکن آئندہ سال یوم عاشوراء سے پہلے ہی آپؐ کا انتقال ہو گیا۔

---

(۱) رواه احمد في مسنده كتاب الصوم باب صيام يوم عاشوراء: ۲/ ۲۰۴رقم:۱۸۹۹

عن ابن عباسؓ قال حين صام رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عاشوراء وأمر بصيامه قالوا انه يوم تعظمه اليهود والنصارى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فاذا كان العام المقبل ان شاء الله صمنا اليوم التاسع قال فلم يأت العام المقبل حتى توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (۱)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اور رکھنے کا حکم دیا، لوگوں نے کہا کہ اس دن کی تو یہود ونصاری تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان شاء اللہ اگلے سال ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے، راوی کہتے ہیں کہ اگلے سال کے آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔

علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: قال بعض العلماء ولعل السبب فی صوم التاسع مع العاشر ان لا يتشبه باليهود فی إفراد العاشر وفی الحديث إشارة إلى هذا۔ (۲)

یعنی بعض علماء نے کہا کہ دسویں محرم کے روزہ کے ساتھ نویں کا روزہ رکھنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہیکہ تنہا دسویں کا روزہ رکھنے سے یہود کی مشابہت لازم آئے گی اور حدیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔

(۱) مسلم کتاب الصيام باب ای یوم یصام فی عاشوراء ۲/۶۵۵رقم۱۱۳۵

(۲) شرح النووی ۸/۱۳، کتاب الصیام

اس حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تشبہ بالیہود کی علت کو راجح قرار دیا ہے فرماتے ہیں:

ثُمَّ مَا هَمَّ بِهِ مِنْ صَوْمِ التَّاسِعِ يَحْتَمِلُ مَعْنَاهُ أَنَّهُ لَا يَقْتَصِرُ عَلَيْهِ بَلْ يُضِيفُهُ إِلَى الْيَوْمِ الْعَاشِرِ إِمَّا احْتِيَاطًا لَهُ وَإِمَّا مُخَالَفَةً لِلْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَهُوَ الْأَرْجَحُ وَبِهِ يُشْعِرُ بَعْضُ رِوَايَاتِ مُسْلِمٍ وَلِأَحْمَدَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَن بن عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا صُومُوا يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَخَالِفُوا الْيَهُودَ صُومُوا يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ يَوْمًا بَعْدَهُ وَهَذَا كَانَ فِي آخِرِ الْأَمْرِ وَقَدْ كَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ بِشَيْءٍ وَلَا سِيَّمَا إِذَا كَانَ فِيمَا يُخَالِفُ فِيهِ أَهْلَ الْأَوْثَانِ فَلَمَّا فُتِحَتْ مَكَّةُ وَاشْتُهِرَ أَمْرُ الْإِسْلَامِ أَحَبَّ مُخَالَفَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ أَيْضًا كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيحِ فَهَذَا مِنْ ذَلِكَ فَوَافَقَهُمْ أَو لَا وَقَالَ نَحْنُ أَحَقُّ بِمُوسَى مِنْكُمْ ثُمَّ أَحَبَّ مُخَالَفَتَهُمْ فَأَمَرَ بِأَنْ يُضَافَ إِلَيْهِ يَوْمٌ قَبْلَهُ وَيَوْمٌ بَعْدَهُ خِلَافًا لَهُمْ۔ (١)

ترجمہ: پھر آپ نے جو نویں محرم کا روزہ رکھنے کا قصد کیا اس میں یہ احتمال ہیکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ صرف اسی پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس کے ساتھ دسویں کا بھی روزہ رکھا جائے احتیاط کی بنا پر یا یہود و نصاری کی مخالفت میں اور یہی بات زیادہ راجح ہے جو کہ صحیح مسلم کی بعض روایات سے معلوم ہوتی ہے اور مسند احمد میں دوسرے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے: عاشوراء کے دن روزہ رکھو اور اس سے پہلے یا بعد

(١) فتح الباری: ٢٤٦-٢٤٥/٤ باب صوم یوم عاشوراء

میں ایک اور دن روزہ رکھ کر یہود کی مخالفت کرو اور یہ آخری زمانہ کا واقعہ ہے اور اس سے پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن امور میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا ان میں یہود کی موافقت پسند کرتے تھے خصوصا ان امور میں جن میں بت پرستوں کی مخالفت تھی لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور اسلام کا بول بالا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان یہود کی بھی مخالفت کو پسند کیا جیسا کہ صحیح حدیث میں مذکور ہے، اور یہ امر بھی ایسا ہی ہیکہ اولا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی موافقت کی اور فرمایا کہ موسیٰ کی اتباع کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان یہود کی مخالفت پسند کی تو حکم فرمایا کہ ان کی مخالفت کرتے ہوئے عاشورا سے ایک دن پہلے یا بعد کا بھی روزہ رکھا جائے۔

الغرض آپ نے یہود کی مشابہت سے بچنے کے لیے یوم عاشورہ کے ساتھ ساتھ ایک دن آگے یا ایک دن پیچھے روزہ رکھنے کا حکم دیا اسی لیے فقہاء کرام نے تنہا اس دن کا روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔(۱)

---

(۱) فتح القدیر: ۳۵۰/۲۔ بدائع کتاب الصوم

تنہا دس محرم کا روزہ

بعض حضرات اہل علم کی طرف سے یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ چوں کہ اس زمانے میں یہود و نصاریٰ عاشورہ کا روزہ نہیں رکھتے اس لیے مخالفت یہود و نصاریٰ کی علت نہیں پائی جارہی ہے اور ارتفاع علت سے حکم مرتفع ہو جاتا ہے، لہٰذا آج کل تنہا دس محرم کا روزہ مکروہ بھی نہیں ہوگا، حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چوں کہ یہود و نصاری وغیرہ یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے؛ بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا اس لیے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہٰذا فی زماننا رفع تشابہ کے لیے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے۔(۱)

جواب: مذکور الصدر بات سے اتفاق مشکل ہے کیونکہ یہ دعوی کہ اس زمانہ میں یہود و نصاریٰ عاشورہ کا روزہ نہیں رکھتے ہیں محتاج ثبوت ہے؛ بلکہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ یہود کا وہ طبقہ جو ٹھیٹھ مذہبی ہے اور اپنے دین و مذہب سے گہری وابستگی اور جنونی وارفتگی رکھتا ہے وہ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتا ہے اور یہ بات قرین عقل ہے کہ مذہبی طبقہ یہ روزہ کیسے چھوڑ سکتا ہے، جبکہ یہ ان کے مذہب میں بہت بڑی خوشی کی چیز اور قابل جشن دن ہے۔

(۱) معارف الحدیث: ۱۷۱/۴

چنانچہ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ لکھتے ہے: ایک شخص حال میں برطانیہ سے آئے تھے دوران گفتگو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے یہاں بعض یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں گو اس قسم کے پرانے خیال کے لوگ بہت کم ہیں۔(۱)

اور جہاں تک اس دعوے کا تعلق ہے کہ یہود کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا یہ بھی ثابت کرنا مشکل ہے؛ بلکہ داستان ماہ و سال کے مصنف جناب مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب کے بیان سے اس دعوے کی سرے سے تردید ہوتی ہے، آپ لکھتے ہیں: مگر مذہبی امور کے لیے قمری حساب کسی نہ کسی قدر باقی رکھا گیا ہے مثلاً نصاریٰ کا ایسٹر ہندوؤں کی دیپاولی اور یہودیوں کا صوم کبور (یعنی عاشورہ) اب بھی قمری حساب سے ہوتے ہیں باقی کاروباری ضرورتوں کے لئے شمسی سال رائج ہو گیا۔(۲)

چونکہ حضرت نعمانی علیہ الرحمہ کی تجویز و رائے مذکورہ دعووں پر مبنی تھی جن کا اثبات مشکل ہے، اس لئے حضرت رحمہ اللہ کی اس تجویز سے اتفاق بھی مشکل ہے، اکابرین نے بھی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا ایک سائل نے حضرت نعمانی علیہ الرحمہ کی تجویز کا پورا متن لکھ کر اس کے بارے میں حضرت لاجپوری رحمہ اللہ سے سوال کیا تو حضرت نے درج ذیل جواب دیا۔

الجواب: ماہ محرم کی دسویں تاریخ کا یعنی عاشورہ کے روزہ کا سنت ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور قول سے ثابت ہے اور تشبہ سے بچنے کے لیے نویں

---

(۱) فتاویٰ رحیمیه کتاب الصوم ۷/ ۲۷۳

(۲) تقویم تاریخی صفحه "ق" داستان ماہ و سال بحوالہ ماہ محرم الحرام کے فضائل از مولانا رضوان راولپنڈی ص: ۷۰ حاشیہ

تاریخ کے روزے کا قصد بھی ثابت ہے یہودیوں میں عاشورہ کے روزے کا رواج نہیں ہے یہ ثابت کرنا مشکل ہے، ان میں سے بعض پرانے لوگ جو بزعم خود اپنے مذہب کے پابند ہیں روزہ رکھتے ہوں گے، لہٰذا علت تشبہ قائم ہے۔(۱)

اسی طرح حضرت مفتی رضوان صاحب راولپنڈی دامت برکاتہم اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: اس سلسلہ میں عرض ہے کہ خواہ اب یہود ونصاری کے ساتھ یہ تشبہ نہ بھی پایا جارہا ہو تب بھی احادیث وروایات کی اتباع کا تقاضا یہی ہے کہ ان پر عمل کیا جائے لا نہ منصوص جیسا کہ چودہ سو سال سے امت کا اس پر عمل چلا آرہا ہے ورنہ اس سے تو بہت سے اسلامی احکام میں تغیر پیدا کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

وفي الجمله الاقتداء به سنه لاحتمال بقاء المعنى الذي فعله من اجله ولانه قد يفعل الشيء لمعنى ويبقى في حق غيره سنه مع زوال المعنى كالرمل والاضطباع في طواف القدوم فعله هو واصحابه لاظهار الجلد للكفار وبقى سنه بعد زوالهم۔

ترجمه: یعنی فی الجملہ بات یہ ہیکہ آپ کی اقتدا کرنا ہی سنت ہے اس سبب کے باقی رہنے کے احتمال کی بنا پر جس سبب کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا تھا، نیز اس لئے بھی کہ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی کام کسی خاص سبب کی بنا پر کرتے ہیں لیکن دوسرے کے حق میں وہ کام اس سبب کے نہ ہوتے ہوئے بھی سنت ہی ہوتا ہے، مثلاً طواف قدوم میں رمل واضطباع کرنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صاوبہ نے یہ کام کفار کے سامنے

(۱) فتاوىٰ رحیمیه صیام: ۲۷۳/۷

بہادری اور طاقت دکھلانے کے کیا تھا لیکن ان کے بعد بھی یہ بطور سنت کیا جاتا ہے۔(۱)

پھر ضروری نہیں کہ تمام یہود ونصاریٰ آج کل اس پر عمل نہ کرتے ہو کیونکہ یہ بات ثابت کرنا مشکل ہے یا آئندہ کسی بھی وقت اس پر عمل نہ کرے یا ان کے اصل مذہب میں بھی یہ بات نہ ہو جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہود ونصاریٰ وغیرہ قمری تاریخوں کا استعمال نہیں کرتے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہود و نصاریٰ کے لئے آج کے دور میں دس محرم کے دن کا حساب قمری تاریخ کے اعتبار سے کرنا ممکن بھی نہیں جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں نے قمری تاریخ کا استعمال چھوڑا ہوا ہے؛ لیکن اس کے باوجود قمری تاریخوں سے متعلق اسلامی احکام مثلاً رمضان عیدین وغیرہ قمری حساب سے ہی معلوم اور طے کیے جاتے ہیں۔(۲)

---

(۱) المغني لابن قدامه ۲/۲۸۹ كتاب الصلاه

(۲) ماہ محرم الحرام کے فضائل واحکام ص:۷۰ حاشیہ

تنہا دسویں کا روزہ نہ رکھنے کی علت

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو حضرات صحابہ کرام کو یہی اشکال ہوا کہ اس صورت میں تو یہود کے ساتھ تشبہ لازم آئے گا اور ان حضرات نے اپنا یہ خدشہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موافقت میں نفس صوم عاشوراء کو مستحب و پسندیدہ قرار دیا اس کا حکم بھی فرمایا؛ البتہ مخالفت یہود کے پیش نظر اور ان کے تشابہ سے بچنے کے لیے کیفیت صوم میں تبدیلی فرمادی اور ارشاد فرمایا: لئن بقيت الى قابل لاصومن التاسع الخ۔

اس جملے کی تشریح میں علامہ ابن الجوزیؒ نے چار احتمالات میں سے پہلا احتمال یہی ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نویں کا اضافہ تشبہ سے بچنے کے لیے ہی فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

وَفِي قَوْله: "إذا كَانَ الْعَام الْمقبل صمنا يَوْم التَّاسِع" أَرْبَعَة أوجه: أَحدهَا: أَن يكون أَرَادَ صَوْم التَّاسِع عوضا عَن الْعَاشِر ليخالف الْيَهُود. وَالثَّانِي: أَن يكون أَرَادَ صَوْم التَّاسِع والعاشر ليخالفهم. وَالثَّالِث: أَن يكون كره صَوْم يَوْم مُفْرد فَأَرَادَ أَن يصله بِيَوْم آخر. وَالرَّابِع: أَن التَّاسِع هُوَ عَاشُورَاء۔ (۱)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول 'اذا کان العام المقبل

(۱) كشف المشكل من حديث الصحيحين

---' میں چار امکانات ہیں، پہلا یہ کہ آپ کا مقصد دسویں محرم کے بجائے نویں کا روزہ رکھنے کا تھا تا کہ یہود کی مخالفت ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مخالفت میں نویں اور دسویں دونوں کے روزہ رکھنے کا ارادہ کیا، تیسرا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنہا ایک دن کا روزہ رکھنے کو ناپسند کیا تو اس کے ساتھ ایک اور دن کا روزہ رکھنے کا قصد کیا، اور چوتھا یہ کہ نویں محرم ہی یوم عاشورا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں علامہ نووی نے شرح مسلم میں اسی مخالفت یہود والے احتمال کو راجح قرار دیا ہے۔

عَنِ بن عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَئِنْ بَقِيتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ فَمَاتَ قَبْلَ ذَلِكَ فَإِنَّهُ ظَاهِرٌ فِي أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُومُ الْعَاشِرَ وَهَمَّ بِصَوْمِ التَّاسِعِ فَمَاتَ قَبْلَ ذَلِكَ ثُمَّ مَا هَمَّ بِهِ مِنْ صَوْمِ التَّاسِعِ يَحْتَمِلُ مَعْنَاهُ أَنَّهُ لَا يَقْتَصِرُ عَلَيْهِ بَلْ يُضِيفُهُ إِلَى الْيَوْمِ الْعَاشِرِ إِمَّا احْتِيَاطًا لَهُ وَإِمَّا مُخَالَفَةً لِلْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَهُوَ الْأَرْجَحُ۔ (۱)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا روزہ رکھونگا لیکن اس سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا، پھر آپ نے جو نویں محرم کا روزہ رکھنے کا قصد کیا اس میں یہ احتمال ہیکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ صرف اسی پر اکتفانہ کریں بلکہ اس کے ساتھ دسویں کا بھی روزہ رکھا جائے احتیاط کی بنا پر یا یہود و نصاری کی مخالفت میں اور یہی بات زیادہ راجح ہے۔

---

(۱) فتح الباري لابن حجر: ۲۴۵/۴

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ وَلَعَلَّ السَّبَبَ فِي صَوْمِ التَّاسِعِ مَعَ الْعَاشِرِ أَنْ لَا يَتَشَبَّهَ بِالْيَهُودِ فِي إِفْرَادِ الْعَاشِرِ وَفِي الْحَدِيثِ إِشَارَةٌ إِلَى هَذَا وَقِيلَ لِلِاحْتِيَاطِ فِي تَحْصِيلِ عَاشُورَاءَ وَالْأَوَّلُ أَوْلَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ (۱)

یعنی بعض علماء نے کہا کہ دسویں محرم کے روزہ کے ساتھ نویں کا روزہ رکھنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہیکہ تنہا دسویں کا روزہ رکھنے سے یہود کی مشابہت لازم آئے گی اور حدیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے اور بعض نے کہا کہ یہ بطور احتیاط ہے یوم عاشورا کو پانے کیلئے، لیکن پہلا قول اصح ہے۔ واللہ اعلم

بلکہ علامہ لکھنوی نے الاثار المرفوعہ میں علامہ سندی نے حاشیۃ السنن علی ابن ماجہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات التنقیح میں ملا علی قاری نے شرح مشکوۃ میں اسی پر جزم ظاہر کیا ہے۔

علامہ لکھنوی لکھتے ہیں: قلت اللذی ثبت بالاحادیث الصحیحة المرویة فی الصحاح الستة وغیرها ان الله نجی موسی علی نبینا وعلیه الصلاة والسلام من یدفرعون وجنوده وغرق فرعون ومن معه یوم عاشوراء ومن ثم کانت الیهود یصومون یوم عاشوراء ویتخذونه عیدا وقد صام النبی صلی الله علیه وسلم حین دخل فی المدینة ورای الیهود یصومونه وامر اصحابه بصیامه ونحن احق بموسی منکم ونهی عن اتخاذه عیدا وامر بصوم یوم قبله او بعده حذرامن موافقة الیهود والتشبه بهم فی افرادصوم عاشوراء الآثار المرفوعة ص ۷۱

(۱) شرح النووي على مسلم: ۸/۱۳

علامہ سندھی فرماتے ہیں:

فَوَجَدَ الْيَهُودَ وَفِي نُسْخَةٍ فَوَجَدَ النَّاسَ صِيَامًا فَالْمُرَادُ بِالنَّاسِ الْيَهُودُ (أَحَقُّ بِمُوسَى) يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ قَصَدَ مُوَافَقَةَ مُوسَى لِقَوْلِهِ تَعَالَى {فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهِ} [الأنعام: ٩٠] لَا مُوَافَقَةً لِلْيَهُودِ حَتَّى يُقَالَ اللَّائِقُ مُخَالَفَتُهُمْ وَكَأَنَّهُ لِهَذَا عَزَمَ فِي آخِرِ الْأَمْرِ عَلَى ضَمِّ الْيَوْمِ التَّاسِعِ إِلَى يَوْمِ عَاشُورَاءَ تَحْقِيقًا لِلْمُخَالَفَةِ۔ (١)

ترجمہ: تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کو (عاشورا کے دن) روزہ رکھتے ہوئے دیکھا اور بعض نسخوں میں یہود کی جگہ الناس کا ذکر ہے لیکن اس سے بھی یہود ہی مراد ہیں۔"احق بموسیٰ" یہ جملہ اس بات پر دال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود حضرت موسیٰؑ کی موافقت کرنا ہے نہ کہ یہود کی کیونکہ ان کی مخالفت ہی بہتر ہے اور گویا کہ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری زمانہ میں عاشورا کے ساتھ نویں محرم کا روزہ ملانے کا ارادہ فرمایا تا کہ ان کی بھر پور مخالفت ہو جائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(لأصومن التاسع) الظاهر أن المراد لأضم إليه يومًا آخر ليخالف اليهود في تعظيمه، وخص التاسع لتقدمه على يوم عاشوراء، وهو أدخل في نفي التعظيم عنه، ثم إنه - صلى الله عليه وسلم- لم يعش إلى قابل ولم يضم، لكن صار صوم التاسع سنة بهذا القول، وكان--- (٢)

---

(١) حاشية السندي على سنن ابن ماجه: ٥٢٨/١

(٢) لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح: ٤٧٢/٤

ترجمہ: "لاصومن التاسع" ظاہری معنی یہ ہیکہ اس کے ساتھ میں ایک اور دن ملاؤنگا تاکہ یہود جو اس دن کی تعظیم کرتے ہیں اس میں ان کی مشابہت نہ لازم آئے، اور آپ ﷺ نے نویں محرم کو اس وجہ سے خاص کیا کہ وہ عاشورا سے پہلے آتا ہے اور یہ اس کی تعظیم کی نفی کے لیے زیادہ موثر ہوگا، پھر آپ ﷺ اگلے سال تک باحیات نہ رہے اس لیے نہیں ملا پائے، لیکن آپ کے اس فرمان کی وجہ سے نویں کا روزہ بھی سنت ہوگا۔

مرقاۃ میں ہے:

قَالَ التُّورِبِشْتِيُّ: قِيلَ: أُرِيدَ بِذَلِكَ أَنْ يُضَمَّ إِلَيْهِ يَوْمًا آخَرَ فَيَكُونُ هَدْيُهُ مُخَالِفًا لِأَهْلِ الْكِتَابِ، وَهَذَا هُوَ الْوَجْهُ لِأَنَّهُ وَقَعَ مَوْقِعَ الْجَوَابِ لِقَوْلِهِمْ إِنَّهُ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُودُ، وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: صُومُوا التَّاسِعَ وَالْعَاشِرَ، وَخَالِفُوا الْيَهُودَ، وَإِلَيْهِ ذَهَبَ الشَّافِعِيُّ وَبَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّ الْمُسْتَحَبَّ صَوْمُ التَّاسِعِ فَقَطْ، وَقَالَ ابْنُ الْهُمَامِ: يُسْتَحَبُّ صَوْمُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَصُومَ قَبْلَهُ يَوْمًا أَوْ بَعْدَهُ يَوْمًا. فَإِنْ أَفْرَدَهُ فَهُوَ مَكْرُوهٌ لِلتَّشَبُّهِ بِالْيَهُودِ۔ (۱)

ترجمہ: علامہ تورپشتی فرماتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مقصود یہ ہیکہ اس کے ساتھ ایک اور دن کا روزہ ملا کر رکھا جائے تاکہ آپ ﷺ کا طریقہ اھل کتاب سے الگ رہے

(۱) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۱۴۱۲/۴

اور مشابہ نہ ہو، اور یہی اصل وجہ ہے کیونکہ جب آپ ﷺ نے عاشورا کا روزہ رکھا تو بعض لوگوں نے کہا تھا کہ اس دن کی تو یہود تعظیم کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے بطور جواب یہ بات فرمائی تھی۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نویں اور دسویں محرم کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو، اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور بعض اس بات کے قائل ہیں کہ صرف نویں کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں: عاشورا کا روزہ رکھنا مستحب ہے نیز اس سے پہلے یا بعد میں ایک اور روزہ رکھنا مستحب ہے، لہذا یہود سے مشابہت کی وجہ سے تنہا عاشورا کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

الفتح الربانی میں ہے:

فيه حث على مخالفة اليهود، وكان هذا في آخر الأمر، وقد كان صلى الله عليه وسلم قبل ذلك يحب موافقتهم استئلافًا لهم كما استألفهم باستقبال قبلتهم طمعًا في إسلامهم وانقيادهم للدين الحق، فكانوا أشد الناس عنادًا وإيذاء له صلى الله عليه وسلم، فلما علم سوء نيتهم وعنادهم أمر بمخالفتهم كما في هذا الحديث وغيره من الأحاديث الصحيحة، فأمر بأن يضاف إليه يوم قبله أو يوم بعده خلافًا لهم (٣) يعنى أنه لا يقتصر عليه بل يضيف إليه يومًا قبله أو يومًا بعده وهذا على سبيل الاستحباب، والغرض منه مخالفة اليهود لأنهم يقتصرون على صوم يوم عاشوراء فقط الفتح الرباني لترتيب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشيباني۔ (١٠/١٨٩)

یعنی یہاں پر یہود کی مخالفت پر ابھارنا مقصود ہے اور یہ آخری امر ہے، اس سے پہلے تو آپ ﷺ تالیف قلب کیلیے ان کی موافقت کو پسند فرماتے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ان کے قبلہ کو اپنا قبلہ بنایا اس امید سے کہ وہ اس دین برحق کو اپنا لیں، لیکن ان کی ضد اور بڑھتی گئی اور پہلے سے زیادہ آپ ﷺ کو ستانے لگے، لہٰذا جب آپ ﷺ کو ان کی بدنیتی اور ضد وعناد کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا جیسا کہ مذکورہ حدیث اور اس جیسی دوسری صحیح احادیث میں مذکور ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ عاشورا سے پہلے یا بعد میں بھی ایک اور روزہ رکھا جائے اور یہ حکم بطور استحباب ہے، اور اس سے یہود کی مخالفت مقصود ہے کیونکہ وہ لوگ صرف عاشورا کا روزہ رکھتے تھے۔

علت تشابہ کی تصریح:

بلکہ بعض روایات سے صراحۃ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دسویں محرم کے روزے کے ساتھ نویں یا گیارہویں کو ملانے کا حکم تشبہ بالیہود سے بچنے کے لئے ہی دیا ہے؛ چنانچہ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صوموا يوم عاشوراء وخالفوا فيه اليهود صوموا قبله يوما او بعده يوما۔ (١)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عاشورا کے دن کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرتے ہوئے اس سے پہلے یا بعد میں بھی ایک روزہ رکھو۔

(١) مسند احمد رقم الحديث ٢١٥٤، شرح معانی الآثار رقم الحديث: ٣٣٠٢

بلکہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر حضرت عطاء سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے بھی اسی علت تشابہ کی وجہ سے نویں اور دسویں کے روزہ کو رکھنے کا حکم فرمایا ہے:

خالفوا الیہود وصوموا التاسع والعاشر۔ (۱)

(یہودیوں کی مخالفت کرو اور نویں اور دسویں محرم دونوں کا روزہ رکھو۔)

بعض روایتوں میں اس طرح کے الفاظ وارد ہوئے ہیں:

صوموا قبله يوما او بعده يوما ولا تشبهوا باليهود.

(اس سے پہلے یا بعد میں بھی ایک دن روزہ رکھو اور یہود کی مشابہت مت اختیار کرو۔)

الغرض ان روایات سے نویں یا گیارہویں کا روزہ ملانے کی اصل علت واضح ہورہی ہے اور وہ تشبہ بالیہود سے بچنا ہے ان روایات کا تقاضہ تو یہ ہے کہ تنہا عاشوراء کا روزہ ناجائز ہو؛ لیکن چوں کہ پوری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملا عاشورا کا روزہ رکھا ہے اس لیے حکم میں تخفیف ہوگی اور ممانعت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا؛ چنانچہ انہیں روایات وآثار وغیرہ کے پیش نظر جمہور فقہاء احناف اور اپنے اکابر ارباب افتا نے تنہا دس محرم الحرام کے روزے کو مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی قرار دیا ہے، جن میں علامہ ابن الہمام علامہ حصکفی ابن نجیم صاحب النھر الفائق علامہ شرنبلالی صاحب محیط سرخسی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فتح القدیر میں ہے:

وَيُسْتَحَبُّ صَوْمُ أَيَّامِ الْبِيضِ الثَّالِثَ عَشَرَ، وَالرَّابِعَ عَشَرَ

---

(۱) مصنف عبد الرزاق رقم الحديث ٧٨٣٤ سنن ترمذي رقم ٧٥٥

وَالْخَامِسَ عَشَرَ مَا لَمْ يُظَنَّ إِلْحَاقُهُ بِالْوَاجِبِ، وَكَذَا صَوْمُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ. وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَصُومَ قَبْلَهُ يَوْمًا وَبَعْدَهُ يَوْمًا. فَإِنْ أَفْرَدَهُ فَهُوَ مَكْرُوهٌ لِلتَّشَبُّهِ بِالْيَهُودِ۔ (۱)

ترجمہ: ایام بیض یعنی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کا روزہ رکھنا مستحب ہے جب کہ اس کو واجب نہ سمجھا جائے، اسی طرح عاشورا کا روزہ بھی مستحب ہے، نیز یہ بھی مندوب ہے کہ اس پہلے یا بعد میں بھی ایک روزہ رکھ لے، اسی لیے تنہا عاشورا کا روزہ رکھنا یہود کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

وَالنَّفَلُ مَا سِوَى ذَلِكَ مِمَّا لَمْ يَثْبُتْ كَرَاهَتُهُ وَالْمَكْرُوهُ تَنْزِيهًا عَاشُورَاءُ مُفْرَدًا عَنْ التَّاسِعِ، وَنَحْوُ يَوْمِ الْمِهْرَجَانِ وَتَحْرِيمًا أَيَّامُ التَّشْرِيقِ۔ (۲)

ترجمہ: نفل اس کے علاوہ ایک شیء ہے جسکی کراہت ثابت نہیں، اور مکروہ تنزیہی جیسے تنہا عاشورا کا روزہ رکھنا اور جیسے مہرجان کے دن روزہ رکھنا، اور مکروہ تحریمی جیسے ایام تشریق کا روزہ رکھنا۔

مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح میں ہے:

وأما المكروه فهو قسمان: مكروه تنزيها، ومكروه تحريما. الأول صوم: عاشوراء منفردا عن التاسع، والثاني صوم العيدين وأيام۔ (۳)

(۱) فتح القدير: ۲/۳۵۰

(۲) البحر الرائق: ۲/۲۷۷

(۳) مراقي الفلاح۔ ص: ۲۳۶

ترجمہ: مکروہ کی دوقسمیں ہیں: مکروہ تنزیہی اور مکروہ تحریمی، پہلے کی مثال تنہا عاشورا کا روزہ رکھنا، اور دوسرے کی مثال عیدین اور ایام تشریق کا روزہ رکھنا۔

مجمع الأنہر میں ہے:۱/۲۳۲

وَلَمْ يَذْكُرْ الْمَكْرُوهَ تَنْزِيهًا وَهُوَ صَوْمُ عَاشُورَاءَ مُنْفَرِدًا وَنَحْوَهُ كَمَا سَنُبَيِّنُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

(یعنی مکروہ تنزیہی کا یہاں ذکر نہیں ہے اور اس کی مثال تنہا عاشورا کا روزہ رکھنا ہے۔)

فتاوی عالمگیری میں ہے:۱/۲۰۲

المسنون أن يصوم عاشوراء مع التاسع كذا في فتح القدير

(یعنی مسنون تو یہی ہیکہ عاشورا کے ساتھ نویں محرم کا بھی روزہ رکھا جائے)

ويكره صوم عاشوراء مفردا كذا في محيط السرخسي عالمگیری: ۱/۲۵۶۔

(یعنی تنہا عاشورا کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔)

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے:

وأما"القسم السادس وهو "المكروه فهو قسمان: مكروه تنزيها ومكروه تحريما الأول" الذي كره تنزيها "كصوم" يوم "عاشوراء منفردا عن التاسع" أو الحادي عشر "والثاني" الذي كره تحريما "صوم العيدين الطحطاوى على المراقى ۵۳۵"

چھٹی قسم مکروہ ہے اور اس کی دوقسمیں ہیں: مکروہ تنزیہی اور مکروہ تحریمی، پہلے کی مثال تنہا عاشورا کا روزہ رکھنا نویں یا گیارہویں کا روزہ ملائے بغیر، اور دوسرا یعنی مکروہ تحریمی کی مثال عیدین کا روزہ رکھنا۔

شامی میں ہے:

قَوْلُهُ: وَعَاشُورَاءَ وَحْدَهُ) أَيْ مُفْرَدًا عَنْ التَّاسِعِ أَوْ عَنْ الْحَادِيَ عَشَرَ (عاشوراء وحدہ یعنی نویں یا گیارہویں کے روزہ کے بغیر تنہا عاشورا کا روزہ رکھنا) إمْدَادٌ: لِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِالْيَهُودِ (کیونکہ اس میں یہود کی مشابہت ہے) مُحِيطٌ۔ (۱)

ایک اشکال:

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہا عاشوراء کا روزہ بھی مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ علامہ کاسانی کی عبارت سے تو جمہور فقہاء کی یہی رائے معلوم ہوتی ہے۔

بدائع میں ہے:

وكره بعضهم صوم يوم عاشوراء وحده لمكان التشبه باليهود ولم يكره عامتهم لانه من الايام الفاضله فيستحب استدراک فضيلتها بالصوم. (۲)

یعنی بعض حضرات نے تنہا عاشورا کا روزہ رکھنے کو مکروہ کہا ہے کیونکہ اس سے یہود کی مشابہت لازم آتی ہے، لیکن اکثر علماء کے نزدیک مکروہ نہیں کیونکہ یوم عاشورا ایک فضیلت والا دن ہے، لہٰذا روزہ رکھ کر اس کے فضیلت حاصل کی جانی چاہئے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے علامہ کاسانی کی مذکورہ عبارت ترجیحی انداز میں ذکر فرمائی ہے۔ تکملہ فتح الملہم میں آپ لکھتے ہیں:

---

(۱) رد المحتار: ۵۶/۳

(۲) بدائع الصنائع: ۲۱۸/۲ کتاب الصوم

وقد عد في الدر المختار صوم يوم عاشوراء وحده من المكروه تنزيها اي مفردا عن التاسع او عن الحادي عشر ولكن قال صاحب البدائع: وكره بعضهم صوم يوم عاشوراء وحده لمكان التشبه باليهود ولم يكرهه عامتهم لانه من الايام الفاضلة فيستحب استدراك فضيلتها بالصوم. (۱)

یعنی درمختار میں تنہا عاشورا کے روزہ کو نویں یا گیارہویں کے روزہ کو ملائے بغیر مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے، لیکن صاحب بدائع فرماتے ہیں: بعض حضرات نے تنہا عاشورا کا روزہ رکھنے کو مکروہ کہا ہے کیونکہ اس سے یہود کی مشابہت لازم آتی ہے، لیکن اکثر علماء کے نزدیک مکروہ نہیں کیونکہ یوم عاشورا ایک فضیلت والا دن ہے، لہذا روزہ رکھ کر اس کے فضیلت حاصل کی جانی چاہئے۔

جواب: علامہ کاسانی علیہ الرحمہ نے جمہور فقہاء کی طرف عدم کراہت اور بعض فقہاء کی طرف کراہت کی نسبت کی ہے جبکہ جمہور فقہاء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تنہا دس محرم الحرام کے روزے کی کراہت کے قائل ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ:

الف: ممکن ہے کہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں کرہ بعضهم سے مراد کراہت تحریمی ہو اور لم یکرهه عامتهم سے مراد کراہت تحریمی کی نفی ہو اور عبارت کا مطلب یہ ہو کہ بعض فقہاء نے تنہا دس محرم الحرام کے روزے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، جبکہ جمہور فقہاء نے مکروہ تحریمی نہیں قرار دیا؛ بلکہ مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔

اب اس عبارت اور جمہور کی عبارات میں تعارض نہیں رہے گا کیونکہ واقعہ

---

(۱) تکمله فتح الملهم: ۱۴۶/۳ صوم یوم عاشوراء

یہ ہے کہ جمہور فقہاء نے تنہا دس محرم کے روزے کو زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی ہی قرار دیا ہے اس محمل اور تعیین مراد کا قرینہ یہ ہے کہ علامہ کاسانی علیہ الرحمہ نے بعض فقہاء کی طرف جو کراہت کی نسبت کی ہے اس کی علت تشبہ بالیهود کو قرار دیا ہے:

وكره بعضهم صوم يوم عاشوراء وحده لمكان التشبه باليهود: بعض حضرات نے تنہا عاشورا کا روزہ رکھنے کو مکروہ کہا ہے کیونکہ اس سے یہود کی مشابہت لازم آتی ہے۔

اور تشبہ بالیہود کی علت اپنی اصل کے اعتبار سے حکم میں سختی اور تاکید ثابت کرتی ہے الا یہ کہ کوئی صارف وقرینہ اس کے خلاف پایا جائے؛ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تنہا سنیچر کے دن روزہ رکھنے کی کراہت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

قوله وسبت وحده للتشبه باليهود وهذه العله تفيد كراهه التحريم الا ان يقال انما تثبت بقصد التشبه۔ (۱)

(یعنی تنہا سنیچر کا روزہ رکھنا یہود کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے اور اس علت سے کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ مکروہ اس وقت ہوگا جب کے تشبہ کی نیت سے اس دن روزہ رکھا جائے۔)

اسی طرح حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں میز یا ٹیبل کرسی پر کھانا کھانا نصاری کا خاص شعار تھا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ٹیبل کرسی پر کھانا فی نفسہ زیادہ سے زیادہ ترک اولی اور خلاف افضل کو مستلزم ہے؛ لیکن ہمارے زمانے میں تشبہ بالنصاری کی وجہ سے میز کرسی پر کھانا مکروہ تحریمی ہوگا۔

---

(۱) رد المحتار على الدرالمختار: ۱۴۶/۳

إن عدم الأكل عليه، إما أن يكون قصدًا أو اتفاقًا فإن كان الأول لزم كراهته، وإن كان الثاني فلا ضير في الأكل على الخوان إلا أنه لما كان من ديدن الجبابرة ههنا كان منهيًا إذا كان على دأبهم، والحاصل أن الأكل عليه بحسب نفس ذاته لا يربو على ترك الاولوية، فاما اذا لزم فيه التشبه باليهود او النصارى كما هو في ديارنا كان مكروها تحريميا۔ (۱)

ترجمہ: میز پر بیٹھ کر کھانا کھانا یا تو بالقصد ہوگا یا اتفاقا ہوگا، اگر بالقصد ہوتو تو مکروہ ہے اور اگر اتفاقا ایسا کھائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن چونکہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے اس لیے اس منع کیا جائے گا جب کے ان کے طریقہ پر کھایا جاوے، خلاصہ یہ ہیکہ میز پر کھانا فی نفسہ ترک اولی ہے، لیکن اگر اس میں یہود ونصاری کا تشبہ لازم آئے جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے تو وہ مکروہ تحریمی ہوگا۔

الغرض اگر کراہت تحریمی کا اثبات عند بعض الفقہاء اور کراہت تحریمی کی نفی عند عامۃ الفقہاء مراد لیا جائے تو یہ عبارت کا تعارض رفع ہوسکتا ہے۔

علامہ کشمیریؒ کی تطبیق:

دراصل عاشوراء کے روزہ رکھنے کے تین درجات ہے سب سے افضل تو یہ ہے کہ نو دس گیارہ تینوں دن روزہ رکھا جائے دوسرا درجہ یہ ہے کہ دس کے ساتھ نو یا گیارہ ان میں سے کوئی ایک ملا لیا جائے یعنی نو دس یا پھر دس گیارہ روزہ رکھا جائے تیسرا اور سب سے کم درجہ یہ ہے کہ صرف دس محرم کا روزہ رکھا جائے۔

(۱) الكوكب الدري على جامع الترمذي: ۳/۴

قال ابن حجر: فصيام عاشوراء على ثلاثه مراتب ادناها ان يصام وحده وفوقه ان يصام التاسع معه وفوقه ان يصام التاسع والحادي عشر۔ (۱)

ترجمه: ابن حجرؒ فرماتے ہیں: صوم عاشورا کے تین درجہ ہیں: ادنی درجہ یہ ہیکہ تنہا عاشورا کا روزہ رکھا جائے اور اس سے اوپر یہ درجہ ہیکہ اس کے ساتھ نویں محرم کا بھی روزہ ملالے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہیکہ عاشورا کے ساتھ نویں اور گیارہویں کا بھی روزہ رکھ لے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی فقہاء مفضول چیز پر بھی کراہت کا حکم لگادیتے ہیں یعنی کوئی چیز مشروع ہو مستحب بھی ہو؛ لیکن وہ اپنے سے اوپر والے درجے کے اعتبار سے مفضول ہو تو فقہاء اس پر بھی مکروہ کا اطلاق کردیتے ہیں اور ایسے مواقع پر مکروہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ درجے کے اعتبار سے پہلے منزلہ پر نہیں ہے مفضول ہے یہاں ایسا ہی ہوا ہے تنہا دس محرم کا روزہ چونکہ پہلی دونوں شکلوں اور درجوں کے اعتبار سے مفضول ہے اس لیے فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ مستحب نہ ہو۔

وحاصل الشريعة أن الأفضل صوم عاشوراء وصوم يوم قبله وبعده، ثم الأدون منه صوم عاشوراء مع صوم يوم قبله أو بعده، ثم الأدون صوم يوم عاشوراء فقط. والثلاثة عبادات عظمى، وأما ما في الدر المختار من كراهة صوم عاشوراء منفرداً تنزيهاً فلا بد من التأويل فيه أي أنها عبادة مفضولة من القسمين

(۱) فتح الباري ۲۴۵/۴، باب صيام يوم عاشوراء

الباقين، ولا يحكم بكراهة فإنه عليه الصلاة والسلام صام مدة عمره صوم عاشوراء منفرداً وتمنى أن لو بقي إلى المستقبل صام يوماً معه۔

ترجمہ: خلاصہ حکم یہ ہیکہ عاشورا کا روزہ اور اس سے پہلے اور بعد میں بھی ایک ایک روزہ رکھنا افضل ہے، اس سے کم درجہ یہ ہے کہ عاشورا کے ساتھ صرف پہلے یا بعد کا روزہ ملائے، اور تنہا عاشورا کا روزہ رکھنا سب سے ادنی درجہ ہے، اور یہ تینوں کی تینوں عظیم عبادتیں ہیں۔

اور درمختار میں جو تنہا صوم عاشورا کا مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے اس میں تاویل کرنی ہوگی یعنی یہ کہا جائے گا کہ اس میں باقی دو قسموں سے کم فضیلت ہے، اور اسے مکروہ نہیں کہا جائے گا کیونکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام عمر مبارک میں عاشورا کا تنہا روزہ رکھا ہے، اور پھر یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر اگلے سال باحیات رہے تو اس کے ساتھ ایک اور روزہ ملا کر رکھیں گے۔(۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ثم أن ترسل في الإقامة، أو حدر في الأذان ففي أكثر كتبنا لا يعيده ولا يعيدها، وفي قاضي خان إعادتهما، وإن رجع الحنفي في الأذان ففي البحر: إنه مباح ليس بسنة ولا مكروه، وعليه الاعتماد، وقال صاحب النهر بالكراهة تنزيهاً، فلا بد من التأويل في كلام النهر، بحمله على أنه مفضول مثل التأويل في كراهية صوم عاشوراء منفرداً، في الدر المختار فإن كل ما ذكر محمول على أنه مفضول۔ (۲)

---

(۱) العرف الشذی: ۲/۱۷۷ (۲) العرف الشذی: ۱/۲۰۹

ترجمہ: اگر اقامت آہستہ کہی جائے یا اذان جلدی جلدی دی جائے تو ہماری اکثر کتب میں ہے کہ نہ ہی اقامت دہرائی جائے گی اور نہ ہی اذان، لیکن قاضی خان میں دونوں کے لوٹانے کا حکم ہے، اور اگر کسی حنفی شخص نے اذان میں ترجیع کی تو بحر میں اس کے متعلق ہیکہ یہ مباح ہے، نہ سنت ہے اور نہ ہی مکروہ ہے، اور یہی معتمد علیہ قول ہے۔ لیکن صاحب نہر نے اسے مکروہ تنزیہی گردانا ہے، لہٰذا اب صاحب نہر کے کلام میں اسی طرح تاویل کرنا ضروری ہے جس طرح صوم عاشورا میں ہم نے کی، یعنی اسے مفضول کہے گیں، اور درمختار میں ہے کہ مذکورہ تمام چیزیں مفضولیت پر محمول ہیں۔

اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فیض الباری میں ہے:

ووقع في بعض كُتُبِ الحنفية أنه مكروه، وكذا يوم عاشوراء منفردًا، مع كونه عبادةً عظيمةً، وكفَّارةً لسنةٍ واحدةٍ. قلتُ: كيف وقد صامه النبيُّ صلى الله عليه وسلّم عشر سنين، فهل يَجْتَرِىءُ أحدٌ أن يَحْكُمَ بالكراهة على أمرٍ فعله النبيُّ صلى الله عليه وسلّم وهل يُقْصَرُ النظر في مثله على قوله: لأَصُومَنَّ التاسعة، أو يُنْظَرُ إلى فعله في الغابر أيضًا. والذي ينبغي: أن لا يُقْطَعَ النظرُ عمَّا فَعَلَهُ في الغابر أيضًا. وكذلك صومُ الدَّهْرِ عِبادةٌ إجماعًا، إلا أنه مفضولٌ عندنا، مع الجواز بلا كراهةٍ. وهكذا فَعَلَهُ صاحبُ الدر المختار في غير واحدٍ من العبادات، فأطلق عليها الكراهة،مع كونها مفضولةً فقط. وهكذا فَعَلَهُ النوويُّ، فقال: إن التمتعَ والقِرَانَ مكروهان مع كونهما عبادتان بلا خِلافٍ. ولعلَّهم أَطْلَقُوا المكروهَ

على معنى المفضول. وأجدُ في باب الصيام أنهم أَطْلَقُوا المكروهَ على المفضول أيضًا. نعم ما أطلقوا عليه من المكروه في باب الصلاة، فهو كذلك في نفس الأمر۔ (۱)

ترجمه: بعض کتب حنفیہ میں ہے کہ یہ مکروہ ہے، اسی طرح تنہا عاشورا کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے حالانکہ یہ ایک عظیم عبادت ہے اور ایک سال کیلئے کفارہ بنتا ہے۔ میں کہتا ہوں ایسا کیسے ہو سکتا ہے، حالانکہ آپ ﷺ نے دس سال تک تنہا عاشورا کا روزہ رکھا اور جو عمل آپ ﷺ نے کیا ہو اسے کوئی مکروہ کہنے کی جرات کرسکتا ہے؟ اور کیا صرف آپ ﷺ کے قول "لاصومن التاسعة" پر نظر رکھی جائے یا آپ کے سابقہ عمل کو بھی سامنے رکھا جائے؟ مناسب یہی ہیکہ آپ ﷺ کے سابقہ عمل کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔

اسی طرح صوم دہر بھی بالاتفاق ایک عبادت ہے لیکن ہمارے نزدیک وہ مفضول ہے یعنی جائز بلاکراہت ہے۔ صاحب درمختار نے بہت سی جگہ ایسا ہی کیا ہے کہ کئی عبادتوں پر کراہت کا حکم لگا دیا حالانکہ وہ عبادتیں مفضول ہیں۔ اسی طرح علامہ نوویؒ نے بھی کیا ہے، فرماتے ہیں کہ تمتع وقران دونوں مکروہ ہیں گرچہ دونوں بالاتفاق عبادت ہیں، اور ممکن ہے کہ علماء نے انھیں جو مکروہ گردانا ہے وہ بمعنے مفضول ہو۔ اسی طرح روزہ کے باب میں بھی ایک جگہ علماء نے مکروہ پر مفضول کا اطلاق کیا ہے۔ ہاں نماز کے باب میں جو مکروہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے۔

---

(۱) فیض الباری: ۳/۳۶۱

خلاصہ یہ ہے کہ تنہا عاشورا کا روزہ مکروہ تنزیہی ہے اشتراک وتشابہ کی علت اس زمانہ میں بھی پائی جاتی ہے، لہذا عمومی احوال میں صرف دس کا روزہ نہ رکھنا چاہیے بلکہ تینوں دن یا دو دن رکھنا چاہیے، ہاں اگر کوئی ایک دن یعنی صرف دس کا رکھ ہی لے تو اسے موجب گناہ نہیں کہیں گے۔

صوم وصال کی ممانعت

چونکہ بغیر افطار کیے ہوئے مسلسل روزہ رکھنا نصاری کا عمل تھا اوران کا خاص شعار تھا اس لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کوصوم وصال سے منع فرمایا اس علت کا اقتضاء تو یہ تھا کہ آپ ﷺ بھی حسب عادت نہ رکھتے لیکن روایات میں بطور خصوصیت آپ ﷺ سے ثابت ہے اور صحابہ کرام کی شدید خواہش کے باوجود انہیں اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

عن ابن عمرؓ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الوصال قالوا انک تواصل قال انی لست مثلکم انی أطعم وأسقی۔ (۱)

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ صوم وصال سے منع فرمایا تو لوگوں نے کہا آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہوں مجھے تو کھلایا پلایا جاتا ہے۔

حضرت بشیر کی اہلیہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ مسلسل بغیر افطار کیے ہوئے دودن روزہ رکھوں تو حضرت بشیرؓ نے انہیں منع کیا اور یہ کہا کہ آپ ﷺ نے اس طرح روزہ رکھنے کو نصاری کا خاص شعار قرار دیا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے:

(۱) البخاری کتاب الصوم باب الوصال ۲/ ۶۹۳ رقم ۱۸۶۱ مسلم کتاب الصیام باب النہی عن الوصال فی الصوم ۲/ ۶۳۵

عن زوجة بشير بن الخصاصية رضی اللہ عنهما انها تقول انها ارادت ان اصوم یومین مواصلة فمنعنی بشیر وقال ان النبی صلی اللہ علیه وسلم نهی عن هذا وقال یفعل ذلک النصاری ولکن صوموا کما امرکم اللہ تعالیٰ اتموا الصیام الی اللیل فاذا کان اللیل فافطروا۔ (۱)

ترجمہ: حضرت بشیر کی اہلیہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ مسلسل بغیر افطار کیے ہوئے دو دن روزہ رکھوں تو حضرت بشیرؓ نے انہیں منع کیا اور یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ نصاریٰ کا فعل ہے، لیکن تم اس طرح روزہ رکھو جس طرح اللہ تعالی نے رکھنے کا حکم دیا ہے یعنی رات تک روزہ رکھو اور جب رات ہو جائے تو افطار کرلو۔

صوم وصال کی تعریفات

صوم وصال کی شراح حدیث نے اور فقہاء نے متعدد تعریفیں ذکر کی ہیں:

(۱) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ھو ان یصوم السنة کلها ولایفطر فی الایام المنھی عنھا۔ (یعنی صوم وصال یہ ہیکہ آدمی پورے سال روزہ رکھے اورحتی کہ ان پانچ دنوں میں بھی جن میں روزہ رکھنا شرعا ممنوع ہے۔)(۲)

(۲) علامہ ابن حجرؒ نے یہ تعریف ذکر کی ہے: ھو الترک فی لیالی الصیام لما یفطر بالنهار بالقصد۔ (یعنی روزہ کے دنوں کی درمیانی راتوں میں بھی بالقصد مفطرات ثلثہ کوترک کرنا۔)(۳)

(۱) مسند الامام احمد باب ماجاء فی الوصال للصائم ۱۰/ ۸۳، رقم:۱۴۹

(۲) الهندیة ۵/۲۲۸ الباب الثالث فیما یکره للصائم وما لا یکره

(۳) فتح الباری ۴/ ۲۰۲ کتاب الصوم

(۳) علامہ کاسانی نے یہ تعریف ذکر کی ہے: هو ان يصوم يومين لا يفطر بينهما۔ (صوم وصال یہ ہیکہ مسلسل دو دن روزہ رکھے درمیان میں افطار بھی نہ کرے۔)(۱)

(۴) علامہ نوویؒ نے اسی کو ذرا واضح انداز میں بیان کیا ہے: هو ترك الاكل والشرب في الليل بين الصومين عملا بلاعذر۔ (یعنی دو روزوں کے درمیانی رات میں بلا کسی عذر کے کھانا پینا چھوڑ دے۔)(۲)

ان تعریفات کی روشنی میں صوم وصال کی جامع تعریف یہ ہوئی کہ دو یا زیادہ دنوں تک بغیر کسی عذر کے افطار نہ کرنا بلکہ مسلسل روزہ رکھنا۔

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أما صوم الوصال فلا يكون الافطار فيه ويصدق على صوم يومين بدون فصل الافطار۔ (یعنی صوم وصال میں افطار ہی نہیں ہوتا ہے نیز دو دن مسلسل بغیر افطار کے روزہ رکھنا بھی صوم وصال کا مصداق ہے۔)(۳)

الغرض صوم وصال چوں کہ نصاریٰ کا ایک خاص مذہبی عمل تھا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو اس طرح روزہ رکھنے سے منع فرمادیا انہیں روایات وآثار کے پیش نظر جمہور فقہاء نے اس طرح روزہ رکھنے کو مکروہ وممنوع قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

ثم اختلفوا في أنه هل يجوز صوم الوصال لنا أم هو مكروه أو محرم والاكثر على أنه لا يجوز وبه قال ابو حنيفة ومالك رحمهما الله ونص الشافعي واصحابه على كراهته إما كراهة

---

(۱) بدائع ۲/۷۹ كتاب الصوم

(۲) المجموع للنووى ۶/۳۵۷ كتاب الصوم

(۳) العرف الشذى ۲/۲۶۲، كتاب الصوم

تحريم أو كراهة تنزيه والاول اصح وقال محمد في الموطأ الوصال مكروه وهو قول ابي حنيفة۔ (۱)

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ويكره صوم الوصال ولو يومين۔ (۲)

(صوم وصال مکروہ ہے گرچہ دو ہی دن کا کیوں نہ ہو۔)

---

(۱) لمعات التنقيح ۴/۴۲۶ الفصل الأول

(۲) فتح القدير ۴/۳۷۵ باب ما يوجب القضاء والكفارة

حج میں تشبہ

طلوعِ شمس سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ جانا

مشرکین عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ مزدلفہ سے منیٰ اس وقت جاتے تھے جب سورج طلوع ہو جائے اور کہتے تھے: اشرق ثبیر کیما نغیر یعنی اے ثبیر پہاڑ تو روشن ہو جا، تاکہ ہم قربانی کے لیے یہاں سے جائیں۔

قال العینی: وکان المشرکون یقولون: أشرق ثبیر کیما نغیر وثبیر هو جبل بمنیٰ أي أدخل أیها الجبل في الشّروق وهو ضوء الشّمس کیما نغیر أي ندفع للنحر۔ (۱)

علامہ عینی فرماتے ہیں: مشرکین یہ مقولہ کہا کرتے تھے: "اشرق ثبیر کیما نغیر" ثبیر منیٰ میں موجود ایک پہاڑ کا نام ہے، اور معنی یہ ہیکہ اے پہاڑ تو روشن ہو جا، تاکہ ہم قربانی کے لیے یہاں سے جائیں۔

علامہ ابن الاثیرؒ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ سب سے پہلے ثبیر پہاڑ پر دھوپ آجاتی تھی: هو جبل معروف فی مکة تطلع علیه الشمس قبل کل موضع۔ (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مشرکین کے اس عمل کی مخالفت فرمائی اور طلوعِ شمس سے پہلے جانے کا حکم فرمایا:

---

(۱) عمدة القاری: ۱۰/۳۰۰، باب فضل العمل فی ایام التشریق

(۲) النهایة لابن الأثیر: ۱/۲۰۷

عن المسور بن مخرمة قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بعرفات فحمد الله وأثنى عليه...... ثمّ قال وكانوا يدفعون من المشعر الحرام بعد أن تطلع الشمس اذا كانت على رؤوس الجبال كأنها عمائم الرّجال على رؤوسها وإنّا ندفع قبل ان تطلع الشمس يخالف هدينا هدى أهل الاوثان والشرك۔ (۱)

ترجمہ: مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عرفات میں خطبہ دیا حمد وثنا کے بعد فرمایا۔۔۔ مشرکین مشعر حرام سے طلوع شمش کے بعد اس وقت نکل جاتے ہیں جبکہ سورج پہاڑوں پر عمامہ جیسا ہوتا ہے، اور ہم طلوع شمش سے پہلے نکل جاتے ہیں، اس طرح ہمارا طریقہ ان مشرکین سے الگ ہوجاتا ہے۔

اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح انداز میں فرمایا کہ ہمارا یہ عمل بت پرستوں اور مشرکوں کی مخالفت کی وجہ سے ہے تاکہ خصائص مذہب میں ہم ایک دوسرے سے ممتاز اور جداگانہ رہیں۔

حضرت عمرؓ سے بھی یہی علت منقول ہے:

عن عمرو بن ميمون قال كنا وقوفا بجمع فقال عمرؓ بن الخطاب: ان المشركين كانوا لا يفيضون حتى تطلع الشمس وكانوا يقولون اشرق ثبير وان رسول الله صلى الله عليه وسلم خالفهم فأفاض عمر قبل طلوع الشمس۔ (۲)

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقى كتاب الحج باب الدفع من مزدلفة قبل طلوع الشمس: ۵/۲۰۳،رقم:۹۵۲۱

(۲) البخارى كتاب الحج باب متى يدفع من جمع: ۲/۲۰۴،رقم:۱۶۰۰

ترجمہ: حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں ہم مزدلفہ میں وقوف کیے ہوئے تھے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مشرکین یہاں سے اسی وقت جاتے تھے جب سورج طلوع ہو جاتا ہے اور کہتے تھے اے ثبیر پہاڑ روشن ہو جا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مخالفت کی، پھر حضرت عمر طلوع شمس سے پہلے ہی وہاں سے نکل گئے۔

الغرض مشرکین کی مشابہت سے بچنے کے لیے طلوع شمس سے پہلے جانے کا حکم دیا گیا، اسی لیے بعض فقہاء احناف نے طلوع شمس سے پہلے جانے کو واجب کہا ہے۔

فخالفهم رسول الله ﷺ ودفع قبل طلوع الشمس فيجب الاخذ بفعله لما فيه من اظهار مخالفة المشركين وان دفع بعد طلوع الشمس قبل ان يصلى الناس الفجر فقد اساء ولا شيء عليه ـ ـ ـ فاذا لم يفعل فقد ترك السنة۔ (۱)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مخالفت کی اور طلوع شمس سے پہلے ہی وہاں سے چلے گئے، لہٰذا آپ کے عمل کو ہی لینا ہوگا کیونکہ اس میں مشرکین کی مخالفت ہے، اور اگر کوئی طلوع شمس کے بعد لوگوں کے فجر پڑھنے سے پہلے ہی چلے جائے تو یہ فعل برا ہے، لیکن اس پر کچھ لازم نہ آئیگا۔۔۔ اور چونکہ اس نے ایسا نہیں کیا اس لیے وہ تارک سنت ہوگا۔

(۱) المبسوط للسرخسی: ۴/ ۴۶۲ کتاب المناسک

اگرچہ اکثر علماء احناف نے اسے سنت ہی قرار دیا ہے۔(۱)

عرفات سے واپسی

مشرکین عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ لوگ وقوف عرفہ کے بعد عرفہ سے اس وقت واپس ہوجاتے تھے جبکہ دھوپ پہاڑوں پر موجود رہتی تھی ادیگی حج میں یہ ان کا خاص طریقہ تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج فرمایا تو عرفہ میں شام کے وقت ایک تقریر فرمائی جس میں حمد وصلوۃ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واضح فرمایا کہ چوں کہ کفار ومشرکین یہاں سے غروب شمس سے پہلے واپس ہوجاتے تھے اس لیے ان کی مخالفت کرواور غروب شمس کے بعد عرفہ سے روانہ ہو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوران تقریر ارشاد فرمایا کہ چوں کہ ہمارا طور طریقہ اعمال و افعال مشرکین وبت پرست لوگوں سے بالکل جداگانہ اور ممتاز ہیں، اس لیے اگر وہ غروب شمس سے پہلے نکلتے تھے تو تم غروب کے بعد یہاں سے روانہ ہو۔

روی عن النبی ﷺ انه خطب عشية عرفة فقال اما بعد فان هذا يوم الحج الاكبر، وان الجاهلية كانت تدفع من ههنا والشمس على رؤوس الجبال مثل العمائم على رؤوس الرجال فخالفوهم وامر النبی ﷺ بالدفع منه بعد الغروب۔ (۲)

حاکم نے مستدرک میں اس پر یہ باب قائم فرمایا ہے: باب هدينا مخالف لهديهم۔ نیز اسے صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔ (۳)

---

(۱) بدائع: ۲/۳۵۷، کتاب الحج بیان سننه ط زکریا دیوبند، فتح القدیر ۲/۴۸۴، کتاب الحج

(۲) المصنف لابن ابی شیبه: ۳/۷-۸، باب وقت الافاضة من عرفة

(۳) المستدرک: ۲/۲۷۷، تفسیر سورة البقرة

علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کے جملہ راویوں پر رجال صحیح کا حکم لگایا ہے، ورجالہ رجال الصحیح۔(۱)

انھیں جیسی روایات کے پیش نظر فقہاء کرام نے غروب آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنے کو واجب قرار دیا ہے اور اگر کوئی غروب سے پہلے عرفات سے نکل کر چلا جائیگا تو ترک واجب کی وجہ سے اس پر دم دینا لازم ہوگا۔

قال فی رد المحتار "واذا غربت الشمس" بیان للواجب حتی لو دفع قبل الغروب فان جاوز حدود عرفة لزمه دم الا ان یعود قبله ویدفع بعده۔ (۲)

---

(۱) مجمع الزوائد: ۲۵۵/۳

(۲) رد المحتار: ۵۲۴/۳، الحج، ط زکریا دیوبند

كتاب الحظر والإباحة

بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا حکم دیا ہے اور بائیں ہاتھ سے کھانے پینے سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی اس ممانعت کی علت بھی بیان کی ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا یہ شیطان کا عمل ہے۔اس لیے اس کی مشابہت سے بچو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ پیو۔

عن ابن عمرؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اذا اكل احدكم فلياكل بيمينه ويشرب بيمينه فان الشيطان ياكل بشماله ويشرب بشماله۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور پیے تو دائیں ہاتھ سے پیے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔

علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: وفيه انه ينبغي اجتناب الافعال التي تشبه افعال الشياطين یعنی حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جن کاموں سے شیطان کی مشابہت لازم آئے

(۱) مسلم كتاب الاشربة باب آداب الطعام والشراب واحكامهما: ۳/ ۲۷۲،رقم:۲۰۲۰

ان سے بچنا بھی ضروری ہے۔(۱)

حافظ ابن حجرؒ نے قرطبی کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کے پیش نظر جس نے بھی بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا درحقیقت اس نے شیطان کی مشابہت اختیار کی۔

قال القرطبی وقوله صلی الله علیه وسلم فان الشیطان یاکل بشماله، ظاهره ان من فعل ذلک تشبه بالشیطان۔ (۲)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول "فان الشیطان یاکل بشماله" سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانے میں شیطان کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے: عن جابرؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا تاکلوا بالشمال فان الشیطان یاکله بالشمال۔ (۳)

(یعنی تم بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے۔)

انہیں روایات کے پیش نظر جمہور فقہاء امت نے بائیں ہاتھ سے کھانے کو مکروہ وممنوع قرار دیا ہے بلکہ حنابلہ ومالکیہ نیز بہت سے محققین علماء نے تو بلاعذر بائیں ہاتھ سے کھانے کو حرام تک قرار دیا ہے جن میں سرفہرست علامہ ابن حجرؒ، ابن عبدالبر، ابن العربی، علامہ صنعانی اور علامہ شوکانی ہیں۔(۴)

---

(۱) شرح المسلم للنووی: ۱۳/۱۹۲، کتاب الأشربة باب آداب الطعام الخ

(۲) فتح الباری: ۱۵/۲۴۷، التسمیه علی الطعام والأکل بالیمین

(۳) مسلم کتاب الاشربه باب آداب الطعام والاشراب الخ، ۳/۲۷۲ رقم ۲۰۱۹

(۴) دیکھئے: اوجز المسالک: ۱۵/۲۵۱، الإستذکار: ۲۶/۲۵۳، فتح الباری: ۹/۵۲۳، سبل السلام للصنعانی: ۴/۳۱۸، نیل الاوطار للشوکانی: ۸/۱۶۱

الغرض ایک شیطانی عمل کی مشابہت سے بچنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا حکم دیا ہے۔

تلفظ کے بغیر صرف اشارے سے سلام

جو شخص زبان سے سلام کرنے پر قادر ہو اور مخاطب تک بآسانی آواز بھی پہونچ سکتی ہو تو اس کے لیے زبان سے سلام کرنا ضروری ہے زبان سے لفظ سلام ادا کیے بغیر محض اشارے سے سلام کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدّه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لیس منا من تشبه بغیر نا لاتشبهوا بالیهود ولا بالنصاری فان تسلیم الیهود الاشارة بالأصابع وتسلیم النصاری بالاکف۔ (۱)

یعنی جو شخص غیر کے ساتھ مشابہت اختیار کرے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا (جب تم سلام کرو) تم نہ یہود کی مشابہت اختیار کرو اور نہ ہی نصاری کی، کیونکہ یہود انگلیوں کے اشارہ سے سلام کرتے ہیں اور نصاری ہتھیلی سے سلام کرتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لیس منا ای من اہل طریقتنا ومراعی متابعتنا والمعنی لاتشبهوا بهم جمیعا فی جمیع افعالهم خصوصا فی هاتین الخصلتین ولعلهم کانوا یکتفون فی السّلام أو ردّه أو فیهما بالإشارتین من غیر نطق بلفظ السّلام الذي هو سنة آدم وذريّته من الأنبياء والأولياء۔ (۲)

---

(۱) الترمذی کتاب الاستئذان باب ماجاء فی کرابیة إشاره الید بالسلام: ۵/۵۶، رقم:۲۶۹۵

(۲) مرقاة المفاتیح: ۱۳/۳۳۱، باب السّلام، ط: بیروت

ترجمہ: "لیس منا" یعنی وہ ہمارے طریقہ سے دور ہے اور صحیح طرح ہماری اطاعت نہیں کرتا ہے، اور حدیث مبارک کا مطلب یہ ہیکہ ان کے کسی بھی فعل میں ان کی مشابہت مت اختیار کرو خصوصا ان دوافعال میں، اور شاید یہ لوگ سلام یا سلام کے جواب میں یا دونوں میں صرف اشارہ کرتے تھے اور لفظ سلام زبان سے ادا بھی نہیں کرتے تھے حالانکہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء واولیاء کی سنت ہے۔

لہذا جو شخص زبان سے سلام کرسکتا ہو اور مخاطب تک بآسانی آواز بھی پہونچتی ہو تو اس کے لیے اشارے سے سلام کرنا ممنوع ہے، ہاں البتہ اگر وہ کسی عذر کی بنا پر زبان سے سلام نہیں کرسکتا تو صرف اشارے سے سلام کرنے میں مضائقہ نہیں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

والنهى عن السلام بالاشارة مخصوص بمن قدر على اللفظ حسا وشرعا والا فهى مشروعة لمن يكون له شغل يمنعه من التلفظ بجواب السلام كالمصلى والبعيد والأخرس۔ (۱)

ترجمہ: یعنی اشارہ سے سلام کرنے کی ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو زبان سے سلام کرنے پر قادر ہو حسا بھی اور شرعا بھی، ورنہ تو وہ شخص جو کسی وجہ زبان سے سلام کا جواب نہیں دے سکتا ہے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اشارہ سے جواب دے دے مثلا وہ نماز میں ہو یا دور ہو یا گونگا ہو تو اشارہ سے بھی سلام وجواب کرسکتا ہے۔

---

(۱) فتح البارى السلام اسم من اسماء الله تعالى: ۱۷/۴۴۹

(لیکن جو دور ہے اسے زبان سے بھی کرلینا چاہیے)

دھوپ اور سایے میں بیٹھنا

دھوپ اور سایے میں بیٹھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس طرح شیطان بیٹھتا ہے؛ لہٰذا اس کی مشابہت سے بچنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم فرمایا:

عن رجل من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى ان يجلس الرجل بين الضحّ والظل وقال مجلس الشيطان۔ (۱)

ترجمہ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ساتھ دھوپ اور سایہ میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس طرح شیطان بیٹھتا ہے۔

اور "ضح" سے مراد دھوپ ہے۔ علامہ منذری فرماتے ہیں:

الضح بفتح الضاء المعجمة والحاء المهملة هو ضوء الشمس اذا ستمكن من الارض وقال الاعرابى هو لون الشمس۔ (۲)

یعنی "الضح" کا معنی سورج کی روشنی ہے جب وہ پوری طرح زمیں پر پھیل جائے، اور اعرابی کہتا ہیکہ دھوپ کے رنگ کو "الضح" کہتے ہیں۔

یہی تشریح ابن اثیر نے بھی کی ہے۔ (۳)

---

(۱) مسند احمد كتاب المجالس وآدابها: ۱۹/۱۶۵، قال الهيثمي في مجمع الزّوائد: ۸/۶۳، رواه أحمد ورجاله رجال الصّحيح غير كثير بن أبي كثير وبو ثقة وله شوابد أخرى

(۲) غذاء الالباب للسفاريني: ۲/۳۶۲

(۳) غريب الحديث لابن الأثير: ۳/۷۵

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ دھوپ اور سائے میں بیٹھنا یہ شیطان کا فعل ہے:

عن الشعبی قال: سمعت عبد الله بن عمرؓ یقول: القعود بین الظل والشمس مقدا الشیطان۔ (۱)

ترجمہ: شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا دھوپ اور سایے میں شیطان بیٹھتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان احدکم فی الفئ فقلص عنه الظل وصار بعضه فی الشمس وبعضه فی الظل فلیقم۔ (۲)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص سایہ میں بیٹھا ہو پھر اس پر سے کچھ سایہ ہٹ جائے، اور دھوپ اور سایہ دونوں ایک ساتھ اس پر پڑنے لگے تو اس کو وہاں سے اٹھ جانا چاہیے۔

الغرض مذکور بالا حکم مشابہت شیطان سے بچنے کے لیے دیا گیا ہے اور یہ حکم وجوبی نہیں ہے کیوں کہ یہاں صارف عن الوجوب قرینہ موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنے کا عمل ثابت ہے، لہٰذا یہ نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل بیان جواز کے لیے ہوگا روایت درج ذیل ہے:

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/۱۶۵

(۲) مسند احمد: ۱۷/۹۱، رقم ۸۹۶۴، وقال احمد شاکر اسنادہ صحیح۔ سنن ابی داؤد کتاب الأدب باب فی الجلوس بین الظل والشمس ۴/۲۵۷، رقم: ۴۸۲۱

عن أبي هريرة انه يقول: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعدا فى فناء الكعبة بعضه فى الظل وبعضه فى الشمس واضعا إحدى يديه على الأخرى۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ کے صحن میں اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا کہ آپ پر دھوپ اور سایہ دونوں پڑ رہے تھے اور آپ اپنے ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھے ہوئے تھے۔

داڑھی اور سر کے بالوں میں خضاب

یہود ونصاری کی عادت یہ تھی کہ وہ سر اور داڑھی کے بالوں میں خضاب نہیں کرتے تھے بلکہ بالوں کو یوں ہی سفید رکھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے سیاہ خضاب کے علاوہ کسی بھی رنگ کا خضاب کرنے کی ہدایت دی:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اليهود والنصارى لا يصبغون فخالفوهم۔ (۲)

یعنی یہود ونصاری خضاب نہیں کرتے ہیں، لہٰذا تم خضاب کرکے ان کی مخالفت کرو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر انصار کے کچھ عمر رسیدہ لوگوں کے پاس سے ہوا جن کی داڑھیاں سفید تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: ۳/۳۳۶رقم ۵۹۲۴، باب ماجاء فى الجلوس بين الظل والشمس

(۲) البخارى كتاب الانبياء باب ماذكرعن بنى اسرائيل: ۳/۱۲۷۵، رقم:۳۲۷۵، مسلم: ۳/۱۳۲۵رقم ۲۱۰۳، كتاب اللباس والزينة باب مخالفة اليهود في السبب

نے فرمایا اہل کتاب کی مخالفت کرو اور بالوں کو چاہے سرخ کرلو یا زرد۔

عن ابی امامة رضی الله عنه قال خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم علی شیخة من الأنصار بیض لحاهم فقال یا معشر الانصار حمّروا وصفّروا وخالفوا أهل الکتاب۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ انصار کے شیوخ کے پاس سے گذرے جن کی داڑھی سفید تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے جماعت انصار اپنے سفید بالوں میں زرد یا سرخ رنگ کا استعمال کرو اور اہل کتاب کی مشابہت سے بچو۔

ایک روایت میں تو آپ ﷺ کا معمول ہی یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اہل عجم کی مخالفت میں آپ ﷺ بالوں کی سفیدی بدلنے کا حکم فرمایا کرتے تھے:

عن عتبة بن عبدؓ قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یامر بتغیری الشعر مخالفة للأعاجم۔ (۲)

ترجمہ: حضرت عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اہل عجم کی مخالفت میں بالوں کی سفیدی بدلنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

الغرض کفار کی مشابہت ختم کرنے اور ان کی موافقت سے بچنے کے لیے خضاب کو مشروع قرار دیا گیا جیسا کہ فخالفوهم کی علت اس کی واضح دلیل ہے۔

---

(۱) مسند أحمد کتاب اللّباس والزّینة: ۱۷/۲۳۷، وقال الهیثمی فی مجمع الزّوائد: ۵/۱۶۳، رواه أحمد ورجاله رجال الصّحیح، وقال الحافظ فی الفتح: ۱۶/۲۹۱، سنده حسن باب الخضاب

(۲) فتح الباری: ۱/۳۵۴، وسکت علیه الحافظ

حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الیھود و النصاری لا یصنعون فخالفوھم کے ذیل میں بڑا حکیمانہ اور محققانہ کلام فرمایا ہے دراز ہونے کے باوجود نقل کرنے کا جی چاہتا ہے آپ لکھتے ہیں۔

اس حدیث کے الفاظ اور پیرایہ تعبیر سے چند علمی لطائف ثابت ہوتے ہیں، جن سے مسئلہ تشبہ پر ایک تیز روشنی پڑتی ہے اور اس سے مسئلہ زیر بحث کا اُصولی طور پر ایک اعظم مقصود دین ہونا نمایاں ہو جاتا ہے۔

(ا) اس حدیث کے پیرایہ تعبیر سے صرف خضاب ہی کے ذریعے ترک تشبہ کی تعلیم نہیں نکلتی، بلکہ عموماً تمام جزئیات تبہا میں غیر اقوام کی موافقت اور مشابہت ممنوع ثابت ہو رہی ہے۔

کیونکہ کہ اگر محض خضاب ہی سے مخالفت کفار کرانی مقصود ہوتی تو حدیث کا نظم الفاظ یوں ہوتا: إن الیھود والنصاری لا یصبغون فاصبغوا، کہ یہود و نصاری خضاب نہیں کرتے، لہٰذا تم خضاب کیا کرو۔

لیکن فاصبغوا کے مخصوص اور معین عنوان کو چھوڑ کر فخالفوا کا عام عنوان اختیار کیا جانا اور الفاظ میں خصوص سے عموم کی طرف منتقل ہونا بلاشبہ معنی کے درجے میں بھی خصوص سے عموم ہی کی طرف آتا ہے، ورنہ تبدیل الفاظ کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ عموم معنی کا وہ مفاد یہی ہے کہ اس حدیث سے فقط خضابی خلاف ہی مطلوب نہیں، بلکہ ایک ایسا عام خلاف کفار مطلوب ہے جو خضاب کے ذریعے بھی ہو اور غیر خضاب کے ذریعے بھی اور اس طرح خضابی اور غیر خضابی خلاف اس عام خلاف کی جزئیات میں داخل ہو جائے گا جو "فخالفوھم" سے مفہوم ہو رہا ہے۔ پس مخالفت کفار کی تمام جزئیات جن کے ذریعے سے تشبہ مٹایا جائے، اسی ایک حدیث سے مطلوب ٹھہر جائیں گی۔

(۲) اصول فقہ کا معروف مسئلہ ہے کہ جب کسی خاص چیز کی طلب عام الفاظ میں کی جاتی ہے، تو یہ خاص چیز اس عام امر کا سبب یا بہ الفاظ دیگر شان نزول کہلاتی ہے۔ اور اصول میں اپنی جگہ طے پا چکا ہے کہ جیسا کہ یہ خاص چیز اس امر عام میں خود داخل ہو جاتی ہے (کہ اس کا عام کے لیے سبب نزول ہی یہ تھی) ایسے ہی وہ اس امر عام میں دوسری اشیا کے داخل ہونے سے مانع بھی نہیں ہوتی، کیوں کہ واقعے کی خصوصیت سے الفاظ کا عموم اور اس کا مفاد عام باطل نہیں ٹھہر سکتا، مثلاً: ہم ایک شخص کو (جو زنا کا قصد کر رہا ہے) کہیں: ”اتق اللہ“ (خدا سے ڈر)۔ ظاہر ہے کہ اس وقت اس امر تقویٰ کا سبب خاص تو زنا ہے جس سے بچانا مقصود ہے اور جو ”اتق اللہ“ میں ضرور داخل ہے، مگر چوں کہ امر کے الفاظ عام استعمال کیے گئے ہیں، اس لیے تقویٰ کی اور جزئیات بھی اگر اس امر کے ماتحت مطلوب ہوں تو یہ سبب خاص ان سے مانع نہیں ہوسکتا۔ پس اب یہ تقویٰ کا امر جس طرح زنا سے باز رکھنے کے لیے ہوگا، اسی طرح چوری، قزاقی، شراب خوری اور قتل نفوس وغیرہا تمام معاصی سے بچانے کے لیے بھی ہوگا۔

بہر حال جب کہ امر کا لفظی عموم تو اس سبب خاص کے علاوہ ایسی دوسری جزئیات کا مقتضی ہوتا ہے اور یہ سبب خاص کی طرح اس امر سے مطلوب نہ ٹھہریں، تاکہ امر کا لفظی عموم لغو نہ ٹھہرنے پائے، اس اُصول کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو حدیث زیر بحث میں جب کہ ”خالفوا“ کے امر عام کے ذریعے خلاف کفار طلب کیا گیا، جس کا سبب خاص اور نزول، خضابی خلاف ہے تو یہ خضابی خلاف خود تو اس ”خالفوا سے مطلوب ہو ہی گا، مگر دوسرے جزئیات خلاف کے مطلوب ہونے سے مانع بھی نہ ہوگا۔ اور ادھر ”خالفوا“ کا لفظی عموم ان غیر خضابی جزئیات خلاف کا مقتضی ہے۔ اس سے ترک تشبہ کی تمام جزئیات کے

لیے خواہ وہ علائم ذات سے متعلق ہوں یا عوارض ولوازم ذات وغیرہ سے ایک یہی حدیث حجت عامہ ثابت ہوجائے گی۔

(۳) پھر اس خاص خضابی خلاف کو "خالفو" کے امر عام میں طلب کرنے سے جہاں مطلقاً ترک تشبہ ممنوع ٹھہر جاتا ہے، وہیں اس ترک تشبہ کی علت پر بھی کافی روشنی پڑ جاتی ہے کہ وہ خلاف اور مخالفت کفار ہے۔ اور اس طرح مخالفت کفار خود مستقلاً ایک موضوع شرعی ثابت ہوجاتا ہے، کیوں کہ اصول میں ثابت ہو چکا ہے کہ اگر امر میں کسی مخصوص اسم یا ذات کو چھوڑ کر عام صفت یا جنس کا استعمال کیا جائے، تو صیغہ امر کی وہ خطابی صفت اس امر کے لیے وجہ اور علت ہوتی ہے، جیسے ہم زید کی تکریم کے لیے جو ایک زبردست عالم ہے، یوں نہ کہیں کہ زید کا اکرام کرو؛ بلکہ یوں کہیں "اکرموا العالم" (عالم کی تعظیم کرو، تو ظاہر ہے کہ اس نظم عبارت سے وضعی طور پر ہمیں فقط زید کا اکرام ہی کرانا منظور نہیں، بلکہ اس اکرام کی وجہ اور علت پر متنبہ کرنا بھی منظور ہے کہ وہ علم ہے۔ یعنی ہم علم کی حیثیت سے زید کا اکرام چاہتے ہیں، نہ کہ مطلقاً اکرام کے خواہش مند ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جب کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت سے خضابی امتیاز کی طلب کے لیے یوں نہیں فرمایا کہ "یہود و نصاری خضاب نہیں کرتے، تم خضاب کیا کرو، بلکہ عام صفتی اور جنسی الفاظ میں یوں ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاری خضاب نہیں کرتے، تم اُن کا خلاف کیا کرو۔ تو صاف معلوم ہوگیا کہ الفاظ امر سے محض خضاب ہی مطلوب نہیں، بلکہ ساتھ ساتھ اس کی علت پر تنبہ فرمانا بھی مقصود ہے کہ وہ مخالفت یہود و نصاری ہے، بلکہ اس سے ایک اور مسئلہ بہ سہولت یہ بھی نکل آیا کہ اس حدیث سے خضابی خلاف اس درجہ مطلوب نہیں جس درجہ اہل کتاب کی مخالفت عامہ مطلوب ہے۔

یعنی خضابی خلاف شریعت کا اتنا اہم مقصد نہیں جتنا کہ خلاف عام مقصود شرعی ہے، کیوں کہ اس قسم کے اوامر عامہ میں جو بہت سی جزئیات کو شامل ہوں، ایک درجہ تو تحتانی جزئیات کا نکلتا ہے اور ایک درجہ اس عموم وکلیہ اور قدر مشترک کا نکلتا ہے، جو ان جزئیات میں دائر سائر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ امر کیا یا قدر مشترک کا مرتبہ اصل ہوتا ہے اور یہ تحتانی جزئیات اس پر شاخوں کی طرح متفرع ہوتی ہیں، بلکہ وہ جزئیات مطلوب ہی اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ ان میں یہ کی مرتبہ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ امر کلی ان جزئیات سے فوت ہو جائے یا ان جزئیات سے اس کی ضد کا ظہور ہونے لگے، تو پھر یہ جزئیات مطلوب ہی نہ رہیں گی، بلکہ ممنوع ٹھہر جائیں گی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بالذات مطلوب یہ اصل کلی ہی ہوتی ہے، جزئیات محض اس کے واسطے سے بالعرض مطلوب بن جاتی ہیں۔ جیسے ہم اپنے مہمان کے لیے خورد ونوش کا وقت آ جانے پر خادم کو علم دیں: اکرم الضیف (مہمان کا اکرام کر)۔ یعنی کھانا کھلا۔ پس وہ قدر مشترک یا امر کیع جوامر کے اس کلمہ عام سے مفہوم ہو رہا ہے اکرام ضیف ہے اور وہی بالذات مطلوب ہے۔ کھانا کھلانا اس کی ایک جزئی ہے۔ جس طرح مہمان کی دل جوئی کرنا، اس کے اوقات کا خیال رکھنا، اس کے مرتبے کا لحاظ کرنا اُسے ہر ممکن راحت پہنچانا اور ہر اذیت سے بچانا بھی اس اکرام کی دوسری جزئیات ہیں اور اکرام میں داخل ہیں۔ پس ان تمام جزئیات سے وہ مطلوب درحقیقت وہی اکرام ضیف ہے۔ اگر ان جزئیات میں اکرام کا واسطہ نہ رہے، بلکہ اس کی ضد (توہین) کا واسطہ آ جائے یعنی توہین آمیز طریقے سے یہ جزئیات پوری کی جائیں تو یقیناً یہ تمام جزئیات اس وقت بجائے مطلوب ہونے کے ممنوع اور بجائے قابل ستائش ہونے کے قابل ملامت و مذمت ٹھہر جائیں گی، پس ان جزئیات کی طلب وعدم

طلب درحقیقت اس امر کیس کے وجود وعدم وجود پر دائر نکلی۔ گو یا یہ جزئیات محض اس کی خاطر مطلوب ہوئیں، اس لیے کہا جائے گا کہ اصل مقصود بالذات اور مطلوب بلا واسطہ یہی قدر مشترک اور امر کلی ہے جو ان جزئیات کی اصل اور علت ہے۔ اسی طرح جب کہ خضابی خلاف طلب فرماتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فخالفوا کا عام صیغہ استعمال فرمایا، تو یہاں بھی مخالفت اہل کتاب ایک مرتبہ عام اور امر کلی نکلا، اس لیے مقصود اصلی تو وہ رہے گا جس کی ممانعت اس لفظ "فخالفواھم" سے سمجھی جائے گی اور اس کے ضمن میں اسی کی وجہ سے خضابی خلاف بھی مطلوب ٹھہر جائے گا۔(۱)

داڑھی رکھنے کا حکم

مردانہ طبقہ میں چہرہ کا سب سے زیادہ نمایاں شعار داڑھی ہے جس کو چہرہ کی زینت اور شوکت میں بہت دخل ہے، اس وقت داڑھی کے سلسلے میں دنیا کی اقوام میں مختلف نظریے پائے جاتے ہیں، بعض مذہبی اعتبار سے اور بعض تمدنی ومعاشرتی اعتبار سے، عموماً عیسائی، مجوس اقوام اور بہت سے مشرکین تمدنی ومعاشرتی حیثیت سے داڑھی کا منڈوانا ضروری خیال کرتے ہیں، جب کہ سکھ، یہود اور مشرکین میں سے سادھو اور جوگیوں کا طبقہ داڑھی رکھنے اور اسے لمبی چھوڑنے کا حامی ہے۔

اسلام (جس کی بنیاد ہی وسطیت اور اعتدال پر ہے) اس نے اس مسئلہ میں بھی افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال پر مبنی اپنی راہ الگ بنائی؛ چنانچہ اس نے پہلی اقوام کے مقابلہ میں داڑھی رکھنے کا حکم دیا تا کہ ریش تراشی میں ان سے تشبہ منقطع ہو

---

(۱) التشبہ فی الاسلام ص: ۱۲۱ تا ۱۲۴

اور دوسرے طبقہ کے مقابلہ میں داڑھی کی کچھ حد بندی کردی تا کہ ریش درازی میں ان سے تشبہ منقطع ہو اور اسلامی چہرے غیر اسلامی صورتوں سے ممتاز رہیں۔

عن ابی ہریرۃؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم جزو الشّوارب وأرخوا للّحٰی خالفوا المجوس۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مونچھوں کو کترواؤ اور داڑھی بڑھاؤ، اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خالفوا المشرکین ووفروا للحی واحفو االشوارب۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو اور داڑھی بڑھاؤ اور مونچھ کترواؤ۔

یہ دونوں روایتیں صحیحین کی ہیں۔

مسند بزار میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

إنّ أہل الشّرک یعفون شواربھم ویحفون لحاھم فخالفوھم فاعفو اللّحی واحفوا الشّوارب۔ (۲)

یعنی مشرکین کا طریقہ یہ ہیکہ وہ مونچھے بڑھاتے ہیں اور داڑھی مونڈواتے

(۱) مسلم کتاب الطھارۃ باب خصال الفطرۃ: ۱/۱۸۷رقم:۲۶۰، البخاری کتاب اللباس باب تقلیم الأظفار: ۲۲۰۹/۵، رقم: ۵۵۵۳۔ مسلم کتاب الطّھارۃ، باب خصال الفطرۃ: ۱/۱۸۷رقم:۲۵۹

(۲) أخرجہ البزار في مسندہ رقم: ۲۹۷۰-۲۹۷۱

ہیں تم ان کی مخالفت میں داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔

حافظ ابن حجر نے مختصر زوائد البزار میں اس روایت کی تحسین کی ہے۔(۱)

امام طحاوی نے حضرت انسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے:

عن انس مرفوعا احفوا الشوارب وأعفو اللحى ولاتشبهوا باليهود۔ (۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے: مونچھیں کترواؤ اور داڑھی بڑھاؤ اور یہود کی مشابہت اختیار کرنے سے بچو۔

مسند بزار میں حضرت انس کی ایک روایت میں "خالفوا المجوس" کے الفاظ ہیں، دیکھئے (البزار: رقم: ۲۹۷۲) بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی کا منڈانا مجوس کا مذہبی عمل تھا مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ ایک مجوسی جس نے داڑھی منڈا رکھی تھی اور مونچھیں بڑھا رکھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا یہ کیسی ہیئت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ تو ہماری مذہبی چیز ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا لیکن ہمارے دین ومذہب میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کٹائیں اور داڑھی بڑھائیں۔

عن عبيد الله بن عتبة قال جاء رجل من المجوس الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد حلق لحيته واطال شاربه فقال النبى صلى الله عليه وسلم ما هذا؟ قال هذا ديننا قال لكن فى ديننا ان نجز الشوارب وان نعفى اللحى۔ (۳)

(۱) مختصر زوائد البزار لابن حجر: ۱/۶۶۷

(۲) شرح معانى الآثار للطّحاوي: ۴/۲۳۰

(۳) ابن ابى شيبه فى اللباس باب ما يومر به الرجل من إعفاء اللحية: ۵/۲۲۸، رقم: ۲۵۴۹۳

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن عتبہ فرماتے ہیں: ایک مجوسی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا جس نے داڑھی مونڈ رکھی تھی اور جس کی مونچھ لمبی تھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کیسی صورت بنا رکھی ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہمارے دین میں تو ایسا ہی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہمارے دین میں مونچھیں کتروانے اور داڑھی بڑھانے کا حکم ہے۔

الغرض مذکورہ روایات میں مجوس، مشرکین اور یہود کی مشابہت منقطع کرنے کے لیے داڑھی رکھنے کا حکم دیا گیا اسی لیے جمہور فقہاء کرام نے اسے واجب قرار دیا ہے بلکہ ابن حزم نے مراتب الاجماع میں اس پر سب کا اتفاق نقل کیا ہے کہ قطع لحیۃ ناجائز ہے۔ فرماتے ہیں:

اتّفقوا على ان حلق اللحية مثلة لا تجوز۔ (۱)

(یعنی تمام علماء کا اتفاق ہے کہ داڑھی کا مونڈنا مثلہ کے حکم میں ہے جو کہ ناجائز ہے۔)

علامہ حصکفی فرماتے ہیں: يحرم على الرجل قطع لحيته۔ (۲)

(یعنی آدمی کے لیے داڑھی کا کاٹنا حرام ہے۔)

اور دوسرے طبقے (جو حد سے زیادہ داڑھی لمبی چھوڑ دیتے ہیں) ان کی مخالفت و مشابہت سے بچنے کے لیے ایک مشت سے زائد داڑھی کٹا دینے کو مندوب و مستحسن قرار دیا گیا، ترمذی میں ہے: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأخذ لحيته من عرضها وطولها۔ (۳)

---

(۱) مراتب الاجماع لابن حزم: ص:۱۵۷، دار الكتاب العلميه بيروت

(۲) الدر مع الرد ۹/۸۵۳، الحظر و الاباحة، زكريا

(۳) الترمذى فى باب الأدب باب ماجاء فى الأخذ من اللحية رقم: ۲۷۶۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کے طول وعرض سے کاٹتے تھے۔

لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے بہت ضعیف ہے خود امام ترمذی فرماتے ہیں:

هذا حديث غريب وسمعت محمد بن اسماعيل يقول: عمر بن هاورن مقارب الحديث لا أعرف له حديثا ليس له أصل أوقال ينفرد به إلاّ ہذا" (أيضًا)

(یہ حدیث غریب ہے، میں نے امام بخاری رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: عمر بن ھارون مقارب الحدیث ہے میرے علم میں اس راوی کی کوئی حدیث بے اصل نہیں ہے یا فرمایا یہ راوی متفرد نہیں ہے مگر اس حدیث کے ساتھ تحفۃ الالمعی ۶/۵۳۰)

البتہ متعدد صحابہ کرام اور تابعین کی ایک بڑی جماعت سے یہ عمل ثابت ہے اور پھر امت کا تعامل اس کی واضح دلیل ہے، علامہ مناوی فرماتے ہیں:

واختلف السلف فيما طال منها فقيل لا بأس ان يقبض عليها ويقص ما تحت القبضة كما فعله ابن عمر ثم جمع من التابعين واستحسنه الشعبى وابن سيرين۔ (۱)

یعنی جب داڑھی لمبی ہوجائے تو اس کے متعلق سلف کا اختلاف ہے کہ اسے کاٹا جائے یا نہیں، تو بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ ایک مشت سے زائد حصہ کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ حضرت ابن عمر اور تابعین کی ایک بڑی جماعت اس طرح کیا کرتی تھیں اور شعبی اور ابن سیرین نے بھی اسے پسندیدہ قرار دیا ہے۔

---

(۱) فیض القدیر للمناوی: ۱/۱۹۸

گدی کے بال کٹوانا

گدی کے بال کٹوانا چوں کہ خاص مجوس کا شعار تھا اس لیے بلاضرورت گدی کے بال کٹوانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے؛

عن عمر بن الخطاب قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن حلق القفا الا للحجامة۔ (۱)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گدی کے بال کاٹنے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ وہ حجامہ کروائے تو تب کاٹ سکتا ہے۔

علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں؛

رواه الطبرانی فی الصغیر والأوسط وفیه سعید بن بشیر وثّقه شعبة وغیره وضعفه ابن معین وغیره وبقیة رجاله رجال الصحیح۔ (۲)

(یعنی یہ حدیث طبرانی نے المعجم الصغیر اور المعجم الاوسط دونوں میں ذکر کی ہے، اور اس روایت میں ایک سعید بن بشیر نامی راوی ہے جسے شعبہ وغیرہ ثقہ قرار دیتے ہیں اور ابن معین اور دوسرے حضرات اسے ضعیف قرار دیتے ہیں، اور روایت کے بقیہ تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔)

حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے گدی کے بال کٹوا رکھے ہیں اور ریشم پہن رکھا ہے تو آپ نے فرمایا:

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی: ۷/۴۳، باب من اسمه اسماعیل

(۲) مجمع الزوائد: ۵/۱۷۲

من تشبّه بقوم فهو منهم۔
(یعنی جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرے گا اس کا تعلق ان ہی سے ہو جائے گا۔)

عن قتادة ان عمر بن الخطاب رای رجلا قدحلق فقاه ولبس حریرا فقال من تشبه بقوم فهو منهم۔ (۱)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب ؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے گدی کے بال کٹوا رکھے ہیں اور ریشم پہن رکھا ہے تو آپ نے فرمایا: جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرے گا اس کا تعلق ان ہی سے ہو جائے گا۔

اسی طرح حضرت عمر ؓ کا یہ قول بھی منقول ہے:
حلق القفا من غير حجامة مجوسية۔ (۲)
(یعنی حجامہ کے وقت کے علاوہ گدی کا بال کٹوانا مجوسیوں کا فعل ہے۔)
یعنی بلا ضرورت گدی کے بال کٹوانا مجوس کا خاص شعار ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ گدی کے بال کٹا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ تو مجوس کا عمل ہے اور یہ حدیث آپ نے پڑھی:
من تشبّه بقوم فهو منهم۔
(جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرے گا اس کا تعلق ان ہی سے ہو جائے گا۔)

قال المروزی سألت أبا عبد الله یعنی أحمد بن حنبل عن

---

(۱) مصنّف عبد الرزاق: ۱۱/۴۵۳، باب حلق القفا
(۲) مجمع الزوائد: ۵/۱۷۲

حلق القفا فقال ہو من فعل المجوس ومن تشبه بقوم فهو منهم۔ (۱)

ترجمہ: مروزی فرماتے ہیں میں نے ابوعبداللہ یعنی حضرت امام احمد بن حنبل سے گدی کے بال کٹوانے کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا یہ مجوس کا فعل ہے اور جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرے گا اس کا تعلق ان ہی سے ہوجائے گا۔

انہیں روایات کے پیش نظر فقہائے احناف نے بھی اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

قال في الهندية: وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ يكره أن يحلق قفاه إلاّ عند الحجامة۔ (۲)

(فتاوی ہندیہ میں ہے: حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ گدی کے بال کٹوانا مکروہ ہے سوائے حجامہ کے وقت کے)

فائدہ: اس وقت بطور فیشن انگریزی بال رکھنے کا جو رواج ہو رہا ہے خصوصا مغربیت زدہ نوجوان طبقے میں اسکا حکم بھی مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کیونکہ بالوں کی یہ تمام شکلیں فساق وفجار اور اعداء اسلام کا خاص شعار ہیں اس لیے ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے اجتناب ضروری ہے۔

قزع کی ممانعت

"قَزَع" اس کے لغوی معنی آتے ہیں بادل کا ٹکڑا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ سر کے کچھ حصے کے بال مونڈ دیے جائیں اور کچھ حصے کے بال چھوڑ دیے جائیں:

---

(۱) المغنی لابن قدامه: ۱/۱۲۵، اقتضاء الصّراط المستقیم لابن تیمیه

(۲)۵/۲۲۳، کتاب الحظر والإباحة، الباب التّاسع عشر في الختان وغیره۔

قال الحافظ في الفتح القزع بفتح القاف والزّای ثمّ المهملة جمع قزعة وهی القطعة من السّحاب وسمّی شعر الرأس إذا حلق بعضه قزعا تشبيها بالسّحاب المتفرّق۔ (۱)

ترجمہ: حافظ فرماتے ہیں: قزع قاف اور زاء کے فتحہ کے ساتھ پھر اس کے بعد ھاء مہملہ ہے اور یہ قزعہ کی جمع ہے جو بادل کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں، اور جب سر کے بعض حصہ کے بال مونڈ دیے جائے تو اسے بھی قزع کہتے ہیں کیوں کہ وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے بادلوں کی طرح نظر آتا ہے۔

قزع کی یہ تفسیر خود راوی حدیث حضرت نافع سے منقول ہے: أخبرنی عمر بن نافع عن أبيه عن ابن عمرؓ ان النبی صلی الله عليه وسلم نهی عن القزع قلت لنا فع وما القزع؟ قال يحلق بعض رأس الصّبی ويترک البعض۔ (۲)

ترجمہ: عمر بن نافع اپنے والد سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قزع سے منع فرمایا ہے، میں نے کہا یہ قزع کیا چیز ہے؟ تو فرمایا کہ بچے کہ سر کے بعض حصہ کو مونڈ دیا جائے اور اور بعض کو چھوڑ دیا جائے۔

قزع کے تحقق کے لیے مونڈنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر سر کے بعض حصے کے بال بہت باریک کر لیے جائیں اور بعض حصے کے بہت بڑے (جیسا کہ بعض لوگوں کا فیشن ہے) تو وہ بھی قزع میں داخل ہے۔

---

(۱) فتح الباری: ۱۲/۱۷، باب القزع دارالکتاب العليمة بيروت

(۲) شرح النووی علی مسلم کرابة القزع: ۷/۲۳۴

صاحب احسن الفتاوی فرماتے ہیں؛قزع: یعنی سر کے بعض حصہ کے بال منڈانا اور بعض کے چھوڑنا یا بعض زیادہ تراشنا اور بعض کم۔(۱)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے قزع کی چار شکلیں بیان فرمائی ہیں:

والقزع اربعة انواع احدها أن يحلق من رأسه مواضع من ههنا وههنا والثاني أن يحلق وسطه ويترك جوانبه والثالث ان يحلق جوانبه ويترك وسطه الرابع أن يحلق مقدمه ويترك مؤخره وهذا كله من القزع. (۲)

ترجمہ: قزع کی چار شکلیں ہیں:

(۱) سر کے سارے بال نہ مونڈنا بلکہ جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے بادلوں کی طرح ٹکڑیوں میں مونڈنا۔

(۲) درمیان سے سر کے بال مونڈنا اور اطراف سے چھوڑ دینا۔

(۳) اطراف مونڈنا اور درمیان سے سر کے بال چھوڑ دینا۔

(۴) آگے سے مونڈنا اور پیچھے سے چھوڑ دینا۔

اس طرح بال رکھنا چوں کہ یہود کا خاص شعار تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح سے بال رکھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ ان کی مشابہت لازم نہ آئے۔

عن ابن عمرؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع۔ (۳)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قزع سے منع فرمایا ہے۔

(۱) احسن الفتاوی: ۸/۸۲ کتاب الحظر والإباحة زکریا دیوبند

(۲) تحفته المودود بأحكام المودود، ص: ۱۴۷-۱۴۸

(۳) البخاری باب القزع ۱۹/۳۶۶،رقم:۵۹۲۱

ایک دوسری روایت میں ہے: عن نافع عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن القزع والقزع ان يحلق رأس الصبي فيترک بعض شعره۔ (۱)

ترجمہ: نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قزع سے منع فرمایا ہے، میں نے کہا یہ قزع کیا چیز ہے؟ تو فرمایا کہ بچے کہ سر کے بعض حصہ کو مونڈ دیا جائے اور اور بعض کو چھوڑ دیا جائے۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں اس کے یہود کا خاص شعار ہونے کی صراحت ہے؛احلقوا هذين او قال قصوهما فان هذا زى اليهود۔ (۲)

(یعنی ان دونوں کو کاٹ دو یا دونوں کو برابر کردو کیونکہ بعض کو کاٹنا اور بعض کو چھوڑنا یہود کا ایک خاص شعار ہے۔)

عون المعبود میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اى شعارهم وعاداتهم في رؤوس أولادهم فخالفوهم ...... قال شيخ الاسلام ابن تيمية علل النهي عنهما بأن ذلك زى اليهود وتعليل النّهى بعلّة يوجب ان تكون العلّة مكروهة مطلوبًا عدمها فعلم أنّ زى اليهود حتّى فى الشّعر ممّا يطلب عدمها۔ (۳)

یعنی اپنے بچوں کے سر کے بالوں کے سلسلے میں یہ یہود کا خاص شعار اور ان کا مخصوص طور طریقہ ہے اس لیے ان کی مخالفت کرو۔۔۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اس عمل کے

(۱) ابو داؤد باب فى الذؤابة: ۱۲/ ۲۸۷، رقم:۴۱۹۵

(۲) ابو داؤد ۴/ ۸۴، رقم:۴۱۹۷

(۳) عون المعبود: ۱۱/ ۲۸۱ باب فى أخذ الشارب

ممانعت کی علت یہ ہیکہ یہ یہود کا طرز وعمل ہے اور جب ممانعت کی علت کسی چیز کو قرار دیا جائے تو وہ علت شرعاناپسندیدہ ہوگی جس کا نہ پایا جانا مطلوب شرعی ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ یہودی اسٹائل حتی کہ بالوں میں بھی نہ پایا جانا شرعا مطلوب ہے۔

علامہ نوویؒ نے بھی اس علت کی صراحت کی ہے فرماتے ہیں؛ قال العلماء والحكمة فى كراهته (القزع) أنه تشويه للخلق وقيل لأنه زى اليهود وقد جاء هذا فى رواية لابى داؤد۔ (۱)

یعنی علماء فرماتے ہیں: قزع کے مکروہ ہونے کی حکمت یہ ہیکہ یہ خلقت کو بگاڑ دیتا ہے، اور بعض حضرات نے کہاہیکہ یہ مکروہ اس وجہ سے ہیکہ یہ یہود کا شعار ہے، اور یہ علت ابوداؤد کی ایک روایت میں بھی موجود ہے۔

الغرض مشابہت اغیار سے امت کو بچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قزع کو ممنوع قرار دیا۔

---

(۱) شرح النووي: ۷/۲۳۴، باب كراهة القزع

وصل شعر کی ممانعت

اپنے بالوں میں کسی مرد یا عورت کے بالوں کو جوڑنے اور گوندھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک انصاری لڑکی کی شادی ہوئی تو بیماری سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ان کے اہل خانہ نے سوچا کہ دوسرے کے بال گوندھ دیں اور اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی لعنت ہے اس عورت پر جو گوندھے اور اس عورت پر بھی جو گوندھوائے۔

عن عائشةؓ ان جارية من الانصار تزوجت وانها مرضت فتمعّط شعرها فأرادوا أن يصلوها فسألوا النبى صلى الله عليه وسلم فقال لعن الله الواصلة والمستوصلة۔ (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انصاری ایک لڑکی کی شادی ہوئی تو بیماری سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ان کے اہل خانہ نے سوچا کہ دوسرے کے بال گوندھ دیں اور اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی لعنت ہے اس عورت پر جو گوندھے اور اس عورت پر بھی جو گوندھوائے۔

---

(۱) البخاری کتاب اللباس باب الوصل فی الشعر: ۵/۲۲۱۷، رقم:۵۵۹۰

(قوله "فتمعّط" أى خرج من أصله وأصل المعط المدّ كأنه مُدّ إلى ان تقطّع ويطلق أيضا على من سقط شعره) "تمعط" (١)

یعنی اپنے جڑ سے نکل گیا اور معط کی اصل المد گویا کہ اسے اتنا کھینچا گیا کہ وہ ٹوٹنے کے درپے ہوگیا نیز اس کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جس کے بال جھڑ گئے ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی کے ساتھ وصل شعر سے منع فرمایا ہے؛

عن جابر بن عبد اللهؓ انّه قال: زجر النبى صلى الله عليه وسلم ان تصل المرأة براسها شيئا۔ (٢)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی کے ساتھ اس بات سے منع کیا ہے کہ عورت اپنے بال کے ساتھ بال ملائے۔

یہ چوں کہ یہود کی عورتوں کا خاص شعار تھا، نیز اس میں تلبیس اور خداع ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فعل سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، بلکہ اس کے مرتکب پر لعنت بھی فرمائی ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ جب آخری مرتبہ مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں تو آپ نے ممبر پر ایک تقریر فرمائی اور آپ کے ہاتھوں میں بالوں کا ایک گچھا تھا آپ نے فرمایا، اے اہل مدینہ کہاں ہیں تمہارے علماء میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جب بنی اسرائیل کی عورتیں وصل شعر کرنے لگیں تو انہیں ہلاک کر دیا گیا،

---

(١) فتح البارى: ٣٧٦/١، كتاب اللّباس

(٢) مسلم كتاب اللباس باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة الخ ١٦٣٨/٣، رقم:٢١٢٦

اور سعید بن المسیب کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف یہود کرتے ہیں۔

عن حميد بن عبد الرحمن بن عوف انه سمع معاوية عام حج وهو على المنبر وتناول قُصّةً من شعر كانت في يد حرسي يقول يا أهل المدينة أين علمائكم؟ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن مثل هذه ويقول انّما هلكت بنو إسرائيل حين اتّخذ هذه نساءهم، وفي رواية لسعيد بن المسيّب في الصّحيحين، ماكنت أرى أن أحدا يفعله الا اليهود۔ (۱)

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں میں نے حج کے سال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا، آپ نے دربان کے ہاتھ سے بالوں کا گچھ لیا اور فرمایا: اے اہل مدینہ! کہاں ہیں تمہارے علماء؟ (کیا انھوں نے تمہیں اس کے بارے میں نہیں بتلایا کہ یہ ناجائز ہے) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ ان جیسی چیزوں سے آپ نے منع فرمایا ہے نیز کہا کہ جب بنی اسرائیل کی عورتوں نے ایسا کیا تو وہ ہلاک ہوگئے۔ حضرت سعید بن مسیب کی صحیحین کی روایت میں ہے: میرے خیال میں تو یہ کام صرف یہودی کرتے ہیں۔

الغرض مشابہت یہود سے امت کو بچانے کے لیے اور دجل وتلبیس وخداع سے محفوظ رکھنے کے لیے اس فعل کی ممانعت کی گئی۔

---

(۱) البخاري في اللباس باب الواصل في الشعر رقم: ۵۵۸۸-۵۵۹۴

مسلم كتاب اللباس باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة الخ رقم: ۲۱۲۷

چاندی کے علاوہ دوسری دھات کی انگوٹھی

لوہا تانبا پیتل وغیرہ کی انگوٹھی چونکہ بعض کفار عجم کا خاص شعار تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے استعمال سے منع فرمایا ہے:

عن بريدةؓ أن رجلا جاء إلى النبى صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من شبه (الشّبه هى النحاس الأصفر) (القاموس المحيط للفيروز آبادى: ص١٦١٠) فقال مالي أجد منك ريح الأصنام فطرحه ثمّ جاء وعليه خاتم من حديد فقال مالي أرى عليك حلية أبل النّار فطرحه فقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم من أيّ شئ أتّخذه؟ فقال اتّخذه من ورق ولا تتمّه مثقالا۔ (۱)

ترجمہ: عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پیتل کی ایک انگوٹھی پہن رکھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تم سے بتوں کی بدبو محسوس کر رہا ہوں۔ انہوں نے اسکو پھینک دیا پھر اگلی بار وہ لوہے کی انگوٹھی پہن کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تم پر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں انھوں نے اس کو پھینک دیا اور دریافت کیا کہ میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چاندی کی لیکن ایک مثقال مکمل نہ کرنا۔

فائدہ: ایک مثقال ۴، گرام ۳۷۴، ملی گرام ہوتا ہے، لہٰذا مرد کو چاندی کی انگوٹھی اس سے کم وزن والی ہی پہننا چاہیے۔

(۱) الوزن المحمود ص: ۱۰۷ دار الكتاب۔ ابو داؤد كتاب الخاتم باب ما جاء فى خاتم الحديد: ۴/۹۰ رقم ۴۲۲۳

علامہ خطابی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

انما قال "أجد ریح الاصنام" لانها کانت تتخذ من الشّبه واما الحدید فقیل لانه زی بعض الکفار وهم اہل النار۔ (۱)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ "اجد ریح الاصنام" (میں بتوں کی بد بو محسوس کررہا ہوں) اس وجہ سے فرمایا کیونکہ یہ انگوٹھی پیتل سے بنائی جاتی تھی، اورلوہے کی انگوٹھی اس وجہ سے ممنوع ہے کیونکہ یہ بعض کفار کی علامت ہے۔

ملاعلی قاری اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ما لی اری علیک حلیة اهل النار بکسر الحاء جمع الحلی ای زینة بعض الکفار فی الدنیا۔ (۲)

یعنی حلیة حاء کے کسرہ کے ساتھ، جوکہ حلی کی جمع ہے اور اس کا معنی وہ چیز ہے جو بعض کفار بطور زینت استعمال کرتے ہیں۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں: عن عمروبن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی صلی الله علیه وسلم رأی علی بعض اصحابه خاتما من ذهب فأعرض عنه فألقاه واتخذ خاتما من حدید فقال هذا شرّ هذه حلیة أهل النار فألقاه واتخذ خاتما من ورق فسکت عنه۔ (۳)

ترجمہ: عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت ہیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے ان سے منہ پھیرلیا، صحابی نے وہ انگوٹھی

(۱) معالم السنن للخطابی ۴/۳۲۹ (۲) مرقاۃ باب الخاتم: ۱۳/۱۳۴

(۳) مسند احمد کتاب اللباس والزینة باب کراہة خاتم الصفر والحدید الخ ۱۷/۲۵۷،

قال الهیثمی رجاله ثقات مجمع الزوائد: ۵/۱۵۴

پھینک دی اور ایک لوہے کی انگوٹھی بنالی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا یہ تو جہنمیوں کا زیور ہے تو صحابی نے اسے بھی پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنالی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو کچھ نہیں کہا۔

الغرض کفار عجم کی خاص زینت کی چیز لوہے وغیرہ کی انگوٹھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفس انگوٹھی کو باقی رکھ کر کیفیت میں تغییر فرمادی، تاکہ زینت بھی حاصل ہو اور تشبہ بھی منقطع ہوا نہیں روایات کے پیش نظر جمہور فقہاء نے اس طرح کی انگوٹھی پہننے کو ممنوع قرار دیا ہے صاحب ہدایہ امام محمد کا قول، ”لا يتختم إلاّ بالفضّة“ (صرف چاندی ہی کی انگوٹھی بنائی جائے۔) نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وهذا نصّ على أن التّختّم بالحجر والحديد والصفر حرام۔ اس میں اس بات پر صراحت ہے کہ پتھر، لوہا اور پیتل کی انگوٹھی بنانا حرام ہے۔(۱)

قاضی زادہ صاحب تکملہ فتح القدیر نے اس حرمت کو اتفاقی قرار دیا ہے فرماتے ہیں: إنّه بلا خلاف (اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے) (ایضا) لہٰذا جن فقہاء احناف کی عبارات میں کراہت کی بات ہے وہاں کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے جو عملا حرام ہی کے حکم میں ہے۔

اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی رشیدیہ میں جو کراہت تنزیہی کا قول اختیار کیا ہے اس سے مراد وہ انگوٹھی ہے جو خالص لوہے وغیرہ کی نہ ہو بلکہ مموہ یعنی چاندی کا پانی چڑھا ہوا ہو اور ایسی انگوٹھی بھی خلاف افضل جس کی تعبیر کراہت

---

(۱) بداية مع فتح القدير: ۱۰/ ۲۲

تنزیہی سے کی گئی ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کا یہی محلہ متعین کیا گیا ہے۔(۱)

ایسی چیز کا استعمال جس میں معبودان باطلہ کی تصویر ہو

ہر ایسا سامان جس میں معبودان باطلہ کی تصویر ہو مثلاً صلیب، مورتی وغیرہ اس کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں ادیان باطلہ کے شعائر کی ترویج اور ان کا اظہار ہے نیز غیروں کے ساتھ استعمال میں مشابہت ہے اس لیے آپ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ اگر کپڑے پردے وغیرہ میں صلیب وغیرہ کی تصویر دیکھتے تو اس تصویر کو زائل فرمادیتے تھے:

عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلی الله علیه وسلم لم یکن یترک فی بیته شیئا فیه تصالیب إلا نقضه وفی روایة متكه۔ (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جس چیز میں بھی صلیب وغیرہ کی تصویر دیکھتے تو اس کو زائل فرمادیتے تھے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: واظهار الصلیب بمنزلة اظهار الأصنام فإنه معبود النصاری کما أن الأصنام معبود أربابها ...... فهو علی کل حال رمز عقیدتهم الأول۔ (۳)

یعنی صلیب کی ترویج واظہار کرنا ایسا ہی ہے جیسے بتوں کی ترویج کرنا؛ کیونکہ جس طرح بت پرستوں کے بت ان کے معبود ہیں

(۱) فتاوی دارالعلوم زکریا:۷/۲۴۶

(۲) البخاری باب نقض الصور، رقم: ۵۹۵۲

(۳) احکام أهل الذمة: ۲/۷۹۱،ط: بیروت

اسی طرح صلیب بھی نصاریٰ کا معبود ہے، اس لیے کہ یہ بہرحال سے ان کے عقیدہ کی مرکزی علامت اور نشان ہے۔

فارسی کمان کی ممانعت

غیر قوموں کی ایسی چیزیں جو ان کا مذہبی شعار نہ ہوں بلکہ وہ لوگ تمدنی حیثیت سے اسے اختیار کریں اور اسکا متبادل شریعت میں موجود ہو تو ایسی چیزوں کے استعمال سے بھی بچنا چاہیے تاکہ برتنے اور استعمال کرنے کی چیزوں میں بھی ان کی مشابہت لازم نہ آئے حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے پھینک دو اور عربی کمان استعمال کرو اللہ تعالیٰ اسی کے ذریعہ دین کو غالب کریں گے۔

عن عليّ رضی الله عنه قال بينما رسول الله صلی الله عليه وسلم يتوكّأ على قوس له عربية إذ رأى رجلاً معه قوس فارسية فقال القها فإنّها موعهنة ولكن عليكم بالقسى العربية وبرماح القن فبها يؤيد الله الدين وبها يمكن لكم فى الأرض۔ (۱)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی عربی کمان پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا جس کے پاس فارسی کمان تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے پھینک دو کیونکہ اس پر اللہ کی لعنت ہے اور تم عربی کمان اور نیزہ استعمال کرو اللہ تعالیٰ اسی کے ذریعہ دین کو قوت بخشے گا اور روئے زمین پر تمہیں غلبہ عطا کرے گا۔

(۱) ابن ماجه الجهاد باب السلاح: ۲/۹۳۹، رقم: ۲۸۱۰

حضرت تھانویؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ف: فارسی کمان کا بدل عربی کمان تھی اس لیے اس کے استعمال سے منع فرمایا معلوم ہوا کہ برتنے کی چیزوں میں بھی غیر قوم کی مشابہت سے بچنا چاہیے، جیسے کانسی، پیتل کے برتن بعض جگہ غیر قوموں سے خصوصیت رکھتے ہیں۔(۱)

مردوں کے لیے زعفرانی رنگ کا لباس

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زعفرانی رنگ کا لباس اس وقت کفار کا خاص لباس تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا جبکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لباس کا رنگ خاص عورتوں کے استعمال کے لیے ہوتا تھا اور صرف عورتیں استعمال کرتی تھیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کو اس رنگ کے استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے الغرض تشبہ بالکفار یا تشبہ بالنساء سے بچنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رنگ کا کپڑا استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله عنه قال رأى النبى صلى الله عليه وسلم على ثوبين معصفرين فقال أأمك أمرتک لهذا قلت أغسلهما؟ قال بل أحرقهما۔ (۲)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے زرد رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: کیا تمہاری والدہ نے تمہیں یہ پہننے کا حکم دیا ہے؟ میں نے کہا: کیا میں اس کے رنگ کو دھو کر زائل کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ انھیں جلا دو۔

(۱) حیات المسلمین روح بست وپنجم ص: ۲۸۴

(۲) مسلم اللباس باب النهي عن لبس المعصفر: رقم: ۲۰۷۷

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال ابن الملک وانما نہی الرجال عن ذلک لما فیہ من التشبہ بالنساء۔ (۱)

ترجمہ: ابن ملک فرماتے ہیں: آدمیوں کو زرد رنگ کا کپڑا پہننے سے اس لیے منع کیا گیا کیوں کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے۔

شیخ احمد شاکر مسند احمد کی شرح میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ھذا الحدیث یدل بالنص الصریح علی حرمۃ التشبہ بالکفار فی الملبس والحیاۃ والمظھر ،لم یختلف اھل العلم منذ الصدر الاول فی ھذا اعنی حرمۃ التشبہ بالکفار حتی جئنا فی ھذہ العصور المتاخرۃ۔ (۲)

(یعنی یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہیکہ کفار کے ساتھ ان کے لباس وطرز حیات میں مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، اور کفار کے ساتھ تشبہ کے حرام ہونے میں شروع زمانہ سے اب تک اہل علم میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت تھانویؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فائدہ: ایسا کپڑا مرد کے لیے خود بھی حرام ہے مگر آپ نے ایک وجہ یہ بھی فرمائی (مشابہت کفار) معلوم ہوا کہ اس وجہ میں اثر ہے پس یہ وجہ جہاں بھی پائی جاوے گی یہی حکم ہوگا۔(۳)

---

(۱) مرقاۃ: ۱۳،۱۷

(۲) مسند احمد: ۱۰/۱۹ تحقیق احمد شاکر

(۳) حیات المسلمین روح بست وپنجم ص: ۲۸۱

دوسری جگہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے معصفر سے ممانعت کی علت یہ ارشاد فرمائی کہ یہ لباس کفار میں سے ہے ان کے ساتھ تشبہ جائز نہیں۔(۱)

ایک دوسری روایت میں ہے: عن علی قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نہی عن لبس القسی والمعصفر الخ۔ (۲)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشم اور زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔)

الغرض امت کو تشبہ بالنساء یا تشبہ بالکفار سے بچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اس ممانعت کی علت پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ھروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ان ہی روایات کے پیش نظر فقہاء احناف نے زرد رنگ کے کپڑے کے استعمال کو ممنوع قرار دیا؛ قال في الدرّ وكره لبس المعصفر والمزعفر إلخ۔ درمختار میں ہے: زعفرانی اور زرد رنگ کا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔(۳)

بعض حضرات نے تشبہ بالکفار کی علت کی وجہ سے ممانعت کو عام کرتے ہوئے عورتوں کے لئے بھی ایسے کلر کے کپڑے استعمال کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے؛ لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر روایات کی روشنی میں اصل علت تشبہ بالنساء کو قرار دیا ہے اور عورتوں کے لئے اس کے استعمال کو درست قرار دیا ہے۔

---

(۱) امداد الفتاوی: ۱۲۴/٤ ط قدیمی

(۲) مسلم كتاب اللباس والزّينة باب النّهي عن لبس الرّجل الثّوب المعصفر: رقم: ۲۰۷۸

(۳) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹/۵۱۵، كتاب الحظر والإباحة، ط: زكريا ديوبند

آپ نخب الافکار میں لکھتے ہیں:

فجعله تحت القدر أو في التنور - فأتى النبي - عليه السلام قال ما فعل ثوبك :قال صنعت به ما أمرتني، فقال له رسول الله عليه السلام: ما بهذا أمرتك أولا ألقيته على بعض نسائك؟ "فكان ذلك التحريم على الرجال دون النساء

ش هذا إشارة إلى بيان فساد وجه قياس هؤلاء الطائفة الذين ذكروه في تعميم التحريم في حق الرجال والنساء جميعا

بيانه أن قوله - عليه السلام في حديث أنس: "أولا القيته على بعض نسائك" يدل على أن التحريم مخصوص في حق الرجال دون النساء، وأن احتجاجهم في تعميم الحرمة بالعلة المذكورة وهي تلك الثياب ثياب الكفار فاسد، وأن ذلك التحريم۔ (۱)

مردوں کے لیے سرخ رنگ کا لباس

سرخ رنگ کا لباس عورتوں کے ساتھ خاص ہے اور بعض روایات میں ہے کہ سرخ رنگ شیطان کی زینت ہے اور شیطان سرخ رنگ کو پسند کرتا ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کے لیے سرخ رنگ کے لباس کو ممنوع قرار دیا؛

عن الحسن مرسلاً: الحمرة من زينة الشيطان والشيطان يحب الحمرة وفى رواية: ان الشيطان يحب الحمرة واياكم والحمرة وكل ثوب ذى شهرة۔ (۲)

ترجمہ: حضرت حسن رحمہ اللہ تعالی سے مرسلا منقول ہے:
سرخ رنگ سے شیطان مزین ہوتا ہے اور شیطان کو سرخ رنگ

(۱) نخب الافکار: ۱۳/۲۹۶

(۲) مصنف عبدالرزاق باب الخز والعصفر: ۱۹۹۷۵

پسند ہے۔ ایک روایت میں ہے: سرخ رنگ شیطان پسند کرتا ہے، اس لیے تم سرخ رنگ سے اور ہر شہرت والے کپڑے سے اجتناب کرو۔

بعض روایات میں اسے شیطان کی سب سے پسندیدہ اور مرغوب زینت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رَاشِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّا لنَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالْحُمْرَةَ؛ فَإِنَّهَا مِنْ أَحَبِّ الزِّينَةِ إِلَى الشَّيْطَانِ۔ (۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایت میں ہے کہ ایک شخص سرخ کپڑوں میں ملبوس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا اور اس نے سلام کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا؛ عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال مر على النبى صلى الله عليه وسلم رجل وعليه ثوبان أحمر ان فسلم عليه فلم يرد عليه النبى صلى الله عليه وسلم۔ (۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا جس نے سرخ رنگ کا کپڑا زیب تن کیا ہوا تھا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا لیکن (اس سرخ جوڑے کی وجہ سے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔

---

(۱) الآحاد والمثانیل ابن أبي عاصم: ۵/ ۲۶۴

(۲) ابو داؤد اللباس باب فی الحمرۃ: ۴/ ۵۳ رقم ۴۰۶۹

محدث سہارنفوری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: مطلق الحمرة سواء كان من العصفر أوغيره مكروه ففى الحديث دلالة على أن مرتكب المعصية حين تلبسها لا يرد عليه تسليمه۔ (۱)

یعنی مطلق سرخ رنگ مکروہ ہے چاہے زعفرانی رنگ ہو یا کوئی اور رنگ ہو، نیز حدیث میں اس پر بھی دلالت ہے کہ مرتکب معصیت کے سلام کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

انہیں جیسی روایات کی بنا پر فقہاء احناف نے مردوں کے لیے خالص سرخ رنگ کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے:

قال فى الدرّ لا بأس بلبس الثوب الأحمر ومفاده أن الكراهة تنزيهية لكن صرح في التحفة بالحرمة فأفاد أنها تحريمية وهي المحمل عند الإطلاق۔ (۲)

(یعنی درمختار میں ہے: سرخ رنگ کا کپڑا پہننے میں کوئی حرج نہیں، لفظ لاباس سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ کراہت، تنزیہی ہے؛ لیکن تحفہ میں اس کے حرام ہونے کی صراحت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت، تنزیہی نہیں بلکہ تحریمی ہے، اور یہی قول مقتضی کے مطابق ہے کیونکہ جب لفظ کراہت مطلق ہوتا ہے تو اسے کراہتِ تحریمی پر محمول کیا جاتا ہے۔)

لیکن علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اس موقع پر جو بحث کی ہے اس سے کراہت تنزیہی کا رجحان مستفاد ہوتا ہے حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے بھی

---

(۱) بذل المجهود ١٦/ ٣٩٣ كتاب اللباس بيروت

(۲) الدرّ مع الرّد: ۹/ ۵۱۵، كتاب الحظر والإباحة، ط: زكريا ديوبند

کراہت تنزیہی کو ہی مفتی بہ قرار دیا ہے ایک سوال کے جواب میں آپ لکھتے ہیں: عورتوں کے لیے ہر قسم کا رنگ جائز ہے اور مردوں کے لیے کسم اور زعفران کا اتفاقاً ممنوع ہے، اور سرخ میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک حرام، بعض کے نزدیک مباح، بعض کے نزدیک مستحب، بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی اور قول اخیر مفتی بہ ہے۔(۱)

لہٰذا راجح یہی ہے کہ خالص سرخ رنگ کا لباس مکروہ تنزیہی ہے ہاں اگر کوئی تشبہ بالنساء کے قصد ہی سے پہنے یا بطور تکبر و ریاء وغیرہ کے ہو تو اب یقیناً مکروہ تحریمی اور ناجائز ہوگا۔ علامہ شامی علامہ شرنبلالی کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لم نجد نصا قطعی الاثبات الحرمة ووجدنا النهی عن لبسه لعلة قامت بالفاعل من تشبه بالنساء او بالاعاجم او التکبر۔ (۲)

فائدہ: روایات حدیث میں نبی کریم ﷺ سے جو سرخ لباس زیب تن فرمانے کا ذکر ملتا ہے، اس کا محمل شراح حدیث نے یہ بتلایا ہے کہ وہ خالص سرخ نہیں تھا؛ بلکہ اس میں صرف سرخ دھاریاں تھیں۔

ملا علی قاری نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے یہی توجیہ نقل کی ہے:

واما ما ورد فی شمائله صلی الله علیه وسلم حلة حمراء قال الحافظ العسقلانی ان المراد به ثیاب ذات خطوط ای لاحمراء خالصة وهو المتعارف فی برود الیمن۔ (۳)

---

(۱) امداد الفتاوی ۱۲۵/۴، احکام متعلقہ لباس ط قدیمی

(۲) الدر مع الرد: ۵۱۶/۹ ط زکریا

(۳) المرقاۃ: ۲۵۷/۸ ط امدادیہ

یہودیوں کی طرح چوغا پہننا

قدیم زمانے میں یہودیوں کا ایک خاص لباس تھا جسے طیلسان کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ اہل لغت نے چوغا سے کیا ہے یہ سر کی طرف سے پورے بدن پر ڈال لیا جاتا تھا یہ مربع (چوکور) اور مدور (گول) دونوں طرح کا ہوتا تھا یہ یہودیوں کا خاص قومی لباس تھا۔

عن انسؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: یتبع الدّجال من یهود اصبهان سبعون ألا علیهم الطیالسة۔ (۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اصبہان کے ستر ہزار یہود دجال کے پیچھے پیچھے چلیں گے جنھوں نے چوغا پہنا ہوگا۔

اسی طرح حضرت انسؓ نے کچھ لوگوں کو طیلسان پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا یہ لوگ خیبر کے یہودی معلوم ہوتے ہیں: وفی حدیث انسؓ انه رای قوما علیهم الطیالسة فقال کانهم یهود خیبر۔

علامہ عینیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: وهذا انکار علیهم لان التشبه بهم ممنوع وادنی الدرجات فیه الکراهة۔ (۲)

(یعنی آپ کے ان لوگوں پر نکیر کرنے کی وجہ یہ ہیکہ کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے، اور ممانعت کا سب سے ادنی درجہ کراہت کا ہے۔)

---

(۱) مسلم کتاب الفتن باب بقیة أحادیث الدجال: ۴/ ۱۷۹۲، رقم: ۲۹۴۴

(۲) عمدة القاری: ۲۶/ ۹۳ باب غزوة خیبر

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں: واستدل به على كراهة لبس الطيلسان لانه من ملابس النصارى واليهود۔ (۱)

(یعنی یہ اس بات پر دلیل ہے کہ چوغا پہننا مکروہ ہے کیونکہ وہ یہود ونصاری کا پوشاک ہے۔)

الغرض طیلسان یہود کا خاص لباس تھا اس لیے صحابہ کرام نے اس پر نکیر فرمائی لیکن اب یہ یہود کا خاص لباس باقی نہیں رہا بلکہ مسلمان بھی اسے عمومی طور پر استعمال کرنے لگے ہیں اس لیے ارتفاع علت کی وجہ سے ممانعت کا حکم بھی مرتفع ہوجائیگا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: وانما يصلح الاستدلال بقصة اليهود فى الوقت الذى تكون الطيالسة من شعارهم وقد ارتفع ذلك فى هذه الأزمنة فصار داخلا فى عموم المباح۔ (۲)

(یعنی یہود کے واقعہ سے اس وقت استدلال درست ہوگا جبکہ چوغا پہننا ان کا شعار ہو، حالانکہ فی الحال یہ بات نہیں رہی اس لیے چوغا بھی عام چیزوں کی طرح مباح ہوگا۔)

زین پر رکھنے کے لیے عجمیوں کی طرح گدی بنانا

احادیث میں ''میاثر'' کے استعمال سے منع کیا گیا ہے یہ میثرۃ کی جمع ہے۔ علامہ طبری اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو وطاء يوضع على سرج الفرس أو رحل البعير من الأرجوان، وقيل هي سروج من حرير وقيل: أغشية للسّروج من

(۱) فيض القدير: ۵/ ۴۹۰، رقم: ۷۶۷۹

(۲) فتح البارى ۱۶/ ۳۵۸ باب التقنع

حریر۔ (۱)

(یعنی میثرہ ایک ارغوانی کپڑا ہے جسے گھوڑے کے زین یا اونٹ کے کجاوے پر بچھایا جاتا ہے، بعض کا کہنا ہے کہ ریشمی زین کو میثرہ کہتے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ زین پر بچھائے جانے والے ریشمی کپڑے کو میثرہ کہتے ہیں۔)

ان تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ اونٹ کے کجاوے یا گھوڑے کی زین پر بچھانے کے لیے گدی نما کوئی چیز تیار کی جاتی تھی بالعموم یہ سرخ رنگ کی ہوتی تھی اور ریشم سے تیار کی جاتی تھی آپ ﷺ کے زمانے میں یہ عجمی کفار کا خاص شعار تھی۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: كانت النساء تصنعه لأزواجنا من الارجوان الاحمرومن الديباج وكانت من مراكب العجم۔

(یعنی عورتیں اپنے شوہروں کے لیے سرخ ارغوانی کپڑے اور ریشمی کپڑے سے میثرہ تیار کرتی تھیں نیز اس پر عجمی کفار بیٹھ کر سواری کرتے تھے۔)

یہی تشریح مشہور امام لغت ابوعبید سے بھی منقول ہے: المياثر الحمر التى جاء النهى عنها كانت من مراكب العجم من ديباج وحرير۔ (۲)

ترجمہ: میاثر وہ سرخ ریشمی کپڑے ہیں جن کے بارے میں ممانعت وارد ہوئی ہے جس پر عجمی کفار بیٹھ کر سواری کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ میاثر ریشم سے تیار شدہ سرخ رنگ کی گدی کو کہتے تھے جو اہل عجم اپنی سواریوں میں رکھتے تھے، کفار عجم کا خاص شعار ہونے کی وجہ سے

(۱) فتح الباری: ۱۰/۳۰۷

(۲) فتح الباری ۱۰/۲۹۳، کتاب اللباس

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے تاکہ ان کی مشابہت لازم نہ آئے۔

عن علیؓ قال نهانی رسول الله صلى الله عليه وسلم عن جلوس على المياثر، والمياثر قسى كانت تصنعه النساء لبعولتهن على الرحل كالقطائف من الارجوان۔ (۱)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے میاثر پر بیٹھنے سے منع کیا ہے، اور میاثر ایک ریشمی کپڑا جسے عورتیں اپنے خاوندوں کے لیے تیار کرتی ہیں جو کہ کجاوے پر رکھا جاتا ہے جیسے ارجوانی کپڑے۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

عن براء بن عازب رضى الله عنه قال أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبع ونهانا عن سبع ...... وعن المياثر۔(۲)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع کیا۔۔۔جن چیزوں سے منع کیا ان میں سے ایک، میاثر بھی ہے۔

الغرض کفار عجم سے مشابہت منقطع کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(۱) مسلم كتاب اللباس باب النهى عن التختم فى الوسطى والتي تليها: رقم: ۲۰۷۸

(۲) البخارى كتاب اللباس باب الميثرة الحمراء رقم: ۵۵۱۱

درندوں کی کھالیں

عموماً شیر اور دوسرے درندوں کی کھالیں جوگی اور نصاری کے رہبان استعمال کرتے تھے جنہیں مرگ چھالا کہا جاتا ہے یا امراء عجم اپنے تکبر و بڑائی کے اظہار کے لیے ان پر بیٹھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کی مشابہت سے بچنے کے لیے اس سے منع فرمایا ہے:

عن ابن سيرين عن معاوية قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن ركوب النمور۔ (۱)

ترجمہ: ابن سیرین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیتے کے کھالوں پر بیٹھ کر سواری کرنے سے منع کیا ہے۔

ملا علی قاریؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: وعن ركوب النمور بضمتين جمع نمر اى جلودها قيل لانها من زى الاعاجم۔ (۲)

(یعنی نمور یہ نمر کی جمع ہے، اور مراد چیتے کی کھال ہے، اور وجہ ممانعت یہ ہیکہ یہ عجمیوں کا مخصوص طریقہ ہے۔)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں: وانما نهى عن استعمالها لما فيه من الزينة والخيلاء ولانه زى العجم۔ (۳)

(یعنی نمور کے استعمال سے منع کرنے کی وجہ یہ ہیکہ اس سے زینت اور تکبر پیدا ہوتا ہے، نیز یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔)

---

(۱) ابن ماجة: ۱۱/۱۹۰ باب ركوب النمور رقم ۳۷۸۷

(۲) مرقاة: ۱۳/۸۰۳ كتاب اللباس

(۳) شرح السيوطى لسنن النسائى: ۸/۱۴۴ كتاب الزينة

امام طحاویؒ نے اس سلسلے میں قدرے تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس حدیث میں ممانعت کی علت ان کھالوں کا دباغت سے پاک نہ ہونا نہیں ہے بلکہ ممانعت کی علت صرف کفار عجم کی مشابہت سے بچانا ہے؛

النهی الذی جاء فی الآثار التي رويناها في هذا الباب عن الركوب على جلود السّباع لم يكن لأنّها غير طاهرةٍ بالدّباغ الذي فعل بها ولكن لمعنى سوى ذلک وهو ركوب العجم عليها لاماسوى ذلک۔ (۱)

(یعنی اس باب میں روایت کردہ آثار میں جو درندوں کے کھالوں پر سوار ہونے کی ممانعت ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ دباغت کے ذریعہ پاک نہیں کئے گئے تھے بلکہ وجہ ممانعت یہ ہیکہ عجمی لوگ اس پر سوار ہوتے ہیں۔)

عجمیوں کی طرح استر لگانا

کفار عجم کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ وہ فخر وتکبر اور ناز ونعمت کے اظہار کے لیے چادر وغیرہ کے نیچے استر لگایا کرتے تھے اور اسے مالداری وامارت پسندی کا ذریعہ سمجھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے منع فرمایا:

نهى رسول الله صلى عليه وسلم عن عشر عن الوشر، والوشم والنتف ...... وان يجعل الرّجل فی اسفل ثيابه حريرا مثل الاعاجم۔ (۲)

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس امور سے منع کیا ہے، ان میں

(۱) مشكل الآثار للطحاوي: ۷/۲۶۳ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن جلود إلخ

(۲) أبو داؤد باب من كره لبس الحرير ۱۲/۹۱

سے ایک بات یہ ہیکہ کوئی شخص اپنے کپڑے کے نیچے عجمیوں کی طرح ریشم نہ لگائے۔)

آخری قید مثل الاعاجم سے معلوم ہورہا ہے کہ ممانعت کی علت تشبہ بالاعاجم ہی ہے ورنہ ریشم تو مطلقا حرام ہے حکیم الاسلام حضرت قاری طیبؒ صاحب فرماتے ہیں: ''اس روایت میں ''مثل الاعاجم،، کی قید قابل لحاظ ہے حدیث نہی کی علت تشبہ بالاعاجم ظاہر کررہی ہے ورنہ اگر یہ لفظ نہ ہوتو نفس حریر تو یوں بھی حرام تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس روایت میں وجہ ممانعت صرف تشبہ ہے اور فی نفسہ وجوہ ممانعت اور بھی ہوں پس نہی کا مدار یہاں تشبہ ٹھر جاتا ہے۔(۱)

مخصوص نشان وعلامات

نصاری کا یہ دستور تھا کہ خوشی یا اجتماع کے وقت میں رنگین اور خوبصورت اور غمی کے اوقات میں سیاہ بلے اور نشانات مونڈھوں اور بازؤں پر باندھتے تھے، جس سے رسمی طور پر جذبات مسرت وغم کا اظہار ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ان کی مشابہت سے بچانے کے لیے اس سے منع فرمایا چنانچہ مذکورہ روایت کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے:أو يجعل على منكبيه حريرا مثل الأعاجم۔ (۲)

(یعنی عجمیوں کی طرح اپنے مونڈھوں پر ریشم لگانا جائز نہیں ہے۔)

امام طحاویؒ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ یہاں ممانعت کی علت حریر اور ریشم نہیں ہے کیونکہ روایات میں اعلام حریر (ریشم کے بیل بوٹے) کی اجازت منقول ہے،لہٰذا لامحالہ یہاں ممانعت کی علت یہی تشبہ بالاعاجم ہوگی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے:

---

(۱) اسلامی تہذیب وتمدن: ص: ۱۹۵دار الکتاب
(۲) ابو داؤد باب من کرہہ: ۱۲/ ۹۱

ومثل ذلك نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجعل الرجل اسفل ثيابه حريرا مثل الأعاجم أو يجعل على منكبيه حريرا أمثال الأعاجم مع إباحته أعلام الحرير...... عقلنا أن النّهى عما نهى عنه من ذلك ليس الحرير بعينه ولكن للتشبه بالعجم مما يفعلونه وفيما يلبسون ثيابهم عليه۔ (۱)

ترجمہ: اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا کہ کوئی شخص عجمیوں کی طرح اپنے کپڑے کے نیچے یا مونڈھے پر ریشم لگائے حالانکہ ریشم کے بیل بوٹے بنانا جائز ہے، لہذا اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ ممانعت اس وجہ سے نہیں ہیکہ اس میں ریشم کا استعمال ہو رہا ہے، بلکہ ممانعت کی وجہ یہکہ ان کاموں میں اور ایسے لباس پہننے میں عجمیوں کی مشابہت لازم آتی ہے۔

یہی بات علامہ مناوی نے فیض القدیر میں ابن تیمیہ کے حوالہ سے نقل کی ہے، فرماتے ہیں:

وقد ورد النّهى عن لبس زى الأعاجم مطلقًا قال ابن تيمية: النّهى عن هذا وما قبله من حيث كونه شعارا للأعاجم لالكونه حريرا۔ (۲)

ترجمہ: عجمیوں کے طریقہ پر لباس زیب تن کرنے کی جو ممانعت ہے وہ مطلق ہے، اور ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اس سے ممانعت کی وجہ ہیکہ یہ عجمیوں کا شعار ہے نہ اس وجہ سے کہ یہ ریشم کا ہوتا ہے۔

---

(۱) مشكل الآثار للطحاوى: ۷ / ۲۶۳، نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن جلود إلخ

(۲) فيض القدير للمناوى: ۶ / ۲۲۴ رقم ۹۴۹۴

سر کا لباس

سر ڈھانکنے اور نہ ڈھانکنے کے سلسلے میں دنیا میں مختلف قوموں کے مختلف نظریے پائے جاتے ہیں کچھ اقوام ایسی ہیں کہ ان کا شعار ننگے سر رہنا ہے خواہ مذہبی اعتبار سے یا تہذیب وثقافت کے اعتبار سے اور کچھ قومیں سر پوشی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، جو اقوام برہنہ سر رہنا اپنا شعار سمجھتی تھیں جیسے زمانہ قدیم میں ہندو سنیاسی مذہبی اعتبار سے اور آج کے عیسائی تمدنی وثقافتی لحاظ سے اسلام نے ان قوموں کے مقابلہ میں اپنے ماننے والوں کا شعار سر پوشی قرار دیا ہے روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ کپڑے صدقے کے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے درمیان انہیں تقسیم کر دیا اور فرمایا عمامہ پہنو اور اپنے سے پہلی قوموں (برہنہ سر) کی مخالفت کرو:

عن خالد بن معدان قال أتى النبى صلى الله عليه وسلم بثياب من الصدقه فقسمها بين أصحابه فقال اعتموا خالفوا على الأمم قبلكم۔ (۱)

> **ترجمہ:** خالد بن معدان فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صدقہ کا کپڑا آیا، آپ نے ان کپڑوں کو صحابہ کے درمیان تقسیم کر دیا، اور فرمایا: عمامہ باندھا کرو اور سابقہ قوموں کی مخالفت کرو۔

اور وہ قومیں جن کا شعار سر ڈھانکنا تھا تو ان قوموں کے مقابلہ میں مختلف ذرائع امتیاز کے ذریعہ مثلاً لون ورنگ طرز بندش وغیرہ کے ذریعہ امتیاز پیدا کیا گیا۔

(۱) شعب الإيمان للبيهقى: ۲۵۸/۱۳ فصل فى العمائم: رقم: ۵۹۹۳

عن عبادة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عليكم بالعمائم فإنها سيما الملائكة وأرخو لها خلف ظهوركم۔ (۱)

ترجمہ: حضرت عبادہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمامہ پہنا کرو کیونکہ یہ فرشتوں کی علامت اور پیٹھ کے پیچھے شملہ بھی چھوڑا کرو۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں مشرکین بھی عمامہ باندھتے تھے آپ نے ان میں اور مسلمانوں میں امتیاز پیدکرنے کے لیےفرمایا کہ ٹوپی کےاوپر عمامہ باندھا کرو کیوں کہ مشرکین بغیرٹوپی کےعمامہ باندھتے ہیں:

قال ركانة سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس۔ (۲)

ترجمہ: حضرت رکانہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا: ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہیکہ ہم ٹوپی پرعمامہ باندھتے ہیں۔ (اور وہ بغیرٹوپی کے عمامہ باندھتے ہیں۔)

ظاہر ہے کہ ٹوپیوں پرعمامہ باندھنے کا حکم سرڈھاپنے کے لیے نہیں ہے کیونکہ وہ تومحض عمامہ یاصرف ٹوپی سے ممکن تھا بلکہ کافرو مسلم میں خط امتیاز کھینچے اور دونوں کوطرز معاشرت میں بھی جدا کرنے کے لیے ہے۔

(۱) شعب الإيمان للبيهقي: ۱۳/۲۵۸، فصل في العمائم رقم: ۵۹۹۴

(۲) شعب الايمان ۱۳/۴۲۱، رقم: ۵۹۳۷،ذكر مناقب ركانة بن عبد يزيد

عورتوں کی مردوں کے ساتھ مشابہت

اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت دونوں کے حدود اور دائرۂ کار الگ الگ بنائے ہیں دونوں صنفوں میں سے ہر ایک سے جدا جدا اغراض متعلق ہیں اسی لیے شریعت نے بہت سے احکام میں دونوں کے درمیان فرق مراتب رکھا ہے ایک دوسرے کے الگ الگ احکام بیان فرمائے ہیں:

صاحب ہدایہ ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: الذکر والانثی من بني آدم جنسان للتفاوت في الاغراض۔

اور حاشیہ میں ہے: لان المطلوب من العبد الاستخدام خارج البیت کالتجاره والزراعة وغیرهما ومن الامة الاستخدام داخل الدار کالطبخ والکنس والاستفراش والاستیلاء والذین لم یصلح لهما الغلام بالکلیة فکان التفاوت بینهما فاحشا۔ (۱)

ان دونوں میں سے ایک کا اپنی حدود کو توڑ کر دوسرے کے حدود میں قدم رکھنا درحقیقت ان منافع واغراض کو باطل یا ناقص کرنا ہے جو اس کی صنفی وضع وصورت کے ساتھ متعلق ہیں اسی لیے شریعت نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں اسی طرح ان مردوں پر بھی لعنت کی گئی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے: عن عبد الله بن عباسؓ قال لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم المتشبّهین من الرّجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال۔

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی جو عورتوں کی

(۱) ہدایہ مع الحاشیہ ۵۶/۳ کتاب البیوع

مشابہت اختیار کریں اوران عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے۔)

ایک دوسری روایت میں ایسے مردوعورت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے طریقے سے خارج قرار دیا ہے:

عن عبد الله بن عمروؓ قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ليس منا من تشبه بالرجال من النساء ولامن تشبه بالنساء من الرجال۔ (١)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو عورت مردوں کی مشابہت اختیار کرے اور جو مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورت کا مخصوص لباس پہنے اوراس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مرد کا مخصوص لباس پہنے:

عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الله الرجل يلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل۔ (٢)

ترجمہ: حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرد پر لعنت کی جو عورتوں جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی جو مردوں جیسا لباس پہنے۔

---

(١) أخرجه أحمد في مسنده: ١١/ ٩٢ رقم: ٦٨٧٥، مجمع الزوائد: ٨/ ٢١٠٣

(٢) أبو داؤد كتاب اللباس: ٤/ ٦٠رقم ٤٠٩٨، والحاكم في المستدرك: ٤/ ١٩٤، وقال صحيح على شرط مسلم وأقره الذہبی

علامہ مناوی امام نووی کے حوالہ سے اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ صرف مخصوص لباس ہی نہیں بلکہ دونوں صنفوں میں سے ایک کا دوسرے کی مخصوص حرکات وسکنات آواز وانداز اعضاء کی ساخت اور بناوٹ وغیرہ میں تشبہ بھی حرام اور ناجائز ہوگا۔

فيه كما قال النووى حرمة تشبه الرجال بالنساء وعكسه لأنه إذا حرم في اللباس ففي الحركات والسكنات والتّصنع بالأعضاء والأصوات فيحرم على الرجال التشبه بالنساء وعكسه في لباس اختص به المشبه بل يفسق فاعله للوعيد عليه باللعن۔(۱)

ترجمہ: آدمیوں کے عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا اور اس کا برعکس اس وجہ سے حرام ہے جیسا کہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جب لباس میں تشبہ حرام ہے تو حرکات وسکنات آواز وانداز اعضاء کی ساخت اور بناوٹ وغیرہ میں بھی تشبہ حرام اور ناجائز ہوگا۔ لہٰذا مرد کا عورتوں کی اور عورتوں کا مرد کی مشابہت اختیار کرنا کسی ایسے لباس میں جو کہ مشبہ کے ساتھ خاص ہو حرام ہے بلکہ ایسا کرنے والا فاسق کہلائے گا کیونکہ نصوص میں اس پر لعنت وارد ہوئی ہے۔

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ ایک عورت مردانہ جوتہ پہنتی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے جو وضع وغیرہ میں مردوں کی مشابہت اختیار کرے۔

---

(۱) فيض القدير للمناوى: ۵/۲۶۹ حرف اللام رقم: ۷۲۵۷، المكتبة التجارية مصر

عن ابن أبي مليكة قال: قيل لعائشةؓ ان المرآة تلبس النّعل فقالت لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الرُّجلة من النّسائ۔ (۱)

"الرّجلة من النّساء" ابن اثیر نے اس جملہ کی یہ تشریح کی ہے کہ اس سے مردوں کی وضع وہیئت میں مشابہت مراد ہے نہ کہ علم ورائے وغیرہ میں قال الرجلة من النساء: هى التى تتشبه بالرجال فى زيهم وهيأتهم فأمّا فى العلم و الرأى فمحمود ويقال امرأة رجلة اذا تشبهت بالرجال فى الرأي والمعرفة ومنه الحديث إنّ عائشة كانت رجلة الرّأي۔ (۲)

(یعنی وہ عورت مراد ہے جو مردوں کی وضع وہیئت میں مشابہت اختیار کرے، اور رہی علم و ورائے میں مشابہت کی بات تو یہ تو قابل تعریف ہے نہ کہ قابل مذمت، اور امراۃ رجلۃ اس وقت بھی کہا جاتا ہے جب کہ عورت علم ورائے میں مرد کی مشابہت اختیار کرے، اسی سے حدیث "ان عائشة كانت رجلة الراى" میں "رجلۃ" کا معنی یہی ہے۔

حضرت تھانویؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ف: آج کل عورتوں میں اس کا بہت رواج ہوگیا ہے اور بعض تو انگریزی جوتہ پہنتی ہیں جس سے دوگناہ ہوتے ہیں ایک مردوں کی وضع کا دوسرا غیر قوم کی وضع کا۔ (۳)

شریعت نے ایک دوسرے کو اپنی حدود پر کیوں باقی رکھا ہے اور اس حد کو توڑنے سے کیا نقصانات ہوتے ہیں اس کا ہلکا سا نمونہ حکیم الاسلام کی حکیمانہ زبان سے ملاحظہ ہو:

---

(۱) ابو داؤد كتاب اللباس باب لباس النساى: ۴/۶۰رقم۴۰۹۹، و سكت عليه المنذرى فى مختصره (۲) النهاية لابن الاثير: ۲/۲۰۳

(۳) حيات المسلمين روح بست وپنجم ص: ۲۸۳

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے ان عورتوں پر لعنت کی جو مردوں سے اوضاع اطوار میں تشبہ کرتی ہیں، پھر اسی طرح ان مردوں پر جو تشبہ بالنساء کرتے ہیں، کیوں کہ ہر دو صنف کی حدود الگ الگ اور ہر ایک سے اغراض جدا جدا متعلق ہیں اور جب کہ ایک صنف دوسرے سے مشابہت پیدا کر رہی ہے تو گویا اپنی حدود کو توڑ کر دوسرے کی حدود میں قدم رکھ رہی ہے، اور ان منافع ومقاصد کو باطل کرنا چاہتی ہے جو اس کی اسی صنفی صورت سے متعلق تھے، کیوں کہ جب التباس کے سبب متشبہ صنف کی فطری شکل مٹے گی تو اس سے متعلقہ اُغراض بھی فنا ہو جائیں گی۔

دیکھو! آج یورپ کی متمدن دنیا کی معیشت منزلی کا سب سے زیادہ گہرا مرض یہی اختلاط والتباس ہے۔ مغرب کی ایک عورت جو تمام عورتوں کی طرح نوع انسانی کی تکثیر وتربیت کے لیے تھی، جو قلوب کے سکون اور روحوں کی مودت کے لیے تھی اور جو ایک سلیقہ شعار ماں اور ایک عفت آثار بیوی بننے کے لیے پیدا کی گئی تھی، اور جو اس لیے تھی کہ گھر کی چار دیواری کو اس سے زینت ہو اور نظام خانہ داری اس کے دست وبازو کی حرکت پر قائم رہے، آج وہ گھر کا میدان چھوڑ کر جب کہ مردانہ لباس میں کارخانوں، تجارت گاہوں اور ٹکٹ گھروں میں مزدوری تلاش کرنے لگی۔

سڑکوں اور تفریح گاہوں کے لیے آلۂ رونق بننے لگی، اسکولوں اور کالجوں میں مردوں کے دوش بدوش کھڑی ہوگئی، تو انصاف سے بتلاؤ کہ کیا یہ وہی عورت رہی، جس کو نسائیت کے لیے وضع کیا گیا تھا؟ کیا اس میں سے نسوانی خصائص نکل کر کتنے ہی مردانہ خصائل اس میں حلول نہیں کر گئے؟ اور جب ایسا ہوا، تو وہ نہ خالص عورت ہی رہی ورنہ بالکل مرد ہی بن سکی، بلکہ وہ ایک تیسری جنس ہوگئی جس

کو خدا کی فطرت نے نہیں۔ بلکہ انسان کی گمراہی نے پردہ دنیا پر لا کھڑا کیا ہے۔ چناں چہ دیکھ لو کہ اس تیسری قسم کی عورت کے نہ وہ جذبات ہی رہے، جو عورتوں کے لیے قدرت نے صنفی حیثیت سے رکھے تھے، نہ اس کے وہ فرائض ہی رہے جن کے لیے اس کی تخلیق کی گئی تھی، اس کے محسوسات بدل گئے، خیالات میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا، اب نہ اس کا عورتوں کا سا چہرہ ہے، نہ عورتوں کا سا دل۔ اور وہ اپنے قلب و قالب کو چھوڑ کر کسی دوسرے جون میں آ گئی ہے، جو نہ عورت کا ہے نہ مرد کا۔ گویا فطرت نے مرد اور عورت کو دو جنس قرار دینے اور ان میں ہر اعتبار سے تفریق و امتیاز رکھنے میں معاذ اللہ سخت غلطی کی تھی، جس کی اصلاح آج یورپ کے مدبروں نے حریت مساوات کے نام سے کی۔ یہ جونون اور قوالب و قلوب کا بدل جانا یقیناً اسی حد بندی کے توڑ دینے کا نتیجہ ہے، جس کی روک تھام ترک تشبہ نے کی تھی اور بتلایا تھا کہ یہ اختلاط و التباس اگرچہ ملحدوں کی زبانوں سے حریت مساوات کا لقب پائے، پر اسلام کے نزدیک وہ ایک لعنت اور مخرب وجود شے ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت تشدد آمیز لہجے میں اس تشبہ نسائی کا دروازہ بند فرمایا، اور اس پر لعنت فرمائی ہے: لَعَنَ اللّٰهُ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وال

فرمائی ہے: لَعَنَ اللّٰهُ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لبسَةَ الرَّجُلِ۔ (۱)

ترجمہ: خدا کی لعنت ہے اس مرد پر جو عورتوں کا سا لباس پہنے۔ اور اس عورت پر جو مرد کا لباس پہنے۔

(۱) التشبہ فی الاسلام ص: ۵۵-۵۶

الغرض مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے آج کل جو کثرت سے عورتیں مردانہ لباس پہنتی ہیں وہ ممنوع وناجائز ہے اور مذکورہ احادیث میں یہ عورتیں داخل ہیں۔

من تشبہ بقوم فہو منہم کی تحقیق

یہ تو سرسری تلاش کے بعد اس سلسلے میں جو روایات مل سکیں ان کو پیش کر دیا گیا ہے ورنہ ذخیرہ حدیث میں تلاش کرنے والوں کے لیے اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات مل سکتی ہیں ان قرآنی آیات اور فرامین نبوت سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مسئلہ تشبہ کا ماخذ اور اس کی بنیاد کسی ایک حدیث پر نہیں ہے لیکن جدیدیت ونیچریت کے حاملین، اباحیت پسند اور مغربی افکار سے مرعوب حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ مسئلہ تشبہ کا سارا مدار صرف ایک حدیث پر ہے یعنی "من تشبه بقوم فهو منهم" اور بقول ان کے یہ روایت ثابت نہیں اس لیے مسئلہ تشبہ کی پوری عمارت ہی زمیں بوس ہو جاتی ہے، اس جماعت کے سرخیل بانی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سرسید ہیں اور ان کے خوان ہم رنگ کے خوشہ چیں اسی یونیورسٹی کے برج کورس کے ڈائریکٹر جناب راشد شاز صاحب اور اُن کے ہمنوا لوگ ہیں۔

سرسید اپنے مشہور رسالہ تہذیب الاخلاق جلد چہارم، صفحہ ۴۰، بابت ۱۲۹۰ھ پر لکھتے ہیں: "اوّل تو مجھ کو یہ بیان کرنا چاہیے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، نہ روایۃً نہ درایۃً، روایۃً تو اس لیے ثابت نہیں کہ جو سند اس حدیث کی بیان ہوئی ہے اس سے اتصال سند کا رسول خدا تک ثبوت نہیں ہے؛ کیونکہ جو الفاظ روایت کے ہیں ان سے یہ بات لازم نہیں ہے کہ حسان اور ابی منیب کے درمیان

میں اور کوئی راوی نہ ہو پس جبکہ سلسلۂ رواۃ غیر ثابت ہے تو وہ حدیث کی ثقہ ثابت نہیں ہے۔(۱)

اسی طرح راشد شاز صاحب لکھتے ہیں: من تشبه بقوم فهو منهم کی فرضی حدیث اور اس کی خیالی تعبیرات نے صدیوں سے اسلام کو ایک عرب تہذیبی اکائی کے طور پر متعارف کرا رکھا ہے واقعہ یہ ہے کہ مکانی فاصلوں کے سکڑنے کی وجہ سے اب یہ مفروضات خود بہ خود ختم ہو رہے ہیں، کل تک جو بات فقہاء حنابلہ، فقہاء احناف کے لیے سمجھنا مشکل تھی اور جس کی وجہ سے تہذیبی مظاہر کی بنیاد پر کفر و اسلام کے فتوے صادر کرنے کا رواج عام تھا آج وہی بات نئی سکڑتی دنیا میں قرآن کے معمولی طالب علم کے لیے بھی سمجھنا آسان ہوگئی ہے کہ تہذیبی مظاہر یا لباس کی بنا پر کفر و اسلام کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔(۲)

اس حدیث کو ''فرضی حدیث'' قرار دینا یا روایۃ و درایۃ عدم ثبوت کا دعوی کرنا یقیناً حدیث اور فن حدیث سے ناواقفیت و جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے ذیل میں ہم اس حدیث کی روایۃً قدرے تحقیق پیش کرتے ہیں۔(۳)

---

(۱) بحواله اسلامی تہذیب وتمدن ص: ۲۳۰-۲۲۹، مطبوعه: دار الکتاب

(۲) مستقبل کی بازیافت راشد شاز: ص۳۰-۲۹

(۳) درایتی تحقیق اور سرسید کے مزید اعتراضات کے جوابات کے لیے دیکھیے حکیم الاسلام قاری طیبؒ صاحب کی تصنیف لطیف، اسلامی تہذیب وتمدن ص: ۲۳۲

حدیث کی تخریج

عن عبد الله بن عمرؓ مرفوعا: بعثت بین یدی الساعة بالسیف حتی یعبد الله وحده لا شریک له وجعل رزقي تحت ظل رمحی وجعل الذلة والصغار علی من خالف أمری ومن تشبه بقوم فهو منهم۔ (۱)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کا درمیانی جملہ "وجعل رزقي تحت ظل رمحی وجعل الذلة والصغار علی من خالف أمری" تعلیقاً ذکر کیا ہے۔(۲)

اور اس حدیث کا آخری جملہ یعنی "من تشبه بقوم فهو منهم" مستقلاً امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔(۳)

(۱) مکمل یہ روایت الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ کتب مشہورہ میں ہے:

سنن سعید بن منصور ۲/۱۴۳، باب من قال الجہاد ماض إلخ: رقم: ۲۳۷۰/مصنف ابن ابی شیبه:۱۲/۳۵۱،رقم: ۱۳۰۶۲ تحقیق مختار الندوی، مطبوعة دار سلفیه / مسند أحمد: ۲/۵۰ رقم: ۵۱۱۴، مسند عبد الله بن عمرؓ مطبوعة: مؤسسة قرطبة القاہرة / مسند عبد بن حمید: ۲/۴۶۷ رقم: ۸۵۰، باب بعثت بین یدی الساعة الخ/ مشکل الآثار للطحاوی: ۱/۲۳۸، رقم: ۱۹۸، باب بعثت بین یدی الساعة إلخ/ اخبار اصفہان لأبي نعیم: ۲/۸۵، رقم الحدیث: ۴۸۷، باب أحمد بن محمود بن صبیح إلخ، أحادیث في ذم الکلام وأبله: ۳/۱۱۹، رقم: ۴۶۵، الباب العاشر میں موجود ہے۔

(۲) البخاری کتاب الجهاد باب ما قیل فی الرّماح: ۱۰/۳۹۳، باب: ۸۸، وزارة الأوقاف المصریة

(۳) ابو داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشّهرة: ۴/۴۴،رقم:۴۰۳۱

امام ابوداؤد نے اس ٹکڑے کو حضرت ابن عمر سے ہی نقل کیا ہے، اسی طرح مستقلا اس جملے کو طبرانی نے اپنے اوسط میں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے نقل کیا ہے۔(۱)

حدیث کے طرق:

مذکورہ حدیث متعدد طرق سے کتب حدیث میں مذکور ہے ذیل میں اختصار کے ساتھ کچھ طرق اور ان کے درجات بیان کیے جاتے ہیں تاکہ اس حدیث کو فرضی اور غیر ثابت قرار دینے والوں کے دعوے کی حقیقت آشکارا ہو جائے۔

پہلا طریق

عن ابی النظر عن عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان عن حابن بن عطية عن ابی منیب الرتشی عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخاس سند کے ساتھ مکمل روایت مسند عبد بن حمید مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد میں موجود ہے اور اسی سند کے ساتھ حدیث کا آخری ٹکڑا "من تشبه بقوم فهو منهم" ابوداؤد میں مذکور ہے اس سند کے جملہ رواۃ اعلیٰ درجے کے ثقہ ہیں البتہ عبدالرحمن بن ثابت بن ثوبان کے بارے میں اگرچہ بعض حضرات نے کلام کیا ہے لیکن محدثین کی ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے توثیق کرنے والوں میں ابو حاتم ،دحیم ،فلاس ،ابن حبان، ابوداؤد، ابوزرعہ ابن معین سر فہرست ہیں۔(۲)

(۱) المعجم الأوسط للطبراني باب من بقية من اسمه ميم الخ: ۱۸/۱۴۰رقم ۸۵۶۲

(۲) دیکھیے: الجرح والتعديل لأبي حاتم ۵/۲۱۹، دارالكتب العلمية بيروت / ميزان الاعتدال للذہبي:۲/۵۵۱، دار احياء الكتب العربية بيروت

علامہ ابن تیمیہ اس سند کے ساتھ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هذا اسناد جيّد فإن ابن أبى شيبة وأبا النظر وحسّان بن عطية مشاہير أجلاء من رجال الصّحيحين وهم أجلّ من أن يقال هم من رجال الصحيحين۔ (۱)

(یعنی اس روایت کی سند عمدہ ہے، کیونکہ ابن ابی شیبہ، ابوالنظر اورحسان بن عطیہ صحیحین کے جلیل القدر اور مشہور رجال میں سے ہے، بلکہ ان کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ انہیں صحیحین کے رجال کہن دینا ان کا مکمل مرتبہ ظاہر نہیں کرتا۔)

علامہ عراقیؒ نے تخریج احیاء میں اور علامہ احمد شاکرؒ نے مسند احمد کی تعلیق میں اس سند کو "سند صحیح" قرار دیا ہے۔(۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن حبان کے حوالہ سے اس سند کی تصحیح نقل کی ہے بلوغ المرام میں روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں أخرجه ابوداؤد وصححه ابن حبان۔(۳)

بلکہ محقق البانی جیسے متشدد حضرات نے بھی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے:

حديث من تشبه بقوم فهو منهم أخرجه أحمد وعبد بن حميد، وابن أبي شيبه وأبو سعيد بن الأعرابى فى المعجم والهروى فى ذم الكلام عن عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان ثنا حسّان بن

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم: ۱/۲۳۶،ط: دارالكتب العلميه بيروت

(۲) دیکھئے: مسند احمد تعليق احمد شاكر: ۷/۱۲۱، رقم: ۵۱۱۴/ المغني عن حمل الأسفار فى الأسفار في تخريج ما فى الإحياء من الأسفار للحافظ زين الدين العراقى مطبوع بهامش الإحياء: ۲/ ۶۳،دارالمعرفة بيروت

(۳) ابوداؤد نے اس راویت کی تخریج کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ بلوغ المرام باب الزھد والورع: ۱/ ۵۷۶، رقم ۱۴۷۱

عطية عن ابی منیب الجرشی عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ. قلت وهذا اسناد حسن رجاله کلهم ثقات غیر ابن ثوبان هذا ففیه خلاف۔ (۱)

ترجمہ: حدیث "من تشبہ بقوم" کی تخریج امام احمد، عبد بن حمید، ابن ابی شیبہ نے اور ابن اعرابی نے معجم میں اور ہروی نے ذم الکلام میں کی ہے، اس کی سند یہ ہے، عبد الرحمن بن ثابت فرماتے ہیں ہمیں حسان بن عطیہ نے ابی منیب الجرشی کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ الخ، میں کہتا ہوں یہ سند حسن درجہ کی ہے، اس کے تمام رجال ثقہ ہیں سوائے ابن ثوبان کے کہ ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

الغرض اس سند کے ساتھ یہ روایت صحیح ہے اور حسن درجہ سے کم بالکل نہیں ہے جیسا کہ ائمہ فن کے مذکورہ نقول سے واضح ہے اگر تشبہ پر اس کے علاوہ اور کوئی روایت نہ ہوتی تب بھی یہ روایت تشبہ کا عام و تام قانون بننے کے لیے کافی تھی کیوں کہ حسن درجہ کی روایت قابل احتجاج ہوتی ہے، جب کہ وہ قرآن کریم کی آیات سے بھی مؤید ہو، اور سید صاحب کا یہ شوشہ کہ حسان اور ابی منیب کے درمیان انقطاع ہے محض ظن وتخمین پر مبنی ہے۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

أما ابو منیب الجرشی فقال فیه أحمد بن عبد الله العجلی هو ثقة وما علمت احدا ذکره بسوء وقد سمع منه حسان بن

(۱) ارواء الغلیل: ۵/۱۰۹، کتاب الجهاد المکتبة الاسلامي بیروت

عطية وقد احتجّ الامام احمد وغيره بهذا الحديث۔ (۱)

ترجمہ: ابومنیب الجرشی کے متعلق احمد بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں، اور میرے علم کے مطابق کسی نے بھی ان کا برائی کے ساتھ تذکرہ نہیں کیا ہے، اور حسان بن عطیہ کو ان سے سماع حاصل ہے، نیز امام احمد وغیرہ نے اس حدیث سے استدلال بھی کیا ہے۔

لہٰذا اس پر انقطاع کا شبہ بے محل ہے اور ابن تیمیہؒ کے اثبات سماع کے مقابلہ میں سید صاحب کے انقطاع سماع کی کیا وقعت رہ جاتی ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کے احتجاج کے مقابلہ میں شاز صاحب کا فرضی حدیث قرار دینا کیا اہمیت رکھتا ہے درحقیقت یہ صرف حدیث کے خلاف اغراض ہونے کی وجہ سے کلام نبوت کو اپنی رائے اور چاہت پر قربان کرنا ہے۔ (أعاذنا اللہ منہ)

دوسرا طریق

عن صدقه عن الأوزاعی عن یحی بن ابی کثیر عن ابن سلمة عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم الخ۔

ترجمہ: اس سند کے ساتھ یہ روایت علامہ ہروی کی ذم الکلام میں موجود ہے عمرو بن ابی سلمۃ عن صدقۃ کے طریق سے ہے اس سند کے بھی جملہ راوی ثقہ ہیں البتہ صدقہ بن عبد اللہ السمین ضعیف ہیں۔

صدقة بن عبد الله السمين ابو معاويه او ابو محمد الدمشقی ضعيف من السابعة۔ (۲)

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم: ۱/۲۱۳،الباب التشبه مفهومه ومقتضاه دار عالم الکتب مصر
(۲) تقریب التہذیب: ۱/۴۳۶، ط بیروت

لیکن ایک مرسل روایت اس کی شاہد ہے جو عیسی بن یونس عن الأوزاعی الخ کے طریق سے منقول ہے جسے حافظ نے فتح الباری میں ذکر کرنے کے بعد سند پر حسن کا حکم لگایا ہے۔(۱)

لہٰذا مذکورہ روایت کے ضعف کا تدارک اس مرسل روایت سے ہو جائے گا، پھر یہ کہ اس مضمون کی روایت مختلف طرق سے منقول ہے اور کثرت طرق سے ضعف یسیر ختم ہو جاتا ہے۔

تیسرا طریق

حدّثنا بشر بن الحسین الأصفهانی حدثنا الزبیر بن عدی عن أنس بن مالک مرفوعا الخ۔

اس سند کے ساتھ روایت علامہ ہروی کی ذم الکلام اور ابونعیم کی اخبار اصفہان میں موجود ہے، اس سند میں ایک راوی بشر بن الحسین متروک ہے میزان الاعتدال میں ہے:

قال البخاری فیه نظر وقال الدار قطنی متروک وقال ابن عدی عامة حدیثه لیس بمحفوظ۔ (۲)

ترجمہ: امام بخاری فرماتے ہیں: اس میں نظر ہے، اور دار قطنی فرماتے ہیں یہ متروک راوی ہے، ابن عدی فرماتے ہیں ان کی اکثر احادیث محفوظ نہیں ہیں۔

---

(۱) فتح الباری: ۶/۹۸

(۲) میزان الاعتدال للذهبي ۱/۳۱۵، رقم:۱۱۹۲، دار الکتب العلمیة بیروت

چوتھا طریق

قال الطبرانی عن ابن زکریا عن محمد بن مرزوق عن عبد العزیز بن خطاب عن علی بن غراب عن ہشام بن حسان عن ابن سیرین عن ابی عبیدة عن حذیفة الخ۔ (۱)

اس سند کے ساتھ روایت طبرانی کی معجم اوسط میں ہے اس سند کے بھی جملہ راوی ثقہ ہیں البتہ علی ابن غراب کی بعض حضرات نے توثیق کی ہے اور بعض نے تضعیف علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں: وفیہ علی بن غراب وقد وثقہ غیر واحد وضعفہ بعضھم وبقیۃ رجالہ ثقات۔ (اس روایت میں علی بن غراب ہیں جن کی اکثر حضرات نے توثیق کی ہے اور بعض ان کو ضعیف کہتے ہیں، اس رویت کے بقیہ تمام رجال ثقہ ہیں۔)

لہذا یہ روایت بھی درجۂ حسن سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

الغرض حدیث من تشبہ بقوم فہو منہم مختلف طرق سے منقول ہے صحابہ اور سلف نے اس روایت سے استدلال کیا ہے اسے فرضی حدیث یا غیر ثابت قرار دینا یقیناً دن کو رات کہنے اور مسلمہ حقائق کے انکار کے مترادف ہے۔

(۱) مجمع الزوائد: ۱۰/۲۷۱

تشبہ اور سلف

قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی ان ہدایات پر صحابہ کرام ،تابعین، اتباع تابعین،ائمہ مجتہدین اور علماء امت نے اس طرح عمل کر کے دکھلایا اور اسلامی خصائص ومذہبی امتیازات کے تحفظ میں ایسی مستعدی دکھلائی کہ کلیات تو کلیات جزئیات تک کا تحفظ کیا اور معمولی معمولی چیزوں میں امت کو تشبہ بالاغیار سے بچایا خدانخواستہ اگر وہ حضرات بھی آج کل کی اصطلاحی رواداری، روشن خیالی،فراخ دلی اور وسیع المشربی سے کام لیتے اور ''صلح کل'' کے اصول پر عمل پیرا ہوتے تو شاید اسلامی خصائص اور قومی امتیازات صحیح شکل میں ہم تک نہ پہونچ پاتے اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ نے نہایت قوت سے کام لیا ہے اور مسلمانوں کو قومی ومذہبی خصائص پر عمل کرنے کے سلسلے میں بڑی شدت سے ابھارا ہے آپ نے آذر بائیجان کے حاکم عتبہ بن فرقد کے نام جو خط بھیجا ہے وہ اس کا واضح ثبوت ہے اس خط کو علامہ ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں اور علامہ ابن القیم نے الفروسیۃ میں نقل کیا ہے اور محدث برہان پوری نے کنز العمال میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

عن أبي عثمان النّهدي قال أتانا كتاب عمر بن الخطاب ونحن بآذر بائيجان مع عتبة بن فرقد أما بعد! فاتزروا وانتعلوا وارموا بالخفاف والقوا السراويلات وعليكم بلباس أبيكم اسماعيل وإيّاكم والتّنعّم وزي العجم وعليكم بالشّمس فإنّها حمّام العرب وتمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا واقطعوا الرّكب وارموا الأغراض وانزوا نزوا۔ (۱)

(۱) كنز العمّال: ۱۵/ ۴۷۲،رقم:۴۱۸۷۰، دار الكتب العلمية بيروت

یعنی اے لوگو! ازار اور چادر کا استعمال کرو۔ چپل پہنو، خف اور پاجاموں کے پابند مت بنو، اپنے جد اعلیٰ اسماعیل علیہ السلام کا لباس اپنے لیے ضروری سمجھو، ترفہ اور ناز ونعمت سے بچو، اور ہرگز عجمیوں کی ہیئت ومشابہت مت اختیار کرو، حمام کی ضرورت ہو تو دھوپ کو کافی سمجھو، یہی عرب کا حمام ہے، اہل عجم کی مشابہت مت اختیار کرو، کھردرا کپڑا پہنو، پھٹے پرانے سے پرہیز نہ کرو، سواری کرتے رہو، نشانہ بازی کو اپنا شعار بناؤ، کود پھاند اور بھاگ دوڑ جاری رکھو۔

قوله: تمعددوا، تمعدد الغلام إذا شبّ وغلظّ والمراد دعوا التّنعّم وزي العجم۔ (١)

(یعنی تمعدد الغلام اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ بچہ جوان ہو جائے، اور مطلب یہ ہیکہ ناز ونعمت اور عجمیوں کے طریقہ سے بچتے رہنا۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ خط علامہ ابن القیم نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عجمیوں کی مشابہت اور وضع قطع میں ان کی ہیئت اختیار کرنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ ظاہری موافقت باطنی میلان تک پہنچا دیتی ہے جیسا کہ شرعا عقلا اور مشاہدۃً یہ

(١) النّهاية لابن الأثير:٤/٣٤٢) "واخشوشنوا" إذا لبس الخشن ("واخشوشنوا" کھردرا کپڑا پہننے کے معنی میں ہے) (النّهاية:٢/٣٥) "واخلولقوا" أصل الخلق التّقدير قبل القطع من اخلاق الثّوب وتقطيعه ("واخلولقوا" کا اصل معنی ہے، کپڑے کو کاٹنے سے پہلے اسے ناپنا) النّهاية:٢/٧١، قوله "وانزوا" نزوت على الشّيء نزوا إذا وثب عليه ("وانزوا" نزوت على الشىء اس وقت استعمال ہوتا ہے جب وہ اس چیز پر کودے) النہاية: ٥/٤٤۔

بات ثابت ہے، لہٰذا وضع قطع میں عجمیوں کی موافقت کا مطلب اسلامی خصائص و امتیازات کا مٹانا اور محو کرنا ہوگا؛ اس لیے آپ نے منع فرمایا۔

قوله وإياكم والتّنعّم وزي العجم ...... وأمّا زي العجم فلأنّ المشابهة في الزي الظّاهر تدعوا إلى الموافقة في الهدي الباطن كما دلّ عليه الشّرع والعقل والحسّ ولهذا جائت الشّريعة بالمنع من التشبّه بالكفّار والحيوانات والشياطين والنّساء والأعراب وكلّ ناقص۔ (١)

"واياكم والتنعم وزى العجم" میں زی العجم یعنی عجمیوں کے طریقہ سے اس لیے روکا گیا ہیکہ ظاہری طور وطریق میں مشابہت اختیار کرنے سے باطنی طور وطریق کی راہیں بھی کھل جاتی ہیں، اور اس بات پر شریعت اور عقل وحس بھی گواہ ہیں، اسی وجہ سے شریعت مطہرہ میں کفار، حیوانات، شیاطین، عورت، دیہاتی بلکہ ہر ناقص چیز کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو کفار کی وضع وہیئت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہو بلکہ ساتھ ہی ساتھ اپنے قلم رو اور تمام ممالک اسلامیہ میں یہ فرمان بھی جاری کر دیا کہ خود اہل ذمہ کفار ومشرکین یہود و نصاریٰ وغیرہ مسلمانوں کی ہیئت ومشابہت اختیار نہیں کریں گے نہ مذہبی اعتبار سے نہ معاشرتی اور تمدنی اعتبار سے چنانچہ اہل ذمہ سے بہ طور شرائط جو عہد لیا گیا تھا وہ سیاست فاروقی اور منع تشبہ بالغیر کا آئینہ دار ہے۔

ذیل میں ابن تیمیہؒ کی اقتضاء الصراط المستقیم سے وہ عہد نامہ نقل کیا جاتا ہے:

أن نوقّر المسلمين ونقوم لهم من مجالسنا إذا أرادوا

(١) الفروسية، ص: ١٢٠، كتاب عمر رضى الله عنه لعتبة بن فرقد إلخ

الجلوس ولا نتشبّه بهم في شيء من لباسهم قلنسوة أو عمامة أو نعلين أو فرق شعر ولا نتكلّم بكلامهم ولا نكتني بكناهم ولا نركب السّروج ولا نتقلّد السّيوف ولا نتّخذ شيئا من السّلاح ولا نحمله ولا ننقش خواتيمنا بالعربية ولا نبيع الخمور وأن نجزّ مقادم رؤوسنا وأن نلزم زيّنا حيث ما كان وأن نشد الزّنانيز وأن لا نظهر الصّليب على كنائسنا ولا نظهر صليبًا ولا كتبا في شيء من طرق المسلمين ولا أسواقهم ولا نضرب بنواقيسنا فى كنائسنا إلاّ ضربًا خفيّا ولا نرفع أصواتنا مع موتانا ولا نظهر النيران معهم في شيء من طرق المسلمين۔ (١)

ترجمه: ہم مسلمانوں کی توقیر کریں گے اگر مسلمان بیٹھنا چاہیں گے تو ہم اپنی مجلسوں سے اٹھ جائیں گے ہم کسی بھی چیز میں مسلمانوں سے تشبہ اختیار نہیں کریں گے، خواہ ٹوپی ہو یا عمامہ، جوتے ہوں یا سر کی مانگ، نہ ہم ان کا سا کلام کریں گے، نہ ان کی سی کنیت رکھیں گے، نہ ہم زین پر گھوڑے کی سواری کریں گے، نہ تلوار لٹکائیں گے، نہ ہتھیار بنائیں گے، نہ ہتھیار رکھیں گے، اپنی انگوٹھیوں کے نقش عربی میں کندہ نہ کرائیں گے، شراب کی تجارت نہ کریں گے، سر کے اگلے حصے کے بال کٹوا دیں گے، ہم جہاں بھی رہیں گے اپنی ہی وضع وہیئت پر رہیں گے، اپنی کمروں پر زنار باندھے رہیں گے، اپنے گرجوں میں صلیب کو بلند نہ کریں گے، مسلمانوں کے راستوں اور بازاروں

---

(١) اقتضاء الصّراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم: ١/١١٨، دار صادر بيروت

میں اپنی کتاب اور صلیب کو ظاہر نہ کریں گے، ہم اپنے گرجوں میں ناقوس نہایت ہلکی آواز سے بجائیں گے، اپنے مردوں کے ساتھ آواز نہ بلند کریں گے، مردوں کے ساتھ مسلمانوں کے راستے میں آگ نہ لے جائیں گے۔

اس فاروقی فرمان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اہل ذمہ کو مذہب و معاشرت دونوں میں مسلمانوں سے بالکل ممتاز اور جدا کر دیا؛ تاکہ حق و باطل کو اس کی اصلی صورت پر رکھا جا سکے، اور دونوں میں خلط ملط نہ ہو، آپ نے اپنی قلمرو اور بلاد اسلامیہ میں ایک عام فرمان یہ بھی جاری کیا کہ اہل ذمہ مسلمانوں کی طرح لباس نہ پہنیں تاکہ التباس نہ ہو اور ہر قوم اور مذہب کی الگ الگ شناخت ہو۔

روى الحافظ أبو الشّيخ الأصبهاني بإسناده في شروط أہل الذّمّة عن خالد بن عرفطه قال كتب عمرؓ الى الأمصار أن تجز نواصيهم يعني النّصارى وأن لا يلبسوا لبسة المسلمين حتّى يعرفوا۔ (أيضًا)

ترجمہ: حافظ ابوالشیخ الاصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ شروط اہل الذمہ میں خالد بن عرفطہ کے واسطہ سے یہ نقل کیا ہیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام شہروں میں خط لکھ کر روانہ کیا، جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ نصاری کے پیشانی کے بال کاٹ دیے جائیں اور وہ مسلمانوں کی طرح لباس نہ پہنیں تاکہ پہچان میں آسکیں۔

حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ریشم کا لباس پہنے ہوئے اور گدی کے بال تراشے ہوئے دیکھا تو آپ نے یہ حدیث پڑھی: من تشبّه بقوم فهو منهم۔

عن قتادة أنّ عمر بن الخطّاب رأى رجلاً قد حلّق قفاه ولبس حريرًا فقال من تشبّه بقوم فهو منهم۔ (۱)

ترجمہ: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے گدی کے بال کٹائے ہوئے ہیں اور ریشم کا لباس پہنے ہوئے ہے تو آپ نے فرمایا: جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا تعلق اسی سے ہوگا۔

محمد ابن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت حذیفہؓ کو ایک گھر میں بلایا گیا آپ جب وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں کفار عجم کے مخصوص طور طریقے دیکھے یعنی ان خاص برتنوں کو وہ استعمال کرتے تھے، اس طرح کے برتن وغیرہ وہاں موجود تھے، آپ اُلٹے پاؤں وہاں سے تشریف لے آئے، اور فرمایا جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے اس کا شمار انہیں میں ہوتا ہے۔

عن محمّد بن سيرين أنّ حذيفة ابن اليمان أتى بيتًا فيه أباريق الصفر والرّصاص فلم يدخل وفى رواية اخرى فرأى شيًا من زي العجم فخرج وقال من تشبّه بقوم فهو منهم۔ (۲)

---

(۱) مصنّف عبد الرزّاق: ۱۱/ ۴۵۴، رقم:۲۰۹۸۶

(۲) اقتضاء الصّراط مستقم: ۱/۲۷۹، ط: بيروت

حضرت عکرمہ سے منقول ہے کہ ابن عباسؓ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا میں پچھنا لگوا سکتا ہوں؟ آپؓ نے فرمایا لگا سکتے ہو لیکن ستر عورت کا خیال رکھنا اور مشرکین کا طریقہ مت اپنانا۔

عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال: سأله رجل احتقن قال لا تبد العورة ولا تستنّ بسنّة المشرکین۔ (أیضًا)

حضرت انسؓ کے پاس ایک بچہ لایا گیا اس کے سر پر دو چوٹیاں تھیں، آپؓ نے فرمایا اسے ختم کردو یہ یہود کا شعار ہے۔

دخلنا علی انس بن مالکؓ فحدثنی أخي المغیرة قال وأنت یومئذٍ غلام ولک قرنان أوقصتان فمسح رأسک وبرّک علیک وقال احلقوا ھذین أو قصوھما فإن ھذا زي الیھود۔

(یعنی ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو میرے بھائی مغیرہ نے مجھے ایک حدیث سنائی اور کہا کہ تم اس وقت بچے تھے اور تمہاری دو چوٹیاں تھیں، تو حضرت نے تمہارے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور تمہیں برکت کی دعا دی، پھر فرمایا: ان چوٹیوں کو کاٹ دو یا چھوٹا کردو کیونکہ یہ یہود کا شعار ہے۔)

حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ قبر کو زیادہ اونچی کرنا یہود و نصاری کا عمل ہے، لہٰذا ان کی مشابہت سے بچو۔

عن أبي مجلز أن معاویة قال إن تسویة القبور من السّنّة وقد رفعت الیھود والنّصاری فلا تشبھوا بھم۔

ترجمہ: ابو مجلز فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے فرمایا: قبروں کو زمین کے برابر رکھنا سنت ہے، اور یہود و نصاری قبروں کو اونچا

کرتے ہیں، لہٰذا تم بھی قبروں کو اونچا کر کے ان کی مشابہت مت اختیار کرنا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ آپ نے محراب کے اندر گھس کر نماز پڑھنے کو اہل کتاب کا خاص شعار قرار دیا ہے اور اس طرح نماز پڑھنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔

عن ابن مسعود أنه كان يكره الصلاة في الطّاق وقال إنّه فى الكنائس فلا تشبّهوا بأہل الكتاب۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ محراب میں گھس کر نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے اور فرماتے کہ اس طرح اہل کتاب اپنے کنیسوں میں کرتے ہیں، اس لیے تم ان کی مشابہت مت اختیار کرو۔

جس طرح صحابہ کرام نے منع تشبہ کے اصول کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور اس اصول پر غیر مداہانہ طور پر کاربند رہے اسی طرح تابعین واتباع تابعین او رائمہ مجتہدین نے بھی اسی روش کو اختیار کیا بطور نمونہ جلیل القدر تابعی عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا طرز عمل پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے کس شدت اور سختی کے ساتھ اس اصول پر عمل فرمایا ہے، ذیل کا واقعہ اس کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس کچھ نصاریٰ عربوں کی ہیئت اور وضع قطع میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے امیر المومنین ہمیں عربوں میں شامل کر لیجیے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پوچھا کیا تم عرب نہیں ہو، انہوں نے کہا ہم نصاری ہیں آپ نے اسی وقت قینچی منگائی اور ان کی پیشانی کے بال کاٹ دیے، عمامے اتروا

(۱) یہ سب آثار (اقتضاء الصراط المستقیم:۲۸۲-۱/۲۷۹، ط: دارالصادر بیروت) سے لیے گئے ہیں۔

دیے اور زنار باندھنے کا تاکیدی حکم دیا۔

عن محمّد بن قيس وسعد بن عبد الرحمن بن حبّان قالا دخل ناس من بنى تغلب على عمر بن عبد العزيز وعليهم العمائم كهيئة العرب فقالوا يا أمير المومنين الحقنا بالعرب قال فمن انتم قالوا نحن بنو تغلب قال أو لستم من أوسط العرب؟ قالوا نحن نصارى قال عليّ بجلم۔ (۱)

فأخذ من نواصيهم والقى العمائم وشقّ رداء كلّ واحد شبرًا يحتزم به وقال ولا تركبوا السّروج واركبوا على الأكف ودلّوا رجليكم من شقّ واحد۔ (۲)

ترجمہ: محمد بن قیس اور سعد بن عبد الرحمن فرماتے ہیں: بنی تغلب کے کچھ افراد حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس آئے، انھوں نے عرب کے طریقہ پر عمامہ باندھا ہوا تھا، انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! ہمیں بھی عرب میں شامل کر لیجئے، آپ نے فرمایا: تم اہل عرب نہیں ہو تو کون ہو، انھوں نے کہا ہم بنو تغلب سے ہیں، آپ نے کہا تو کیا تم عرب نہیں ہو؟ انھوں نے کہا نہیں ہم نصرانی ہیں، آپ نے فرمایا: میرے پاس 'جلم' لایا جائے ۔("جلم" قینچی کی طرح ایک آلہ ہے جس سے بال وغیرہ کاٹے جاتے ہیں) پھر آپ نے ان کی پیشانی کے بال کاٹ دیے، عمامے اتروا دیے، ان کے چادر میں سے ایک بالشت کٹوا دیا اور فرمایا زینوں پر سوار مت ہونا بلکہ ایک طرف پیر لٹکا کر بیٹھو۔

(۱) الجلم هو ما يجزّ به الشّعر ونحوه وهو آلة كالمقصّ مختار الصّحاح مادّة ج. ل. م. ص: ۱۰۸

(۲) اقتضاء الصّراط المستقيم، ألوجه الأوّل من دلالة الإجماع: ۱/۲۸۴ بيروت

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ صاحب اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں، اس فرمان سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں، جن کا اہتمام اپنے عہد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا ایک امتیاز اور قطع مشابہت کہ مسلمان اور نصرانی باہم ممتاز رہیں ...... دوسرے یہ کہ اس تمیاز اور قطع تشبہ سے جہاں انہوں نے اسلام کی شوکت قائم کی وہیں کفر کی شوکت کو بھی پست کر دیا۔(۱)

الغرض حضرات صحابہ کرام تابعین اور اتباع تابعین وائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے دور میں اسلامی امتیاز اور قومی و مذہبی خصائص کے بقاء وتحفظ پر بہت زور دیا ہے اور حق و باطل میں خط امتیاز قائم رکھا ہے ان کی اسی تنگ نظری (نیچریت کی اصطلاح میں) اور صلابت فی الدین سے آج مسلمانوں کے قومی و مذہبی خصائص زندہ ہیں اور امت مسلمہ اپنے امتیازی شان کے ساتھ باقی ہے۔

(۱) اسلامی تہذیب وتمدن ص: ۹۲-۹۳،مطبوعہ دارالکتاب دیوبند

تشبہ اور مذاہب اربعہ

اتباع تابعین سے ارباب اجتہاد ائمہ اربعہ کا دور شروع ہوجاتا ہے مذاہب اربعہ میں بھی تشبہ بالغیر سے پوری شدت کے ساتھ روکا گیا اور جس طرح صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں اس کی اہمیت تھی مذاہب اربعہ نے بھی اسی طرز اور روش کو اختیار کیا، ذیل میں اختصار کے ساتھ ہر مذہب کی معتبر کتب سے کچھ تصریحات نقل کی جاتی ہیں۔

مالکیہ

مالکیہ کے یہاں تشبہ بالغیر سے روکنے پر بہت زور دیا گیا ہے ابن تیمیہ نے بعض مالکیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کفار کے مخصوص تہواروں میں ایک بطخ ذبح کرنا مسلمان کے لیے خنزیر ذبح کرنے سے بدتر ہے۔ قال بعض أصحاب مالک من ذبح بطيخة فی أعيادهم فكأنّما ذبح خنزيرا۔ (۱)

بلکہ اگر کسی مسلمان نے بلاجبر واکراہ کفار کے مذہبی شعائر کو اختیار کیا تو ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے مالکیہ کی مشہور کتاب مختصر خلیل میں ہے:

الردة كفر المسلم بصريح أولفظ يقتضيه أوفعل يتضمّنه كإلقاء مصحفٍ بقذر وشدّ زنّار وسحر وقول بقدم العالم إلخ۔ (۲)

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم: ۱/۳۰۳ الوجه الثالث فی تقرير الاجماع

(۲) مختصر خليل: ۱/۲۵۱، باب فی الردة قاهرة

ترجمہ: ارتداد کے معنی کسی مسلمان شخص کا صراحتا کفر کرنا یا کوئی ایسی بات کہنا جو مقتضائے کفر ہے یا کوئی ایسا عمل کرے جس سے کفر لازم آئے مثلاً قرآن کریم کو گندگی میں پھینک دینا، زنار باندھنا، جادو کرنا اور اس عالم فانی کو قدیم کہنا۔

البتہ علامہ دردیر نے الشرح الکبیر میں کفار کے مذہبی شعائر اختیار کرنے پر کافر ہونے کو اس شرط کے ساتھ مقید کیا ہے کہ یہ اختیار کرنا اس فعل کو اچھا سمجھ کر اور فاعل کی طرف قلبی میلان ورکون کے ساتھ ہو ورنہ اگر تمسخر یا کھیل کود کے طور پر ہو تو کفر کا حکم اگر چہ نہیں لگایا جائے گا؛ لیکن اس فعل کی حرمت میں کوئی شک نہیں ہے۔فرماتے ہیں:

قوله "وشدّ زنّار" بضم الزاى وتشديد النون حزام ذو خيوط ملونة يشدّ به الذمّى وسطه ليتميّز به عن المسلم والمراد به ملبوس الكافر الخاصّ به اى إذا فعله حبًّا فيه وميلاً لأهله وأمّا إن لبسه لعبًا فحرام وليس بكفر۔ (١)

ترجمہ: "شد زنار" میں زنار زاء کے ضمہ اور نون کے تشدید کے ساتھ ہے، جو چند رنگین رسیوں کا جوڑا ہوتا ہے، جسے ذمی شخص اپنی کمر میں باندھتا ہے، تاکہ مسلمانوں سے ممتاز ہو جائے، اور زنار سے ہر ایسا لباس مراد ہے جو کفار کا شعار اور ان کے ساتھ خاص ہو، اور یہ کفر اس وقت ہے جبکہ اس فعل کو اچھا سمجھ کر اور فاعل کی طرف قلبی میلان ورکون کے ساتھ کرے، ورنہ اگر کھیل کود کے طور پر ہو گر چہ کفر نہیں ہے لیکن حرام تو ہے ہی۔

---

(١) الشرح الكبير للشيخ الدردير: ٣٠١/٤، باب في الردة واحكامها

اسی طرح حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر میں ہے: وشدّ زنّار أي لبسه میلاً لکفر لا لعبًا فحرام۔ (زنار باندھنا یعنی اسے پہننا اگر کفر کی طرف میلان کو ساتھ ہو نہ کہ کھیل کود کے طریقہ پر تو حرام ہے۔)(۱)

حنابلہ

فقہاء حنابلہ نے بھی کفار کے مخصوص شعائر کو اختیار کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ الفروع لابن المفلّح میں ہے:

من تزی بذی کفر من لبس غیار، وشدّ زنّار وتعلیق صلیب بصدرہ حرم ولم یکفر۔ (۲)

ترجمہ: کفار کے طور وطریق کو اپنانا مثلاً غیار اور زنار کا پہننا، اور اپنے گلے میں صلیب باندھنا یہ حرام ہے نہ کہ کفر۔

اسی طرح کی بات کشاف القناع میں بھی ہے۔(۳)

شوافع

حضرات شوافع نے بھی تشبہ بالغیر کی حرمت کی صراحت کی ہے، بلکہ حافظ ابن حجر نے یہ صراحت کی ہے کہ کفار کے مذہبی شعائر کو اختیار کرنا اگر ان کے مذہب سے راضی ہو کر یا قلبی میلان کے طور پر یا دین اسلام کے استخفاف کے ساتھ ہو تو پھر ایسے شخص پر کفر کا حکم ہی لگایا جائے گا۔

وحیث لبس ذي الکفّار سواء دخل دار الحرب أم لا بنیة الرّضا بدینهم أو لمیل إلهیم او تهاونًا بالاسلام کفَر۔ (۴)

(۱) ۱۰/۲۱۵، باب فی تعریف الردة وأحکامها
(۲) الفروع لابن مفلح: ۱۱/۳۳۱، مسألة حاکی الکفر لیس بکافر
(۳) دیکھئے: کشاف القناع عن متن الاقناع: ۲۱/۹۷، باب حکم المرتد
(۴) قوامع الاسلام لابن حجر بحواله اسلامی تہذیب وتمدّن: ص: ۹۵-۹۶، دارالکتاب

(یعنی کفار کے طریقہ پر کپڑے پہننا چاہے دار الحرب میں ہو یا نہ ہو اس طرح کے ان کے دین سے راضی ہو یا ان کی طرف اس کا میلان ہو یا دین اسلام کو حقیر سمجھے تو یہ کفر ہے۔)

ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے اس مسئلہ کو علامہ نووی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقوله صلی اللہ علیه وسلم وأما الظفر فمدی الحبشه وهم کفار وقد نهیتم عن التشبه بالکفار۔ (۱)

(یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ناخن یہ حبشیوں کی چھری ہے اور یہ کافر لوگ ہیں، اور تمہیں کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔)

حواشی الشروانی میں ہے: لأنّ ذلک یؤدّی إلی التشبه بالرجال بل بأهل الشطارة منهم والتّشبّه بهم حرام۔ (۲)

(کیونکہ اس کے ذریعہ آدمیوں بلکہ ان میں سے فساق وفجار کی مشابہت لازم آتی ہے اور یہ حرام ہے۔)

حنفیہ

دیگر حضرات کی طرح حنفیہ کا موقف بھی اس سلسلے میں نہایت سخت اور غیر مداہانہ ہے؛ چنانچہ بلاضرورت اختیاری طور پر کفار کے مذہبی شعائر کے اختیار کرنے پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

(یکفّر) بوضع قلنسوة المجوسی علی رأسه علی الصّحیح إلاّ

(۱) المجموع للنّووی: ۹/۸۱، باب الصّید والذّبائح

(۲) حواشی الشروانی: ۴/۹۰، کتاب الحج، بیروت

لضرورة دفع الحر أوالبرد وبشدّ الزّنّار في وسطه إلاّ إذا فعل ذلك خديعة فى الحرب وطليعة للمسلمين۔ (۱)

(یعنی صحیح قول کے مطابق مجوسیوں کی ٹوپی پہننا کفر ہے، الا یہ کہ گرمی یا ٹھنڈی سے بچنے کے لیے ہو، اسی طرح زنار باندھنا بھی کفر ہے، لیکن اگر جنگ میں کفار کو دھوکہ دینے کیلیے پہنے تو یہ کفر نہیں ہے۔)

مجمع الانہر میں ہے: ویکفر بوضع قلنسوة المجوس على رأسه على الصّحيح الا لتخليص الاسير أو لضرورة دفع الحر والبرد۔ (۲)

(یعنی صحیح قول کے مطابق مجوسیوں کی ٹوپی پہننا کفر ہے، الا یہ کہ قید سے بچنے کیلیے پہنے یا کہ گرمی یا ٹھنڈی سے بچنے کے لیے پہنے تو اس وقت کفر نہیں ہے۔)

الغرض اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ تشبہ بالغیر کی حرمت وممانعت ایک اجماعی واتفاقی مسئلہ ہے اس کی حرمت کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت میں سے کی ایک معتبر عالم کا اختلاف بھی منقول نہیں ہے ہاں نیچریت زدہ مغربی افکار ونظریات کے حاملین کا اعتبار نہیں جن کے نزدیک مغرب کا ہر نعرہ مغرب کی ہر تہذیب خواہ قرآن وحدیث سے صریح متضاد ہو اپنا نا فرض ہے اور اپنی خواہشات وجذبات کے آگے شریعت کے مسلمہ مسائل بھی قربان کردیے جاتے ہیں۔(العیاذ باللہ)

---

(۱) البحر الرّائق: ۱۳/ ۳۸۳، باب أحكام المرتدّين

(۲) مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر: ۴/ ۴۵۰، الفاظ الكفر أنواع

کیا کفار کے مذہبی شعائر کو اختیار کرنا کفر ہے؟

فقہاء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ کی کتابوں میں یہ صراحت ملتی ہے کہ غیروں کے مذہبی خصائص اور شعائر کو اختیار کرنے کی وجہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ ابھی ماقبل میں معتبر کتابوں سے کچھ تصریحات نقل کی گئی ہیں ان جزئیات پر تجدد پسند طبقے کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص نے نصرانی یا مجوسی ٹوپی پہن لی یا زنار و صلیب اپنے سینے پر لٹکا لی جب کہ وہ معتقدات اسلامی اور ضروریات دین کا منکر نہیں ہے تو محض اس ظاہری وضع کے بدلنے سے اس پر کفر کا حکم کیسے کر دیا جائے گا؟ سرسید لکھتے ہیں کیا ادنی مشابہت سے مثلاً دھوتی باندھ لینے سے یا بگھی و چرٹ پر چڑھنے سے یا ظاہری مشابہت کر لینے سے باوجود اقرار توحید و رسالت کے آدمی کافر ہو جاتا ہے؟ حاشا وکلا پس اصل یہ ہے کہ یہ حدیث (من تشبّہ بقوم فہو منہم) روایۃً و درایۃً دونوں طرح پر مردود ہے۔(۱)

راشد شاز لکھتے ہیں کل تک جو بات فقہاء حنابلہ فقہا احناف کے لیے سمجھنا مشکل تھی اور جس کی وجہ سے تہذیبی مظاہر کی بنیاد پر کفر و اسلام کے فتوے صادر کرنے کا رواج عام تھا آج وہی بات نئی سکڑتی دنیا میں قرآن کے معمولی طالب علم کے لیے بھی سمجھنا آسان ہو گئی کہ تہذیبی مظاہر یا لباس کی بنیاد پر کفر و اسلام کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔(۲)

دراصل یہ اعتراضات مسئلے کی مکمل حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، بلاشبہ زنار کا پہننا یا گردن پر صلیب کا لٹکانا یہ چیزیں فی نفسہ کفر نہیں ہیں

(۱) تہذیب الاخلاق جلد چہارم ص: ۴۱ بابت ۱۲۹۰ھ

(۲) مستقبل کی بازیافت ۲۹/۳۰ راشد شاز

(چنانچہ خود فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر ان چیزوں کا پہننا کسی ضرورت سے ہو تو کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا) لیکن کسی شخص کا اپنی خوشی و مرضی سے علی الاعلان بر سر عام شعائر کفر کو اختیار کرنا اور کفار کے مخصوص مذہبی امتیازات کو اپنانا یہ دلیل ہے کہ اس شخص کے دل میں ان چیزوں کی رغبت و محبت اور قلبی میلان ورکون موجود ہے اور رضاء قلبی و محبت باطنی کے ساتھ شعائر کفر کو اختیار کرنا بلاشبہ کفر ہے تو درحقیقت یہ تہذیبی مظاہر یا لباس کی وضع وتراش مدار حکم نہیں ہے بلکہ اصل مدار قلبی حب و مودت پر ہے لیکن چونکہ قلبی میلان ورکون یہ ایک امر مبطن اور علت خفیہ ہے اس لیے سبب ظاہر پر حکم کا مدار رکھا گیا جیسا کہ نوم کا ناقض وضو قرار دیا جانا یا سفر شرعی پر قصر صلوۃ کی تخفیف کا حکم ہونا اسی قاعدہ پر متفرع ہے۔

قاضی بیضاوی اپنے مخصوص انداز میں اسی بات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وانّما عُدّ لُبس الغيار وشدّ الزّنّار ونحو هما كفرًا لأنها تدلّ على التّكذيب فإنّ من صدّق الرّسول صلى الله عليه وسلّم لا يجتري عليها ظاهرا لا أنّها كفر في انفسها۔ (۱)

ترجمہ: غیار کا پہننا اور زنار کمر میں باندھنا اور ان جیسی چیزوں کو اس وجہ سے کفر کہا گیا ہے کہ یہ چیزیں تکذیب اسلام پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرے گا تو وہ ظاہری طور پر بھی ایسے کفریہ کام کرنے کی جرات نہیں کرے گا، نہ اس وجہ سے کہ یہ چیزیں فی نفسہ کفر ہیں۔

الموسوعة الفقهية میں بھی مدار کفر اسی چیز کو قرار دیا گیا ہے اور تہذیبی مظاہر کو محض علامت شمار کیا گیا ہے۔

---

(۱) تفسير البيضاوي: ۱/ ۲۴، البقرة: ۲

ذهب الحنفية على الصّحيح عندهم والمالكية على المذهب وجمهور الشّافعيه إلى أن التشبه بالكفار في اللباس الذى هو شعار لهم و به يتميزون عن المسلمين يحكم بكفر فاعله ظاهرًا أي في أحكام الدنيا فمن وضع قلنسوة المجوس على راسه يكفر الا اذا فعله لضرورة الإكراه اولدفع الحر أو البرد وكذا إذا لبس زنّار النصارى...... لأنّ اللباس الخاصّة بالكفار علامة الكفر ولا يلبسه إلاّ من التزم الكفر والاستدلال بالعلامة والحكم بما دلّت عليه مقرر في العقل والشرع۔ (۱)

ترجمہ: حنفیہ کا صحیح مذہب اور مالکیہ اور جمہور شوافع کا مذہب یہ ہیکہ جو شخص کفار کی ان کے لباس میں مشابہت اختیار کرے اور وہ لباس ان کا شعار بھی ہو جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں سے ممتاز ہوتے ہیں، تو ایسے شخص پر ظاہرا یعنی احکام دنیوی کے اعتبار سے کفر کا حکم لگایا جائے گا، اسی بات کے پیش نظر جو شخص بھی مجوسیوں کی ٹوپی پہنے گا اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا، ہاں اگر کسی ضرورت کی بنا پر ہو مثلا اسے کوئی مجبور کرے یا گرمی اور ٹھنڈی سے بچنے کے لیے پہن لے تو یہ کفر نہیں ہوگا، اسی طرح زنار پہننے کا حکم ہے۔۔۔۔۔۔ کیونکہ وہ لباس جو صرف کفار پہنتے ہیں وہ ان کا شعار اور علامت ہوتا ہے، اور اس لباس کو صرف وہی شخص پہنتا ہے جو التزام کفر کرے، اور علامت کے ذریعہ استدلال کرنا اور اس علامت کے مدلول کا حکم لگانا عقلا اور شرعا دونوں طرح ثابت ہے۔

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۳/۲۰۹، مادّة تشبه

یہی وجہ ہے کہ اگر خارجی قرائن سے معلوم ہوجائے کہ متشبہ کا مقصد محض تمسخر واستہزاء یا کوئی اور ضرورت ہے قلبی میلان ورکون نہیں ہے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

حضرت تھانویؒ ایک سوال (جس میں یہ ہے کہ ایک بہروپیہ جس کا ذریعہ آمدنی مختلف روپ بدل کر حاضرین کو خوش کرنا اور ہنسانا ہوتا ہے وہ کبھی کفار کے مخصوص روپ بدلتا ہے ماتھے پر قشقہ لگاتا ہے دھوتی پہنتا ہے جس سے وہ کافر معلوم ہوتا ہے ایسے شخص کا کیا حکم ہے) کے جواب میں طویل عبارات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

أوّل: کفار کی وضع بلاضرورت قویہ حسّیہ کدفع الحر والبرد (سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے) یا شرعیہ کخداع أہل الحرب والتّجسّس للمسلمین (مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے والے یا لڑنے والے کو دھوکہ دینے کے لیے) افعال کفر سے ہے۔

ثانی: ایسے افعال بالذات کفر نہیں ہیں بلکہ ان کے کفر ہونے کی علت استخفاف بالدین ہے اور جہاں استخفاف بالدین یقینا منی۔ ہو مثلا فاعل کے علم وقصہ میں اس کا مبنیٰ ضروریات یا مصلحت ہو اور واقع میں ضرورت قویہ نہ ہو اور اس کے کفر ہونے کا علم بھی نہ ہو وہاں ارتفاع علت سے حکم بالکفر بھی منفی ہوگا، مگر مستقل دلائل سے معصیت کا حکم کیا جائے گا۔(۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شعائر کفر کو اختیار کرنے میں اگر کوئی حسی یا شرعی ضرورت ومصلحت نہ ہو نیز ان چیزوں کا افعال کفر ہونا معلوم ہو اور پھر بھی کوئی

(۱) امداد الفتاوی: ۴/۵۹۴، عدم تکفیر بہروپیہ وغیرہ، مطبوعہ زکریا دیوبند

شخص اعلانیہ برسرعام ان چیزوں کو اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے استخفاف بالدین میں کیا شبہ ہے اور اس پر کفر کا حکم ہی لگایا جائے گا ہاں اگر کسی اور قرینے سے یہ معلوم ہو کہ مقصد استخفاف نہیں بلکہ کوئی ضرورت و مصلحت ہے تو پھر اس وقت کفر کا حکم نہیں کیا جائے گا۔

اطلاق کفر کی شرائط

اسی لیے شعائر کفر کے اختیار کرنے کی وجہ سے اطلاق کفر کو فقہاء کرام نے چند شرطوں کے ساتھ مقید کیا ہے۔

(۱) دارالاسلام میں شعائر کفر کو اختیار کیا جائے کیونکہ دارالحرب میں بسا اوقات آدمی ان چیزوں کے اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے یا ان کے مخصوص لباس کے علاوہ دوسرا کوئی لباس اسے میسر نہیں ہوتا۔

(۲) ان مخصوصات کو اختیار کرنا کسی حسی یا شرعی ضرورت و مصلحت کے لیے نہ ہو۔

(۳) وہ چیز کفار کے مذہبی شعائر اور ان کے خصائص وامتیازات میں سے ہو جیسے زنار، صلیب، یا ہندوں کی چوٹی وغیرہ۔

(۴) بوقت تشبہ وہ چیز شعار کفار میں شمار کی جاتی ہو؛ چنانچہ اگر کوئی چیز پہلے کفار کا شعار تھی لیکن عموم وشیوع کی وجہ سے اس کا شعار کفار ہونا ختم ہو گیا ہو تو اب کفر کا حکم نہیں کیا جائے گا۔

(۵) ان شعائر کو اختیار کرنا کفر یا اہل کفر کی طرف قلبی میلان ورکون اور دلی مودت ومحبت کے طور پر ہو؛ لہٰذا اگر تمسخر یا کھیل کے طور پر اختیار کیا جائے تو یہ اگرچہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے، لیکن استخفاف اور تلعب بالدین نہ ہونے کی وجہ

سے اطلاق کفر سے گریز کیا جائے گا، ان شرائط کو الموسوعۃ الفقھیۃ میں قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اختصار کے ساتھ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

وبتتبع عبارات الفقهاء يتبين أنهم يقيدون كفر من يتشبه بالكفار فی اللباس الخاص بهم بقيود منها؛

الف: ان يفعله فی بلاد الإسلام قال أحمد الرّمل كون التزي الكفار ردةً محله إذا كان في دار الاسلام أما فی دار الحرب فلا يمكن القول بكونه ردة لاحتمال أنه لم يجد غيره كما هو الغالب أو أن يكره على ذلک۔

ب: أن يكون التّشبّه لغير ضرورة فمن فعل ذلک للضّرورة لا يكفّر۔

ج: أن يكون التّشبّه فيما يختصّ بالكافر كبرنيطة النصرانی وطرطور اليهودی۔

د: أن يكون التشبه فی الوقت الذی يكون اللباس المعين شعارا للكفار۔

ھ: أن يكون التشبه ميلا للكفر فمن تشبه على وجه اللعب السخرية لميرتد بل يكون فاسقا۔ (۱)

(فقہاء کی عبارات کے تتبع وتلاش کے بات یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو شخص کفار کے لباس میں مشابہت اختیار کرے اس پر کفر کا حکم لگانے کے لیے چند قیودات ہیں جو درج ذیل ہیں۔)

الف: پہلی شرط یہ ہیکہ اسلامی ملک میں یہ کام کرے، احمد الرملی فرماتے ہیں کفار کے طور وطریق اپنانا کفر اس وقت ہے جبکہ وہ دار الاسلام میں ہو، لہٰذا اگر کوئی دار الحرب میں یہ کام کرے تو اس پر ارتداد وکفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے؛

کیونکہ احتمال ہے کہ اس کے پاس اس کپڑے کے علاوہ دوسرا کوئی کپڑا ہو ہی نہ یا ممکن ہیکہ اس کو یہ لباس پہننے پر مجبور کیا گیا ہو۔

ب: دوسری شرط یہ ہیکہ یہ تشبہ بلاضرورت ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص بر بناء ضرورت یہ کرلے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

ج: تیسری شرط یہ ہیکہ تشبہ ان چیزوں میں ہو جو کہ کفار کا شعار ہو اور ان کے ساتھ خاص ہو جیسے کہ نصاری کا ہیٹ اور یہود کی مخصوص ٹوپی۔

د: چوتھی شرط یہ ہیکہ یہ تشبہ اس زمانہ میں ہو جس وقت وہ مخصوص لباس کفار کا شعار ہو۔

ھ: پانچویں شرط یہ ہیکہ کفر کی طرف میلان کی وجہ سے تشبہ اختیار کرے، لہٰذا جو شخص لہو ولعب کے طور پر تشبہ اختیار کرے اسے مرتد نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ فاسق ہوگا۔(۱)

کیا مذکورہ عبارات میں کفر کا اطلاق محض تہدیدی ہے؟

بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ فقہاء کرام نے شعائر کفر کو اختیار کرنے والے یا کفار کی مخصوص چیزوں کو اپنانے والے پر جو کفر کا اطلاق کیا ہے وہ حقیقی نہیں ہے بلکہ مجازی ہے اور اس سے مراد صرف تہدید وتوبیخ ہے یہ خیال قطعا غلط اور بے بنیاد ہے۔

---

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۳/۱۵۵م باب تشبه

حضرات فقہاء کرام کے ذکر کردہ الفاظ کفر کی فقہی حیثیت

ہمارے فقہی ذخیرہ کتب میں "کتاب السیر" میں ارتداد کے متعلق ایک باب باندھتے ہیں جس میں اس موضوع سے متعلق مختلف مسائل ذکر ہوتے ہیں، دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ ان ابواب کا اکثر حصہ کلمات الکفر اور الفاظ الکفر پر مشتمل ہوتا ہے جس میں عربی اور فارسی زبان کے مختلف الفاظ ہوتے ہیں اور اس کا حکم ذکر کیا جاتا ہے کہ آیا یہ لفظ بولنا موجب کفر ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ان کلمات میں سے کسی کلمہ کا تلفظ کرے تو اس کی وجہ سے اس کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

پہلا موقف

ان الفاظ کے حوالے سے مختلف نقطہ نظر ہیں۔ بعض حضرات اس کو بالکل قطعی تصور کرتے ہیں اور اس تصور کے نتیجہ میں اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جائے جس کے موجب کفر ہونے اور نہ ہونے کا سوال زیر غور ہو تو یہ حضرات علم کلام اور فقہ کے اصول وقواعد کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دیتے؛ بلکہ ان ہی کلمات الکفر میں اس جملہ کے نظائر تلاش کرتے ہیں اور جو قریب تر نظیر ملے، اس کے مطابق حکم بیان کرتے ہیں۔ گویا ان حضرات کے نزدیک جس طرح طلاق کے کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے فقہاء کرام کے ذکر کردہ کلمات میں سے اس جیسی نظیر تلاش کرنی ضروری ہے، اسی طرح کفریہ کلمات کے حکم جاننے کے لئے بھی کلمات الکفر میں سے کوئی نظیر ڈھونڈنا کافی ہے۔

دوسرا موقف

اس کے بالکل برعکس بعض حضرات کا موقف یہ ہے کہ فقہی کتابوں کا یہ باب سرے سے قابل توجہ ہے ہی نہیں، یہ حضرات فقہاء کرام کے ذکر کردہ ان تحقیقات کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دیتے، اور جب کبھی ان کلمات کے متعلق سوال اٹھتا ہے تو اس موقف کے حامل حضرات کی طرف سے فقہاء کرام کے اس ذکر کردہ تفصیلات کے متعلق یہ معذرت پیش کی جاتی ہے کہ ان الفاظ سے کوئی حقیقتا کافر نہیں ہوتا، فقہاء کرام نے اس باب میں جو احکام ذکر کئے وہ تغلیظ پر محمول ہے۔

علامہ بزازی رحمہ اللہ کا موقف

مشہور حنفی فقیہ علامہ بزازی رحمہ اللہ نے اس دوسرے موقف کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ یہ تغلیظ یا تشدید پر ہرگز محمول نہیں بلکہ مجتہد نے جس کلمہ کو بھی موجب کفر کہا، اس سے حقیقتا کافر ہونا اور دائرہ اسلام سے خارج ہونا ہی مراد ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

يحكى عن بعض من لا سلف له انه كان يقول: ما ذكر في الفتاوى انه يكفر بكذا وكذا فذلك للتخويف والتهويل لا لحقيقة الكفر، وهذا كلام باطل وحاشا ان يلعب امناء الله اعني علماء الاحكام بالحلال والحرام والكفر والاسلام بل لا يقولون الا الحق الثابت عن سيد الانام عليه الصلاة والسلام وما ادي اجتهاد الامام اخذا من نص القرآن وما حررته هو مختار مشائخ الشافين لداء العقام موكل من الي بعدهم من علماء الدهر والايام ما بقي دين الاسلام۔

ترجمہ: "بعض ان لوگوں سے جن کے پاس اپنی اس بات کی تائید میں کوئی سلف نہیں منقول ہے، کہ کتب فتاوی میں جو کلمات کفر ذکر کئے جاتے ہیں وہ ڈرانے دھمکانے کے لئے ہوتے ہیں حقیقتاً کفر کے لئے نہیں ہوتے، یہ بات بالکل غلط ہے علماء کے حق میں بالکل بعید ہے کہ وہ حلال وحرام اور کفر واسلام کے الفاظ کو کھیل کا ذریعہ بنائیں، وہ تو حق بات ہی کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو یا امام نے اپنے اجتہاد کے ساتھ قرآن کریم سے اخذ کیا ہو، میں نے یہ جو کچھ ذکر کیا یہ تمام مشائخ اور ہر زمانے کے تمام علماء کا پسندیدہ قول ہے۔"

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مجتہد نے جس کلمہ کے بارے میں یہ کہا کہ یہ کفریہ کلمہ ہے تو اس سے حقیقی معنی میں کفر ہی مقصود ہوتا ہے۔ لیکن کلمات الکفر کے مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان تمام کلمات کے احکام مجتہدین سے ثابت نہیں؛ بلکہ ان الفاظ میں ایک بڑی تعداد ان الفاظ کی بھی ہے جس میں غیر مجتہدین نے کفر کا فیصلہ فرمایا، نیز ان تمام الفاظ الکفر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہوں میں ایک لفظ کو صرف اس لئے کفر کہا گیا کہ اس میں کفریہ معانی کے احتمالات موجود تھے، لیکن ظاہر ہے کہ صرف کسی کفریہ احتمال کی وجہ سے کسی مسلمان شخص کو کافر قرار دینا اصول کے خلاف ہے۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کا فیصلہ

شاید انہی وجوہات کی بنا پر علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اپنا یہ فیصلہ بیان کیا کہ میں ان الفاظ کی بنیاد پر کسی کے کفر کا فتوی نہیں دیتا،

آپ نے اولاً فقہاء کرام کے عام معمول کے مطابق بہت سے کلمات کفر بیان فرمائے؛ ان کے شرعی حکم کی مکمل تفصیل ذکر فرمائی، ان تمام تفصیلات سے فارغ ہونے کے بعد بالکل آخر میں تکفیر کے متعلق احتیاط برتنے کے لئے چند اقوال نقل کئے۔ اس کے بعد فرمایا:

فعلی هذا فأكثر ألفاظ التكفير المذكورة لا يفتى بالتكفير بها ولقد ألزمت نفسي أن لا أفتي بشيء منها۔

ترجمہ: "فقہاء کرام کے ذکر کردہ الفاظ کفر ایسے ہیں کہ ان میں سے اکثر کی بنیاد پر فتوی نہیں دیا جاتا، میں نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ ان میں کسی لفظ کے بنیاد پر فتوی نہ دوں۔"

اسی طرح بہت سے مقامات پر لزوم کفر کی وجہ سے بھی کفر کا اطلاق کیا گیا حالانکہ جمہور کے نزدیک لزوم کفر اور التزام کفر میں فرق ہے اور محض لزوم کفر کی وجہ سے کسی کی تکفیر درست نہیں۔

اعتدال پسندانہ موقف

اس لئے زیادہ معتدل اور درست موقف وہی ہے جو محقق ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کلمات کی دو قسمیں ہیں:

الف: وہ کلمات جن کا حکم صراحتاً مجتہدین سے ثابت ہے، اس میں تو کفر کا حکم بیان کیا جائے۔

ب: جن کلمات کا حکم صراحتاً حضرات مجتہدین سے ثابت نہیں، اس میں احتیاط کرنی ضروری ہے۔

علامہ فرماتے ہیں: نعم يقع في كلام أهل المذاهب تكفير كثير ولكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون بل من غيرهم، ولا عبرة بغير الفقهاء، والمنقول عن المجتهدين ما ذكرنا.

ترجمہ: اہل مذہب کے کلام میں بہت تکفیر موجود ہے، لیکن یہ مجتہد فقہاء کرام کا قول نہیں ہے جبکہ دوسروں کا اعتبار نہیں ہے اور مجتہدین کا وہی مسلک ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

"لیکن واضح رہے کہ احتیاط کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ جن کلمات کا حکم مجتہدین سے ثابت نہیں، اس کو کفر قرار دینا جرم ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان جیسے کلمات کے بارے میں فوراً فیصلہ نہ کیا جائے، بلکہ اصول وقواعد کی روشنی میں اس پر غور وخوض کیا جائے، اگر کہیں اصول کے تحت تکفیر سے کوئی مانع موجود ہو تو بلاوجہ کسی کو کافر قرار دینے سے احتیاط کی جائے اور اگر کسی کا کفر بالکل یقینی ہو تو اس کے کفر کا فیصلہ کیا جائے۔(۱)

(۱) اصول تکفیر: ۵۵ تا ۵۷

تشبہ کے فقہی مراتب:

انسانی امور کی عقلی طور پر دو ہی قسم ہیں:

(۱) اضطراری امور (۲) اختیاری امور۔

اضطراری امور کا مطلب یہ ہے کہ ایسے امور جن کے وجود وعدم میں انسانی اختیارات کا دخل نہ ہو، جیسے انسان کی پیدائشی اوضاع، واطوار، اعضائے بدن، چہرہ مہرہ وغیرہ اور اس کے فطری تقاضے جیسے بھوک پیاس لگنا اور طبیعت کے تقاضے سے کھانے پینے پر مجبور ہونا، یا تلبس وتن پوشی کا فطری داعیہ، حرارت وبرودت ضرب والم کا احساس وغیرہ یہ سب چیزیں انسانی اختیار سے باہر ہیں اور انسان کے اندر یہ چیزیں اس وقت بھی پائی جاتی تھیں جب اختیار وعدم اختیار کی حقیقت اس کے دائرہ فہم سے بھی بالاتر تھی۔

اضطراری امور

اضطراری امور کا انسان مکلف نہیں ہوتا کیوں کہ جو چیز انسان کے اختیار سے باہر ہو اس میں تکلیف عبث اور حکمت الٰہی کے خلاف ہے؛ لہٰذا ایسے امور اگر مسلم وکافر میں مشترک ہوں تو نہ یہ حقیقی معنی کے اعتبار سے تشبہ ہے اور نہ شریعت اس اشتراک کو مٹانے کا حکم دیتی ہے؛ لہٰذا اگر غیر مسلم کھاتے ہیں یا اعضاء انسانی آنکھ کان ناک وغیرہ رکھتے ہیں، یا انسان ہونے کی وجہ سے عقل کی دولت سے سرفراز ہیں، تو ترک تشبہ کے اصول کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ

مسلمان کھانا پینا چھوڑ دیں اعضاء ناک کان وغیرہ کاٹ دیں، یا حیوان لایعقل بن جائیں کیوں کہ یہ امور تکلیف کے دائرے سے خارج ہیں۔

قال الحصكفي: التّشبّه بهم لا يكره في كلّ شيء قال ابن عابدين فإنّا نأكل ونشرب كما يفعلون۔ (۱)

ترجمہ: علامہ حصکفی فرماتے ہیں: ہر چیز میں کفار کی مشابہت اختیار کرنا مکروہ نہیں ہے، ابن عابدین فرماتے ہیں: کیونکہ ہم بھی ویسے ہی کھاتے پیتے ہیں جیسے کہ کفار کھاتے پیتے ہیں۔

امداد الاحکام میں ہے: فطری امور میں مشابہت مثلا کھانا پینا، چلنا پھرنا، سونا لیٹنا، صفائی رکھنا وغیرہ یہ مشابہت حرام نہیں ہے۔ (۲)

پس شریعت اسلامی یہ حکم تو نہ دے گی کہ تم تشبہ بالغیر کے خوف سے کھانا پینا ترک کردو لیکن یہ حکم ضرور دے گی کہ تم اپنے آداب خورونوش کو ترک تشبہ کے ذریعہ غیر اقوام سے ممتاز بناؤ کیوں کہ بلاشبہ یہ تمہارا اختیاری فعل ہے۔

شریعت یہ قطعا نہیں کہے گی کہ تم ترک تشبہ کے اصول کو اپنا کر لباس ہی ترک کردو اور برہنہ پھرو کیوں کہ تن پوشی انسان کا ایک فطری اور غیر اختیاری داعیہ ہے ہاں وہ یہ ضرور حکم دے گی کہ تم لباس کی وضع وتراش، طرز بندش، او رپہناؤ کے طریقوں میں غیر اقوام سے ممتاز رہو اور اس میں ان کی نقالی سے بچو، کیوں کہ بلاشبہ یہ تمہارا اختیاری فعل ہے۔

شریعت ہرگز یہ حکم نہیں دے گی کہ تم غیر مسلموں کو عبادت کرتے ہوئے دیکھ کر نفس عبادت ہی ترک کردو کیوں کہ جذبہ عبادت انسان کا فطری داعیہ ہے

---

(۱) الدّر مع الرّدّ: ۲/۳۸۴، باب ما يفسد الصّلاة

(۲) امداد الاحکام: ۱/۲۸۲، ما يتعلّق بالحديث والسّنّة، کراچی

لیکن یہ حکم ضرور دے گی کہ اپنے طرق عبادت کو غیر اقوام کے طرق سے ممتاز رکھو کہ بے شک یہ تمہارا اپنا فعل اور اختیاری عمل ہے۔

اسی طرح شریعت یہ خطاب ہرگز نہیں کرے گی کہ اگر غیر اقوام متمدن ہیں تو تم ترک تشبہ کی وجہ سے نفس تمدن ہی کو ترک کردو اور جانوروں کی طرح جنگلوں میں زندگی گزارو کیوں کہ مدنی الطبع ہونا انسان کی ایک غیر اختیاری اور فطری خواہش ہے ہاں شریعت یہ خطاب ضرور کرے گی کہ تم تشبہ سے بچنے کے لیے اپنے تمدن کے اصول اور اس کے روایتی دستور کو غیروں سے ممتاز اور جداگانہ رکھو، کہ بے شک یہ تمہارے دائرۂ اختیار سے باہر کی چیز نہیں ہے، الغرض جس طرح شریعت کے تمام احکام اختیاری امور پر دائر ہیں اسی طرح مسئلہ تشبہ بھی صرف اختیاری حالت کے ساتھ ہی متعلق ہے۔

اعتقادی امور

اختیاری امور کی بھی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) ایک یہ کہ اس کو کفار عقیدہ وعبادت کے طور پر انجام دیتے ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ وہ بطور عادت یا بطور تمدن ومعاشرت انجام دیا جاتا ہو، اگر تشبہ کا تعلق غیروں کے فکر وعقیدہ سے ہو تو یہ تشبہ کفر ہوگا، جیسے ہندؤں کے عقیدہ تناسخ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث، روافض کے عقیدہ تحریف قرآن وغیرہ کا اختیار کرنا اسلام کے کسی عقیدہ ضروریہ کا انکار کرنا یا کفریہ وشرکیہ شعائر کو صحیح سمجھنا اس کی تعریف وتعظیم کرنا وغیرہ۔(۱)

(۱) اسلام شاہراہ اعتدال، ص: ۲۳۲، مطبوعہ: دار السعادہ، سہارن پور

تعبدی امور

اگر تشبہ کا تعلق ان کے فکر وعقیدہ سے نہ ہو بلکہ اُن کے مذہبی اعمال اور بطور عبادت انجام دیئے جانے والے امور سے ہو اور وہ امور ان کی مذہبی خصوصیات ہوں تو یہ تشبہ بالاتفاق حرام ہے؛ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: جو چیزیں دوسری قوموں کی مذہبی وضع ہیں ان کا اختیار کرنا کفر ہوگا جیسے صلیب لٹکانا یا سر پر چوٹی رکھ لینا یا جنیو باندھ لینا یا ماتھے پر قشقہ لگانا یا جے پکارنا۔(۱)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ان امور میں تشبہ جو کفار کا مذہبی شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہو، جیسے زنار وغیرہ پہننا یا مجوس کی خاص ٹوپی جو ان کے مذہب کا شعار ہے ان میں تشبہ حرام بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔(۲)

حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: صورت اولیٰ یعنی مذہبی امور میں تشبہ بالغیر حرام ہے جیسا کہ نصاریٰ کی طرح سینے پر صلیب لٹکا لینا ہنود کی طرح زناز باندھ لینا الخ۔(۳)

معاشرتی امور

اگر ان چیزوں کا تعلق نہ اغیار کے مذہبی عقائد سے ہو نہ مذہبی علامات وشعائر سے بلکہ وہ قومی شعائر ہوں یعنی معاشرت معاملات اور اطوار وعادات کی قبیل سے ہوں تو پھر عقلی طور پر اس کی بھی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

---

(۱) حیات المسلمین: ص:۲۷۹-۲۸۰، روح سبت وپنجم امتیاز قومی

(۲) امداد الاحکام: ۲۸۲/۱، ما یتعلّق بالحدیث والسنّة کراچی

(۳) اسلامی تہذیب وتمدن: ص:۱۰۹، مطبوعہ: دار الکتاب

(۱) قبیح بالذات امور (۲) مباح بالذات امور۔

قبیح بالذات امور:

اگر وہ امور بالذات قبیح ہیں یعنی اگر وہ غیر قوموں کا شعار نہ ہوں یا نہ رہیں تب بھی شریعت کی نظر میں وہ ممنوع رہیں گے مثلاً ٹخنوں سے نیچے پینٹ یا پائجامہ ولنگی وغیرہ لٹکانا یا ریشمی کپڑا پہننا کہ یہ بعض عجمی قوموں کا شعار بھی ہیں اور شریعت میں منع بھی ہیں تو ایسے امور میں تشبہ بھی حرام ہوگا اور اب حرمت کہ دو علتیں ہوں گی ایک عندالشرع منھی عنہ ہونا اور دوسرے شعار اغیار کے ساتھ تشبہ چنانچہ اگران چیزوں کے ارتکاب کا شیوع وعموم ہو جائے اور کسی خاص قوم کا شعار باقی نہ رہیں تب بھی چونکہ یہ چیزیں فی نفسہ شرعاً ممنوع ہیں، لہٰذا ان کی حرمت وممانعت پر کوئی فرق نہیں آئے گا۔ مثلاً شادی بیاہ میں بارات منڈھا اپٹن وغیرہ رسمیں اختیار کرنا جو ہندوانہ طریقے ہیں یا تیجہ چالیسواں برسی وغیرہ منانا جو ایرانی روافض کا شعار ہیں اسی طرح داڑھی مندانا ٹخنے ڈھانکنا، گھٹنے کھولنا، عورتوں کا بے پردہ گھومنا، غیر اسلامی بال رکھنا، کھڑے ہوکر بلا عذر پیشاب کرنا مردوں کے لیے عورتوں کے اور عورتوں کے لیے مردوں کے لباس پہننا وغیرہ وغیرہ اس طرح کے امور اگر ساری دنیا میں بھی عام ہو جائیں تب بھی ان کی ممانعت وحرمت پر فرق نہیں آئے گا۔

مباح بذات امور

اور اگر وہ معاشرتی امور اور تمدنی وقومی طریقے اپنی ذات کے اعتبار سے تو مباح ہیں لیکن کسی علاقے یا زمانے میں غیر قوموں کی خصوصیات اور ان کا امتیازی نشان بن گئے ہیں ان کا شعار شمار ہوتے ہیں اور ان کے ارتکاب کے

وقت آدمی انہیں میں سے سمجھا جاتا ہے تو جب تک یہ خصوصیت اور امتیاز باقی رہے گا اس وقت تک ان چیزوں کا اختیار کرنا تشبہ کی تعریف میں داخل ہو کر ممنوع اور فقہاء کی اصطلاح میں مکروہ تحریمی ہوگا، جیسے غیر قوموں کے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے کے مخصوص طریقے، حضرت قاری طیب صاحبؒ لکھتے ہیں: اگر وہ امور مباح بالذات ہیں، اگر شعار ہیں تو پھر بھی تشبہ قریب بہ حرام ہیں، جس کو فقہاء نے اپنی اصطلاح میں مکروہ تحریمی سے تعبیر کیا ہے۔(۱)

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: جو چیزیں دوسری قوموں کی محض قومی وضع ہیں جیسے کوٹ پتلون وغیرہ یا قومی وضع کی طرح ان کی عام عادت ہے، جیسے میز کرسی پر یا چھری کانٹے سے کھانا اس کے اختیار کرنے سے صرف گناہ ہوگا کہیں کم کہیں زیادہ۔(۲)

اسی بناء پر حضرت گنگوہیؒ نے اپنے زمانے میں کرسی پر کھانے کو بدعت اور مکروہ تحریمی قرار دیا تھا آپ نے الکوکب الدّرّیّ میں لکھا ہے ہمارے زمانے میں چونکہ اس میں نصاری کے ساتھ تشبہ ہے اس لیے مکروہ تحریمی ہے۔

إن عدم الأكل عليه، إما أن يكون قصدًا أو اتفاقًا فإن كان الأول لزم كراهته، وإن كان الثاني فلا ضير في الأكل على الخوان إلا أنه لما كان من ديدن الجبابرة ههنا كان منهيًا إذا كان على دأبهم، والحاصل أن الأكل عليه بحسب نفس ذاته لا يربو على ترك الأولوية، فأما إذا لزم فيه التشبه باليهود أو النصارى كما هو في ديارنا كان مكروهًا تحريميًا۔ (۳)

---

(۱) اسلامی تہذیب وتمدن: ص: ۱۱۰، مطبوعہ: دار الکتاب

(۲) حیات المسلمین: ص:۲۷۹، روح بست وپنجم امتیاز قومی

(۳) الکوکب الدری: ۴/۳

ترجمہ: میز پر بیٹھ کر کھانا کھانا یا تو بالقصد ہوگا یا اتفاقاً ہوگا، اگر بالقصد ہو تو تو مکروہ ہے اور اگر اتفاقاً ایسا کھائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن چونکہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے اس لیے اس منع کیا جائے گا جب کے ان کے طریقہ پر کھایا جاوے، خلاصہ یہ ہیکہ میز پر کھانا فی نفسہ ترک اولی ہے، لیکن اگر اس طریقہ پر کھائے کہ اس سے یہود و نصاری کی مشابہت لازم آئے جس طرح کھانا ہمارے ملک میں رائج ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: عادات میں مشابہت مثلاً جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں اس ہیئت سے کھانا یا لباس ان کی وضع پر پہننا اس کا حکم یہ ہے کہ......اگر ہماری وضع پہلے سے جدا ہو اور اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں یہ ناجائز ہے۔(۱)

غیر شعار اشیاء

پھر جو چیزیں ذاتی طور پر مباح ہوں اور غیر قوم کا شعار نہ ہوں؛ لیکن غیر قوموں سے ہی مسلمانوں میں آئی ہوں تو پھر بنیادی طور پر اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا ان کا متبادل مسلمانوں کے پاس موجود ہوگا یا نہیں اگر متبادل موجود ہو پھر ان چیزوں کا استعمال اسلامی غیرت و حمیت کے خلاف ہے اور مکروہ تنزیہی ہے کیوں کہ جب یہ چیزیں ہمارے پاس موجود ہیں تو غیرت کا تقاضہ یہی ہے کہ غیروں کی چیز کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا جائے ایک موقع پر آپ ﷺ نے ایک صحابی کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھ کر ناپسندیدگی کے لہجہ میں فرمایا:

---

(۱) امداد الاحکام:۱/۲۸۶، ما یتعلّق بالحدیث والسنّة

ما هذه؟ ألقها وعليكم بهذه وأشباهها۔ (۱)

(یعنی یہ کیا چیز لیے ہوئے ہو؟ اسے پھینک دو، اور ان جیسی چیزوں سے اجتناب کرو۔)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ف: فارسی زبان کا بدل عربی کمان تھی اس لئے اس کے استعمال سے منع فرمایا معلوم ہوا کہ برتنے کی چیزوں میں بھی غیر قوموں کی مشابہت سے بچنا چاہیے جیسے کانسی یا پیتل کے برتن بعض جگہ غیر قوموں سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ (۲)

غیر متبادل اشیاء

ہاں جو مباح چیزیں بشری ضروریات سے تعلق رکھتی ہیں وہ غیروں کا شعار بھی نہیں ہیں اور مسلمانوں کے پاس ان کا بدل بھی موجود نہیں ہے مثلاً یورپ کی نئی نئی ایجادات، جدید اسلحہ، تمدن و معاشرت کے نئے نئے سامان وغیرہ تو بوقت ضرورت ان کا استعمال مباح ہے بشرطیکہ تشبہ کی نیت کر کے استعمال نہ کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے اہل فارس کے طرز پر خندق کھدوائی تھی، غزوۂ طائف کے موقع پر منجنیق (توپ) کا استعمال کیا گیا وغیرہ۔ (۳)

(۱) ابن ماجہ: رقم ۲۸۱۰۔

(۲) حیات المسلمین ص: ۱۹۰، روح بست و پنجم

(۳) اسلامی تہذیب و تمدن: ص: ۱۱۰-۱۱۱، مطبوعہ: دار الکتاب

اپریل فول

مغرب کی اندھی تقلید نے ہمارے معاشرے میں جن بے ہودہ رسموں کو رواج دیا ہے ان میں ایک قبیح رسم "اپریل فول" کے نام سے منائی جاتی ہے اس رسم کے تحت یکم اپریل کی تاریخ میں جھوٹ بول کر کسی کو دھوکہ دینا، اور بے وقوف بنا کر تکلیف پہنچانا نا صرف یہ کہ جائز سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے ایک کمال قرار دیا جاتا ہے اور جو شخص جتنی صفائی، چابکدستی اور ہوشیاری سے دوسرے کو جتنا بڑا دھوکہ دے وہ اتنا ہی قابل تعریف اور یکم اپریل کی تاریخ سے صحیح فائدہ اٹھانے والا سمجھا جاتا ہے۔

اس رسم بد میں جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، دوسرے کو اذیت پہنچانا، مذاق اڑانا جیسے سنگین اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اگر ممانعت کی کوئی اور وجہ نہ ہوتی تب بھی یہ جرائم اس کی حرمت کے لئے کافی تھے؛ لیکن اس قبیح رسم کی تاریخی حیثیت اور اور اس کا نقطۂ آغاز بھی نہایت شرمناک ہے۔

تاریخی حیثیت:

اپریل فول کی رسم کب اور کیسے شروع ہوئی اس سلسلے میں بنیادی طور پر تین طرح کی تاریخی بات ملتی ہیں:

(۱) یہودیوں اور عیسائیوں کی بیان کردہ روایات کے مطابق یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور

استہزا کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ محرف انجیلوں میں اس واقعہ کی تفصیلات ملتی ہیں "لوقا" کی انجیل میں ہے"اور جو آدمی اسے (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو) گرفتار کئے ہوئے تھے اس کے ٹھٹھے اڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منھ پر طمانچے مارتے تھے اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (یعنی الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مار مار کر بہت سی باتیں اس کے خلاف کہیں۔(۱)

انجیلوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے استہزا و تمسخر کی ایک دوسری روایت مذکور ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو جب گرفتار کر لیا گیا تو فیصلے کے لئے یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالت عالیہ میں پیش کیا گیا پھر وہ انہیں" پیلاطس" کی عدالت میں لے گئے کہ ان کا وہاں فیصلہ ہوگا پھر پیلاطس نے انہیں" ہیروڈیس کی عدالت میں بھیج دیا اور بالآخر"ہیروڈیس" نے دوبارہ فیصلے کے لئے ان کو پیلاطس ہی کی عدالت میں بھیجا۔(۲)

انیسویں صدی کی مغربی انسائیکلو پیڈیا" لاروس" نے اس واقعہ کو بڑے وثوق کے ساتھ درست قرار دیا ہے اور اس کے شواہد بھی پیش کئے ہیں" لاروس" کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں بھیجنے کا مقصد بھی ان کے ساتھ مذاق کرنا اور انہیں تکلیف پہنچانا تھا اور چوں کہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا اس لئے اپریل فول کی رسم درحقیقت اسی شرمناک واقعہ کی یادگار ہے، اور اسی عذاب و اذیت، اور استہزاء و تمسخر کا نشان ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ بقول ان کے پیش آیا۔

(۱) انجیل لوقا: ۲۲/ ۶۳ تا ۶۵

(۲) ذکر و فکر ۶۸

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر یہ بات درست ہے تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ رسم یہودیوں نے جاری کی ہوگی اور اس کا منشاء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تضحیک ہوگی لیکن یہ بات حیرت ناک ہے کہ جو رسم یہودیوں نے معاذ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہنسی اڑانے کے لئے جاری کی اسے عیسائیوں نے کس طرح ٹھنڈے پیٹوں نہ صرف قبول کرلیا بل کہ خود اسے منانے اور رواج دینے میں شریک ہوگئے۔(۱)

(۲) اپریل فول کی رسم کے سلسلے میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ سترہویں صدی سے پہلے، سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا۔

اس مہینہ کو رومی لوگ اپنی دیوی وینس کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس مہینہ کو مقدس سمجھتے تھے۔(۲)

یکم اپریل سال کی پہلی تاریخ ہوتی تھی اور چونکہ اس کے ساتھ ایک بت پرستی کا تقدس بھی وابستہ تھا اس لئے اس دن لوگ جشن منایا کرتے تھے اسی جشن مسرت کا ایک حصہ ہنسی مذاق بھی تھا جو رفتہ رفتہ ترقی کرکے اپریل فول کی شکل اختیار کر گیا، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جشن مسرت کے دن لوگ ایک دوسرے کو تحفے دیا کرتے تھے ایک مرتبہ کسی نے تحفے کے نام پر کوئی مذاق کیا جو بالآخر دوسرے لوگوں میں بھی رواج پکڑ گیا۔(۳)

(۳) اپریل فول کی تیسری تاریخی روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ ۲۱/ مارچ سے چوں کہ موسم میں تبدیلیاں آنا شروع ہوجاتی ہیں ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں

---

(۱) ذکر و فکر ٦٩

(۲) برٹانیکا پندرہواں ایڈیشن ۲۹۲/۸

(۳) ذکر و فکر ٦٢

نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے، لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بے وقوف بنانا شروع کر دیا۔ (۱)

اس تاریخی تفصیل سے معلوم ہوا کہ اپریل فول کی یہ رسم بد یا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اذیت و تکلیف دینے اور ان کا مذاق اڑانے کی یادگار کے طور پر مقرر کی گئی ہے، یا وینس نامی دیوی کی طرف منسوب ہے یا (معاذ اللہ) قدرت کے نام نہاد مذاق کا ردعمل ہے اس لئے اس رسم کا رشتہ، بت کا تقدس تو ہم پرستی یا پھر ایک پیغمبر کے ساتھ گستاخانہ مذاق سے جڑا ہوا ہے۔

علاوہ ازیں یہ رسم یہودیوں، عیسائیوں اور خدا بیزار لوگوں کا وطیرہ اور ان کا خاص شعار بن چکی ہے اس لئے اس رسم کے ارتکاب میں مذکورہ ساری خرابیوں کے علاوہ بے دین لوگوں کی روش کی پیروی اور ان کے ساتھ مشابہت بھی ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے کسی صورت میں اس رسم میں شرکت ناجائز و حرام ہے۔

اپریل فول نصاریٰ کا مذہبی شعار

حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اپریل فول کے متعلق میں ہمیشہ یہ خیال کرتا تھا کہ یہ بھی یورپ کی انھیں لغو و بے ہودہ رسوم میں سے ہے جو ان کی عیاشی اور تفریح طبع کے لیے آئے دن ایجاد ہوتی رہتی ہے؛ لیکن ایک روز اتفاقاً اس کا ذکر اپنے استاذ محترم رئیس المتکلمین مفسر قرآن شارح مسلم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ فقط یہی نہیں ہے کہ یہ یورپ کی ایک تفریحی نمائش ہے؛ بلکہ یہ درحقیقت نصاریٰ کی ایک

---

(۱) برتانیکا ۱/٤٩٦

مذہبی رسم ہے اور مسلمان اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو گئے اور مولانا موصوف نے اس کے لیے دائرۃ المعارف علامہ فرید وجدی کا حوالہ پیش فرمایا۔(۱)

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپریل فول محض ایک قومی رسم نہیں ہے بلکہ یہود ونصاریٰ کی خالص مذھبیۃ اور مشرکانہ عقائد پر مبنی رسم ہے اپریل فول کے ارتکاب میں بیک وقت کئی کبیرہ گناہوں کا ارتکاب لازم آتا ہے:

(۱) جھوٹ (۲) خیانت (۳) دھوکہ (۴) ایذاء رسانی (۵) مذہبیات میں غیروں کی مشابہت (۶) انسانیت (۷) لایعنی وفضول اعمال واقوال (۸) اور بسا اوقات گناہ کو جائز سمجھنا ظاہر ہے ان میں سے ہر ایک بجائے خود معصیت کبیرہ ہے پھر جو رسم ان سب کا معجون اور مجموعہ ہو اس کی سنگینی کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے؛ لیکن افسوس یہ بدتہذیبی جو اخلاقی سماجی شرعی خرافات کا پلندہ ہے ہمارے اسلامی معاشرے میں تہذیب وتمدن کے نام پر جگہ پا رہی ہے۔

---

(۱) جواہر الفقہ: ۷/۵۰۲، ط زکریا دیوبند

ویلین ٹائن ڈے

۱۴ ارفروری کو یوم محبت، یوم عاشقاں یا ویلنٹائن ڈے کے نام سے ایک جشن منایا جاتا ہے نوجوان لڑکے، لڑکیاں، سرخ رنگ کے لباس میں ملبوس ہوکر ایک دوسرے سے اظہار محبت کرتے ہیں، گلاب، سرخ رنگ کے تحفے اور محبت کی علامت والے گفٹوں کا تبادلہ ہوتا ہے، فحش مضامین اور فحش تصاویر کے ساتھ کارڈ چھپائے جاتے ہیں، خاص اس مناسبت سے کیک بنائے جاتے ہیں اور محبت کے نام پر بے حیائی کا بازار گرم ہوتا ہے داد عیش دی جاتی ہے، جام وسرور کا بازار سجتا ہے شراب وشباب کی محفلیں جمتی ہیں اور تہذیب کے نام پر بدتہذیبی کی تمام حدود پار کردی جاتی ہیں۔

پہلے پہل محبت کا یہ بدنام دن صرف امریکہ اور یوروپ کی اخلاق واقدار سے عاری تنگ وتاریک محفلوں اور جھومتے گاتے نائٹ کلب کی بزم میں ہی روایتی انداز سے منایا جاتا تھا؛ لیکن اسے ہماری بدقسمتی کہیے یا ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی ستم ظریفی کو دوش دیجیے کہ مغرب سے اٹھنے والا ہر نعرہ ہر تہوار اور ہر رسم و رواج خواہ وہ کیسا ہی اسلامی اقدار سے متصادم ہو نہ صرف یہ کہ ہمارے معاشرہ میں قبول ہوتا ہے؛ بلکہ اس کی نقالی اور پیروی کو مہذب ومثقف ہونے کی علامت گردانا جاتا ہے اور اس بدتہذیبی سے دور رہنے والوں کو دقیانوسی قدامت پسند ترقی کی راہ کا روڑا سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے اس نام نہاد ترقی کے نہ تھمنے والے سیلاب نے معاشرے کی رہی سہی اقدار کو بھی تہس نہس کردیا ہے۔

قطع نظر اس کے کہ یہ کتنا بھونڈا اور پھوہڑ جشن ہے لیکن بعض تاریخی روایات کی روشنی میں اس کی جڑیں غیروں کے مذہبی جشن سے جڑی ہوئی ہیں ذیل میں کچھ تاریخی روایات ذکر کی جاتی ہیں۔

تاریخی روایات

(۱) یہ ایک خالص عیسائی اور مغربی تہوار ہے جس کی داغ بیل کچھ مذہب سے بیزار لوگوں نے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے ڈالی اور بزعم خود وہ اپنے دیوتا لپوہرکس، کو خوش کرنے کے لئے اس رسم کو انجام دیتے تھے، اس رسم میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنا ساتھی چنا کرتے تھے طریقۂ کار یہ ہوتا کہ لڑکیاں بھیڑ کی کھال میں خود کو چھپا لیتی تھیں لڑکے باری باری آتے، بیری کی چھڑی سے لڑکی کی پشت پر خفیف سی ضرب لگاتے، اگر ضرب لگنے پر لڑکی اپنی جگہ چھوڑ دیتی تو لڑکا اسے لیکر چلا جاتا اور اگر لڑکی جگہ نہ چھوڑتی تو لڑکا آگے بڑھ جاتا یہ رسم اس وقت ختم ہوتی جب آخری لڑکی بھی اپنی جگہ چھوڑ دیتی اس دن کو "یوم محبت" اور اس رسم کو سینٹ ویلینٹائن ڈے" کا نام دیا گیا۔(۱)

(۲) اس کے آغاز کے سلسلے میں بعض مؤرخین نے یہ ذکر کیا ہے کہ رومیوں کا خیال یہ تھا کہ وسط فروری سے دنیا بھر میں پرندوں کے جنسی اختلاط کا دور شروع ہو جاتا ہے، نر و مادہ پرندے ملاپ کرتے ہیں انڈے دیتے ہیں پھر پرندوں کی مادہ ان انڈوں پر بیٹھ جاتی ہے انگریزی میں اس موسم کو "میٹنگ سیزن" کہا جاتا ہے، اس لئے ٹھیک ۱۴ رفروری کو یوم عاشقاں منانے کی بنیاد ڈالی گئی کیونکہ وہ کہتے تھے کہ جس موسم میں پرندے آپس میں ملتے ہیں اس میں انسان ایک دوسرے سے کیوں دور رہیں۔(۲)

(۱) ویلینٹائن ڈے ٤٨، عبد الوارث ساجد (۲) ایضا ٤٦

(۳) بعض مؤرخین اس رسم کی آغاز کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فروری کا وسط اہل روم کے لئے زمانہ قدیم سے متبرک سمجھا جاتا تھا۔ ۱۴ رفروری کو رومی موسم سرما اور گرما کا عین درمیان سمجھتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ یہ دو موسموں کے ملاپ کا دن ہے اس دن اہل روم گھروں کو خصوصی طور پر صاف کرتے تھے پورے گھر پر نمک اور خاص قسم کی گندم بکھیرتے، خوشبودار اگربتیوں کو سلگایا جاتا تھا، اہل روم کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ زراعت کے دیوتا Faunus، کا دن ہے اہل شہر اس دن Faunus کے مقدس غار کے گرد جمع ہوجاتے، مقدس دعائیں پڑھتے اور اس کے بعد ایک کتے اور ایک بکری کی قربانی کرتے ان کے سروں کے باریک ٹکڑے کرکے ان کے خون سے رسیاں رنگ کر کھیتوں اور شہر کے گرد گھماتے عورتیں ان رسیوں کو بطور تبرک اپنے بدن سے مس کرتی تھیں، اہل روم کے عقیدے کے مطابق یہ رسیاں شہر میں گھمانے سے شہر میں خوشحالی آئیگی کھیتوں میں لے جانے سے فصلیں اچھی ہوں گی اور خواتین کو مس کرنے سے صحت مند اور پاکباز اولاد ہوگی، پھر رفتہ رفتہ یہی تہوار ویلن ٹائن ڈے کی شکل اختیار کر گیا۔(۱)

(۴) ایک روایت کے مطابق شہنشاہ کلاڈلس دوم کے عہد میں روم کی سرزمین مسلسل جنگوں کی وجہ سے کشت وخون کا مرکز بنی رہی ایک مرتبہ کلاڈلیس کو اپنی فوج کے لئے مردوں کی فوج بہت کم نظر آئی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ روم کے نوجوان اپنی بیویوں کو چھوڑ کر پردیس لڑنے کے لئے جانا پسند نہ کرتے تھے بادشاہ نے اس کا یہ حل نکالا کہ ایک خاص عرصے کے لئے شادی پر پابندی لگادی

(۱) ایضا ٤٥ ـ ٤٦

تا کہ نوجوانوں کو فوج میں شمولیت کے لئے آمادہ کیا جا سکے اس موقع پر پرسینٹ ویلنٹائن نے "سینٹ ماربس" کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر نوجوان جوڑوں کی شادی کروانے کا اہتمام کیا، لیکن یہ راز زیادہ دنوں تک راز نہ رہ سکا اور پردہ فاش ہونے پر سینٹ ویلنٹائن کو گرفتار کر لیا گیا، جیل میں یہ پادری جیلر کی بیٹی کو دل دے بیٹھا جو وہاں اپنے والد کو کھانا لایا کرتی تھی چوں کہ عیسائی قوانین کے مطابق پادریوں اور راہبوں کے لئے شادی یا محبت ممنوع تھی اس لئے معلوم ہونے پر اسے ۱۴ رفروری ۲۷۰ ع۔ (بعض روایتوں کے مطابق ۲۶۹ ع) میں پھانسی دے دی گئی، مرنے سے پہلے ویلنٹائن نے اپنی محبوبہ کے نام آخری خط لکھا جس کا اختتام Velentine. Your.from کے الفاظ سے کیا اسی واقعہ کی یاد تازہ کرنے کے لئے یہ دن یوم محبت کے طور پر منانے کا رواج ہو گیا۔(۱)

(۵) ۱۴ رفروری ویلنٹائن کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں ویلنٹائن نامی رومی پادری ایک راہبہ کے دام محبت میں گرفتار ہو گیا چوں کہ عیسائیت میں راہبوں اور راہبات کے لئے نکاح ممنوع تھا اس لئے ایک دن ویلنٹائن نے اپنی معشوقہ کی تشفی کے لئے اسے بتایا کہ خواب میں اسے بتایا گیا ہے کہ ۱۴ رفروری کا دن ایسا ہے کہ اس میں اگر کوئی راہب یا راہبہ جسمانی تعلقات بھی قائم کر لیں تو اسے گناہ نہیں سمجھا جائے گا راہبہ نے اس پر یقین کر لیا اور دونوں جوش جنوں میں سب کچھ کر گزرے کلیسا کی روایات کی دھجیاں اڑانے پر ان کو قتل کر دیا گیا، کچھ عرصے بعد چند لوگوں نے انہیں شہید محبت جان کر ان کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا اور رفتہ رفتہ ان کی یاد میں یہ دن منایا جانے لگا۔(۲)

---

(۱) ایضا ۳۸ - ۳۹ (۲) ایضا ٤۲

یہ حقیقت ہے کہ ویلنٹائن ڈے کی تاریخ، روایات کے انبار تلے دبی ہوئی ہے، اور روایات کا یہ دفتر اسرائیلیات سے بھی بدتر ہے، ہزاروں طرح کے افسانے، توھماتی مفروضہ خیالات اور بے سروپا خیالی داستانیں اس دن اور اس تہوار کی مناسبت سے گھڑی گئی ہیں اس لئے حتمی طور پر کوئی مستند روایت اس سے متعلق نہیں مل سکتی؛ البتہ ماقبل میں ہم نے مشہور اور نسبۃ معتبر روایات ذکر کردی ہیں۔

اگرچہ اس رسم کی ابتداء تو رومیوں سے ہوئی تھی لیکن یہ دن فرانس، انگلینڈ، برطانیہ، اور دیگر مغربی ممالک میں بطور خاص منایا جانے لگا، اس رسم کے غیر معقول ہونے اور بہت سے پادریوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ دن بالکل معدوم ہوگیا تھا اور قریب تھا کہ سینوں اور سفینوں سے اس کا وجود ختم ہو جائے لیکن چودھوی صدی عیسوی میں ایک اسکالر ہنری اس henty ansgan اس موضوع پر اپنی کتاب لکھی اور عشق و محبت کی خود ساختہ اور فرضی کہانیوں کے ذریعہ اسے محبت کے دن کے نام سے دوبارہ دنیا میں روشناس کرایا، اٹھارویں صدی عیسوی میں اسے فرانس اور انگلینڈ میں سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ عشق و محبت کا یہ خود ساختہ مفروضہ دنیا بھر میں ہر سال مزید جدت و حدت اور جوش وخروش کے ساتھ منایا جانے لگا۔(۱)

معلوم ہوا کہ یہ عیسائیوں اور قدیم رومن مشرکوں کا مذہبی تہوار اور مشرکانہ رسم ہے جس کی جڑیں بتوں کے تقدس، شعائر کفر کی تعظیم، توھم پرستی، باطل نظریات، مزعومہ داستانیں اور مفروضہ اوھام وخیالات سے جڑی ہوئی ہیں، پھر طرہ یہ کہ اس رسم بد کے منانے میں بے حیائی، فحاشی وعریانیت، بدنظری، و بے پردگی، مردوزن کا اختلاط، جنسی بے راہ روی، زنا یا اسباب زنا کا وقوع۔

---

(۱) یوم محبت ۱۲-۱۳ سراج الحق سعادتی

یہ امور گویا خاصہ ذات ہیں اس لئے یہ چند در چند خرافات کا مجموعہ ہونے کے ساتھ اس میں غیروں کی مشابہت بھی لازم آتی ہے اس لئے قطع نظر دیگر محرمات ومفاسد کے خود غیروں کے امور مذہبی میں مشابہت کی وجہ سے حرام ہوگا۔

نیز اس موقع پر عشاق کی طرف سے ایک دوسرے کو جو ہدایا اور تحائف دئے جاتے ہیں ان کا لینا اور دینا ناجائز وحرام ہے؛ کیونکہ درحقیقت یہ رشوت ہے جو حرام وناجائز محبت کو استوار و پائیدار کرنے کے لئے دی جارہی ہے: قال ابن نجیم: ما یدفعه المتعاشقان، رشوة یجب ردها ولا تملك۔ (۱)

اس سے متعلق فتاویٰ: چوں کہ ویلنٹائن ڈے بہت سے حرام امور پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ غیروں کا مذہبی یا ثقافتی تہوار ہے اس لئے کسی مسلمان کے لئے اس میں کسی بھی طرح کی شرکت حرام وناجائز ہے، عرب وعجم کے اہل علم نے متفقہ طور پر اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے، شیخ محمد بن صالح العثیمن اس سے متعلق استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ویلنٹائن ڈے کا منانا اور اس میں حصہ لینا کئی وجوہ سے حرام ہے:

(۱) یہ ایک ایسا موقع ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے یعنی بدعی تہوار ہے (۲) یہ تہوار ناجائز عشق ومحبت کا داعی ہے جس کی شریعت اسلامیہ میں گنجائش نہیں ہے (۳) یہ تہوار دل کو اس طرح کے رذیل امور میں مشغول کر دیتا ہے جو سلف صالحین کے طریقے سے ہٹ کر ہیں، لہٰذا اس دن اس تہوار کی کوئی علامت اور شعار ظاہر کرنا جائز نہیں ہے چاہے وہ کھانے پینے میں ہو یا لباس میں، تحفے تحائف کے تبادلے کی شکل میں ہو یا اس کے علاوہ کسی اور شکل میں ہو بہر حال ممنوع ہے۔ (۲)

---

(۱) البحر الحرائق کتاب القضاء ٦/٤٤١ (۲) مجموع فتاوىٰ الشیخ ابن عثیمن ١٦/١٩٩

اللجنة الدائمة کافتویٰ:

سوال: بعض لوگ ۱۴ ؍فروری کو یوم محبت ویلنٹائن ڈے کا تہوار مناتے ہیں اور اس دن آپس میں ایک دوسرے کو سرخ گلاب کے پھول ہدیے میں دیتے ہیں اور سرخ رنگ کا لباس پہنتے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارکباد بھی دیتے ہیں، اور بعض مٹھائی کی دکان والے سرخ رنگ کی مٹھائی تیار کرکے اس پر دل کا نشان بناتے ہیں اور بعض دکاندار تاجر حضرات اس دن اپنے مال پر مخصوص اعلانات چسپاں کرتے ہیں تو اس سلسلے میں شرعی رائے کیا ہے؟

جواب: یہ سب بدعی تہوار ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے مسلمانوں کے لئے ان کا منانا یا اقرار کرنا یا اس تہوار سے خوش ہونا یا اس تہوار کا کسی بھی ذریعے سے تعاون کرنا جائز نہیں؛ نیز جب یہ بات متحقق ہوگئی کہ منایا جانے والا تہوار ویلنٹائن ڈے کفار کا ایجاد کردہ اور انہیں کا تہوار ہے تو یہ گناہ و معصیت ہے اس لئے کہ اس میں کفار کی مشابہت اور موالات ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کے لئے اس تہوار یا دیگر حرام تہواروں میں کسی بھی طرح کی اعانت کرنا حرام ہے خواہ وہ تعاون کھانے پینے، خرید وفروخت، یا صناعت، یاہدایا وتحائف، نیز خط وکتابت یا اعلانات وغیرہ کے ذریعہ ہو۔(۱)

المسائل المہمہ میں ہے: اسکولوں کے بچوں میں ہر سال ۱۴ ؍فروری کو ویلنٹائن ڈے کے نام سے ایک جشن منایا جاتا ہے جس میں آپس میں اسٹوڈینس (students) ایک دوسرے کو گلاب کے پھول وغیرہ پیش کرکے محبت کا اظہار کرتے ہیں یہ ویلنٹائن ڈے منانا شرعاً ناجائز وحرام ہے۔(۲)

---

(۱) دائمی کمیٹی برائے تحقیق وافتاء فتویٰ: ۲۱۲۰۳ (۲) ۶/ ۴۶-۴۸، بحوالہ یوم محبت ۲۱ تا ۲۴

برتھ ڈے

مغربی تہذیب کی یلغار کا ایک امر برتھ ڈے اور سالگرہ کی تقریب ہے جس میں پیدائش کی تاریخ آنے پر یوم میلاد منایا جاتا ہے، محفلیں منعقد کی جاتی ہیں عزیز واقارب دوست واحباب کو کھانے کی دعوت دی جاتی ہے، موم بتیاں جلا کر مخصوص قسم کا کیک کاٹا جاتا ہے، خوشی میں ایک دوسرے کو گراں قدر تحفے تحائف دئے جاتے ہیں اور سالگرہ کی مبارکباد دی جاتی ہے۔

یہ برتھ ڈے کی رسم بھی عیسائیوں کا ثقافتی تہوار اور ان کی رسوم وعادات میں سے ہے جو اسلامی مزاج کے بالکل منافی ہے، دیوار حیات کی ایک اینٹ کا گر جانا، گنے چنے سالوں میں سے عمر کا ایک سال کم ہو جانا یہ کوئی خوشی منانے تقریبات منعقد کرنے محفلیں جمانے کا موقع نہیں ہے بلکہ احتساب زندگی اور محاسبۂ نفس کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حیات مستعار کی یہ گھڑیاں، دائمی زندگی اور حیات جاودانی کو بنانے اور سنوارنے کے لئے دی تھیں اس میں ہم نے کس حد تک کامیابی حاصل کی، خدا کی توفیق سے ہونے والی طاعت پر شکر ادا کیا جاتا، اور نفس شیطان کی چالوں میں پھنس کر جو معاصی سرزد ہوئی ہیں ان سے سچی توبہ کی جاتی نہ یہ کہ زندگی گزرنے پر خوشی منائی جائے یا کسی دن کو بذات خود خاص خوشی کا دن ٹھرالیا جائے یہ غیروں کا طرز اور ان کی تہذیب ہے ایک مسلمان کی اصل خوشی خدا اور رسول کی تابعداری اور سچی اطاعت میں ہے، اور برتھ ڈے منانا نہ کتاب وسنت سے ثابت ہے نہ صحابہ وتابعین، ائمہ متبوعین اور سلف

صالحین سے بلکہ یہ خاص عیسائیوں کی ایجاد کردہ رسم ہے اس لئے اس طرح برتھ ڈے منانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ حضرت فقیہ الامت تحریر فرماتے ہیں: سالگرہ پیدائش سے سال بھر پورا ہونے پر تقریب اور خوشی منانا یہ اسلامی تعلیم نہیں ہے یہ غیروں کا طریقہ ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔(۱)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: سالگرہ منانے کا جو طریقہ رائج ہے (مثلاً کیک کاٹتے ہیں) یہ ضروری نہیں بلکہ قابل ترک ہے غیروں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے۔(۲)

صاحب احسن الفتاوی لکھتے ہیں: سال گرہ منانا ایک قبیح رسم ہے اس کا ترک واجب ہے، اصل سالگرہ تو یہ ہے کہ ایسے موقع پر اپنی زندگی کا احتساب کیا جائے اپنے اعمال کے بارے میں سوچا جائے کہ جنت کی طرف لے جا رہے ہیں یا جہنم کی طرف۔(۳)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: سالگرہ منانے کی رسم انگریزوں کی جاری کی ہوئی ہے، آگے لکھتے ہیں: تحفہ دینا اچھی بات ہے لیکن سالگرہ کی بنا پر دینا بدعت ہے۔(۴)

کفایت المفتی میں مذکور ہے: سالگرہ منانا کوئی شرعی تقریب نہیں ہے ایک حساب اور تاریخ کی یادگار ہے اس کے لئے یہ تمام فضولیات محض عبث اور التزام مالا یلزم میں داخل ہیں۔(۵)

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ ۳۶۰/۷ جامعہ محمودیہ طبع قدیم

(۲) فتاویٰ رحیمیہ ۳۲۰/۶ قدیم (۳) احسن الفتاوی ۱۵۵/۸

(۴) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۸۷/۸ ط نعیمیہ

(۵) کفایت المفتی ۸۴/۹ ط دار الاشاعت

کتاب الفتاوی میں ہے: پیدائش کی سالگرہ غیر شرعی عمل ہے نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے اور نہ اپنے بچوں کی سالگرہ منائی نہ صحابہ نے نہ بعد کے سلف صالحین نے یہ مغربی ثقافت کی دین ہے کیک کاٹنا، موم بتی جلانا اور بجھانا دوسری قوموں کے اثرات ہیں اس لئے ایسے رسم ورواج سے بچنا چاہئے۔(۱)

جدید فقہی مسائل میں ہے: برتھ ڈے کا رواج اصل میں مغربی تہذیب کی برآمدات میں سے ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کا یوم پیدائش بھی مناتے ہیں، آپ ﷺ نے دوسری قوموں کی مذہبی اور تہذیبی مماثلت اختیار کرنے کو ناپسند فرمایا ہے اس لئے جائز نہیں ہے مسلمانوں کو ایسے غیر دینی اعمال سے بچنا چاہئے۔(۲)

فتاوی دار العلوم زکریا میں ہے: فی زمانناسالگرہ غیر مسلموں کی ایک خاص رسم میں شامل ہے پھر اس میں بہت سارے خرافات اور اسراف وغیرہ شامل ہونے کی وجہ سے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔(۳)

فتاویٰ حقانیہ سے ایک سوال وجواب ملاحظہ ہو:

سوال: آج کل خوشی منانے کی ایک عجیب رسم کا رواج ہے وہ یہ کہ جس کسی کی پیدائش کی تاریخ یادن آجاتا ہے تو عزیز واقارب کو کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور پھر بڑی دھوم دھام سے موم بتیاں جلا کر مخصوص قسم کا کیک کاٹا جاتا ہے معاشرے میں اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے لوگ اس خوشی میں ایک دوسرے کو گراں قدر تحفے تحائف دیتے ہیں اور اس سب کو سال گرہ کہا جاتا ہے تو کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے اور اس قسم کی دعوت میں شرکت کرنا تحفہ وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) کتاب الفتاوی: ۲۸۵/۶

(۲) جدید فقہی مسائل ۴٦٨/١ ط نعیمیہ دیوبند

(۳) فتاویٰ دار العلوم زکریا ۲۸۷/۸ حظر و اباحت

جواب: اسلام میں اس قسم کے رواج کا کوئی ثبوت نہیں ہے خیر القرون میں کسی صحابی، تابعی، تبع تابعی یا ائمہ اربعہ میں سے کسی سے مروجہ طریقہ پر سال گرہ منانا ثابت نہیں ہے یہ رسم بد انگریزوں کی ایجاد کردہ ہے۔۔۔ایسی دعوت میں شرکت کرنا اور تحفے تحائف دینا فضول ہے شریعت مقدسہ میں اس کی قطعا اجازت نہیں ہے۔(۱)

برتھ ڈے سے متعلق دار الافتاء دار العلوم دیوبند کا ایک جواب ملاحظہ ہو:

غیروں کے مذہبی طور طریقوں کو اختیار کرنا یا ان کے خصوصی شعار کو اپنانا حرام ہے ان کے دیگر رسوم و عادات کو اپنانا مکروہ ہے؛ من تشبه بقوم فهو منهم الحديث. برتھ ڈے عیسی علیہ السلام کی یوم پیدائش منانے کا اہتمام بطور مذہبی طریقے کے ہے اور دیگر لوگوں کے لئے اپنا برتھ ڈے منانے کا رواج عیسائیوں کا شعار ہے ان دونوں سے مسلمانوں کو احتراز کرنا لازم ہے۔(۲)

الغرض اکابرین کے ان طویل اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ برتھ ڈے ایک غیر شرعی تقریب ہے جو عیسائیوں کا ثقافتی جشن ہے اور ان کی رسوم و عادات خاصہ میں سے ہے اس لئے برتھ ڈے منانا جائز نہیں ہے؛ البتہ چوں کہ یہ ان کے مذہبی شعار اور امر دین سے متعلق نہیں ہے بلکہ قومی ثقافت ہے، اس لئے یہ حرام نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہوگا۔(۳)

اشکال: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رشیدیہ میں سال گرہ منانے کی اجازت دی ہے اور اسے مباح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو: سالگرہ یاد داشت عمر اطفال کے واسطے کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا اور بعد سال کے کھانا لوجہ اللہ کھلانا بھی درست ہے۔(۴)

---

(۱) فتاویٰ حقانیه ۲/۷٤-۷٥ (۲) فتوی آئ ڈی، د /۱۳٤٥ - جواب ۷۱٥٥

(۳) نیز دیکھئے؛کتاب النوازل ۲٤٤/۱۷، محمود الفتاوی: ٤٤٩، اسلام اور ہماری زندگی:۳۰۸/۸

(۴) فتاویٰ رشیدیہ:۵۵۴،اسلامی کتب خانہ

جواب: ممکن ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں سال گرہ میں موجودہ زمانے کی خرافات اور غیر ضروری رسومات نہ ہوں اور محض حساب اور تاریخ پیدائش یاد رکھنے کے لئے گھر میں کچھ اہتمام ہو جاتا ہو، یا پھر اس کا غیروں کا شعار ہونا حضرت کے سامنے واضح نہ ہو سکا ہو، فتاوی دار العلوم زکریا میں ہے: ہاں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سال گرہ کی اجازت مرحمت فرمائی تھی وہ اس وجہ سے کہ ان کے زمانے میں یہ باتیں نہیں تھیں۔(۱)

الغرض راجح یہی ہے کہ یہ غیروں کی رسم ہے اور بہت سے خرافات پر مشتمل ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: سال گرہ کی تقریب منانا کیک وغیرہ کاٹنا موم بتیاں جلانا، بجھانا یہ غیروں کی مخصوص تہذیب وثقافت ہے اس لئے سال گرہ منانا ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔

مسئلہ: چوں کہ سال گرہ کی تقریب ایک غیر شرعی عمل ہے اس لئے اس تقریب میں شریک ہونا اور اس کی دعوت قبول کرنا اس مناسبت سے تحفے تحائف دینا، خاص اس مناسبت سے کیک گھر میں لانا کھانا کھلانا، وغیرہ یہ سب امور حسب مراتب مکروہ وغیر درست ہیں کسی میں کراہت زیادہ ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی میں کم۔(۲)

مسئلہ: اس موقع پر مبارکبادی کا عمل بھی درست نہیں ہے، دار الإفتاء دار العلوم دیوبند کا ایک سوال وجواب ملاحظہ ہو:

---

(۱) فتاویٰ دار العلوم زکریا ۲۸۷/۸

(۲) مستفاد از آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/ ۵۱۸۔۵۱۹

سوال: اسلام میں جنم دن یا سال گرہ منانا یا اس کی مبارکبادی دینا حرام ہے یا مکروہ؟

جواب: نبی کریم ﷺ سے حضراتِ صحابہ کرام وتابعین سے ائمہ اربعہ سے بزرگان دین سے جنم دن یا سال گرہ منانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا یہ غیر قوموں کا طریقہ ہے ہم مسلمانوں کو غیروں کا طریقہ اپنانا جائز نہیں ہے نہ ہی اس موقع پر مبارکباد دینا درست ہے۔(۱)

مسئلہ: اگر خاص اس مناسبت سے کوئی تحفہ، مٹھائی یا کوئی چیز لا کر دے تو اسے قبول کرنا بھی درست نہیں ہے اس سے اس باطل رسم کی حوصلہ افزائی اور اس میں ایک طرح سے تعاون ہوگا۔

مسئلہ: جس طرح پیدائش کی سالگرہ منانا جائز نہیں ہے اسی طرح شادی بلکہ کسی اور چیز کی برسی، یا سالگرہ منانا جائز نہیں ہے یہ غیروں کی ایجاد کردہ رسم ہے، دارال اِفتاء دارالعلوم دیو بند کا ایک سوال و جواب ملاحظہ ہو:

سوال: شادی کی سال گرہ منانے کے بارے میں علماء دیو بند کی کیا رائے ہے؟

جواب: پیدائش، شادی یا کسی اور چیز کی سال گرہ منانا اسلامی چیز نہیں ہے بلکہ یہ غیروں کی ایجاد کردہ رسم ہے اور از قبیل فضول و واھیات ہے اس لئے اس سے احتراز چاہئے۔(۲)

---

(۱) فتوی-ب، جواب: ۳۷۰۰۲

(۲) فتوی، ن جواب: ۶۳۱۷۷

کرسمس کی حقیقت

کرسمس کالغوی مفہوم: کرسمس دوالفاظ کرائسٹ (crist) اور ماس (mass) کا مرکب ہے۔ کرائسٹ حضرت مسیح علیہ السلام کو کہتے ہیں اور ماس کا مطلب ہے اجتماع یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے اکٹھا ہونا ان کے نام پر موجودہ ہیئت کے ساتھ جمع ہونا یوم ولادت مسیح منانا۔

چوتھی صدی عیسوی سے پہلے عیسائی دنیا اس نام اور اس تہوار سے ناآشنا تھی عیسائی گرجا گھروں میں عبادت کرتے تھے اپنے طریقے کے مطابق اپنی مذہبیات پر عمل پیرا ہوتے تھے لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کی یوم ولادت منانے کا تصور ان میں نہیں آیا تھا۔(۱)

کرسمس کی ابتداء: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے کم ازکم تین صدیوں تک عیسائیوں میں یہ تہوار نہیں منایا جاتا تھا مشہور ہے کہ روم کے ایک بادشاہ کانسٹنٹائن نے اپنے دور میں اس تہوار کو ایجاد کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تمام رومی سلطنت میں ستارہ پرستی سورج پرستی اور بت پرستی عام تھی یہی ان لوگوں کا مذہب تھا اس لئے شاہ کانسٹنٹائن نے اپنی سلطنت کی بت پرست عوام کو عیسائیت سے قریب کرنے کے لیے کرسمس کو ایجاد کیا، اور سورج پرست اقوام میں سال میں ایک مرتبہ سورج دیوتا کا دن منایا جاتا تھا اور یہ ٹھیک ۲۵/دسمبر کو منایا جاتا تھا ان کا خیال تھا کہ اسی دن سورج دیوتا نے اس دنیا

(۱) کرسمس کی حقیقت: ۲۴، نیز شاہ راہ علم فقہ المناسبات ص: ۲۰۰

میں جنم لیا تھا شاہ کانسٹنٹائن اوراس دور کے اہل کلیسا نے کمال ہوشیاری سے اس دن یوم ولادت مسیح یعنی کرسمس منانا طے کردیا تاکہ بت پرست جشن بھی مناتے رہیں اوران کا رخ دیوتا سے ہٹ کر حضرت عیسی علیہ السلام کی جانب ہوجائے۔(۱)

سابق پادری گلزار احمد لکھتے ہیں: یادرہے کہ مسیح علیہ السلام کی صحیح تاریخ پیدائش کا کسی کو علم نہیں تیسری صدی میں اسکندریہ کے کلیمنٹ نے رائے دی تھی کہ اسے ۲۰رمئی کو منایا جائے لیکن ۲۵ردسمبر کو پہلے پہل روم میں اس لئے مقرر کیا گیا تاکہ اس وقت کے غیر مسیحی تہوار جشن زحل کو(satornalia) جوراس الجدی کے موقع پر ہوتا تھا پسِ پشت ڈال کر اس کی جگہ مسیح علیہ السلام کی سالگرہ منائی جائے۔(۲)

ممتاز سائنس دان جینز چارج فریزر(frazer) نے لکھا ہے کہ چرچ نے ۲۵ردسمبر کو کرسمس منانے کا فیصلہ رومی مشرکوں کو عیسائیت میں داخل کرنے کے لئے کیا تھا۔(۳)

دوسری روایت: کرسمس کی ابتدا کس پس منظر میں ہوئی اس کے بارے میں کوئی حتمی اور تحقیقی بات تو مشکل ہے البتہ بعض منقول داستانیں اور زبان زد روایات ہیں انھیں میں سے ایک سبب یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ روم میں ۳۳۶ء میں اس کا آغاز ہوا۔

دراصل ان دنوں گرجا گھر اور تخت میں بڑا اتفاق ہوتا تھا بادشاہوں کو اپنے غیر قانونی غیر اخلاقی اور غیر شرعی احکام کی تصدیق کے لیے چرچ کی مدد درکار ہوتی تھی اور پادریوں کو بھی بادشاہوں کی عنایات مطلوب ہوتی تھیں اور جن

(۱) کرسمس عیسائیوں سے مسلمانوں تک ۱۳۔۱۴ (۲) ایضاً:۱۲ (۳) ایضاً:۱۴

چیزوں کو پادری دوام وجاودانی دینا چاہتے اسے بادشاہوں کی سرپرستی دلادیتے اور بادشاہ جن غلاظتوں اور گندگیوں کو رائج کرنا چاہتے انہیں مذہب کی پشت پناہی دلوادیتے۔

اس وقت کے اس منظر نامے میں روم میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا روم شہر میں مشعلیں بنانے والے ایک کاریگر نے ایک ایسی مشعل بناڈالی جس میں تیل نہیں ڈالنا پڑتا تھا اس مشعل کو سیدھا کھڑا کر کے اس کے فیتے کو آگ لگادی جاتی اور یہ گھنٹوں جلتی رہتی یہ مشعل ایک دلچسپ ایجاد تھی یہ مشعل آگے چل کر موم بتی یا کینڈل کہلائی لیکن یہ موم بتی اس وقت صرف شاہی خاندان تک محدود تھی عام لوگ نہ تو انہیں خرید سکتے تھے نہ جلا سکتے تھے مشعل ساز (موم بتی کا موجد) کی خواہش تھی کہ یہ موم بتیاں سب خریدیں انھیں قبول عام حاصل ہوتا کہ کاروبار بھی خوب پھلے پھولے اور اس کا نام بھی مشہور ہو اس شخص کے حلقہ اصحاب میں روم شہر کا ایک پادری بھی شامل تھا ایک دن اس نوجوان نے اپنے پادری دوست کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا پادری ایک سمجھدار اور زندہ دل شخص تھا اس نے اسے سمجھایا کہ دنیا میں جو چیز مذہب کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے اسے دوام مل جاتا ہے تم کسی طریقے سے گرجا گھر سے موم بتی کا رشتہ قائم کردو۔

نوجوان کچھ دنوں تک سوچتا رہا پھر ایک دن پادری کے پاس جا کر کان میں کچھ سرگوشی کی پادری سن کر بہت خوش ہوا یہ اتوار کا دن ۲۵ /دسمبر کی تاریخ تھی اس روز پادری نے سروس کے دوران ایک نیا اعلان کیا اور حاضرین سے درخواست کی کہ آپ تمام لوگ سورج ڈوبنے کے بعد دوبارہ چرچ آئیں آج اس طرح دعا مانگی جائے گی جو مکمل ہونے سے پہلے ہی قبول ہوگی لوگوں کو اس نئے اعلان پر اگرچہ حیرت و استعجاب ہوا؛ لیکن چونکہ پادری کو علاقے میں وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس لیے لوگ وقت مقررہ پر پہنچ گئے پادری نے

تمام حاضرین کے سامنے ایک ایک موم بتی جلائی اور لوگوں سے آنکھیں بند کر کے دعا کرنے کے لئے کہا ایک گھنٹے تک یہ دعا چلتی رہی، دعا کے بعد جب لوگوں کی واپسی ہوئی تو لوگ اس نئے طریقے سے خوش اور دعا کی قبولیت کے تئیں پرامید تھے، ان میں قبولیت دعا کا چرچا تھا اور یہ ۲۵ر دسمبر ۳۳۶ ع کی تاریخ تھی پھر رفتہ رفتہ یہی بنیاد کرسمس کی موجودہ شکل میں تبدیل ہوگئی۔(۱)

عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت:

۲۵ر دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت منانا کیسے درست ہوسکتا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، تعلیم وتربیت اور وفات کے تعلق سے کوئی مستند بات اور معتبر حوالہ عیسائیوں کے پاس نہیں ہے اس تعلق سے ان کے یہاں جو معلومات ہیں انتہائی ناقص اور باہم متضاد ومضطرب ہیں جن پر اعتماد و تحقیق کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی یہی وجہ ہے کہ خود عیسائیوں نے اس کی صراحت کی ہے کہ ہمیں ولادت مسیح کی صحیح تاریخ کا علم نہیں ہے جیسا کہ سابق پادری گلزار احمد کے حوالے سے ماقبل میں گزرا بلکہ حیرت واستعجاب کی انتہا اس وقت ہوتی ہے جب ان میں سے کچھ محققین یہی کہہ دیتے ہیں کہ حضرت مسیح کا کبھی وجود ہی نہیں ہوا بلکہ وہ محض ایک خیالی فرضی اور وہمی وجود ہے جو خود عیسائیوں کی محنت اور ان کے خودساختہ مفروضات وتوہمات میں سے ہے۔

چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برناٹیکا کا بیان ہے کہ انیسویں صدی کے آخر کے ناقدین کہتے ہیں کہ یسوع سرے سے کبھی رہا ہی نہیں یسوع کی کہانی مکمل طور پر عیسائیوں کی محنت سے تیار کیا ہوا ملغوبہ اور خودتراشیدہ مفروضہ ہے۔(۲)

---

(۱) کرسمس عیسائیت سے مسلمانوں تک ۲۰۔۲۱

(۲) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ۱۲/ ۱۰۱۵ مقالہ جیمس کرافٹ بحوالہ کرسمس عیسائیت سے مسلمانوں تک ۳۶

اناجیل اربعہ میں سے صرف دو انجیل انجیل لوقا اور انجیل متی میں حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت کا قدرے تفصیلی ذکر ہے؛ لیکن یہ دونوں بیان خود باہم اس درجہ مختلف ہیں کہ انہیں ہر عقل وبصیرت رکھنے والا انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں شہنشاہ روم اوگستس کی بادشاہت اور حاکم یہود یا ہیرودیس کی حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا کوئی مستند ریکارڈ اب ہمارے پاس موجود نہیں ہے صرف اناجیل ہی وہ چار کتابیں ہیں جنہیں آپ کی حیات طیبہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ کہا جاسکتا ہے،لیکن ہمارے نزدیک ان کی حیثیت کسی قابل اعتماد نوشتہ کی نہیں ہے۔(۱)

الغرض انجیل لوقا میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت پر اس طرح روشنی ملتی ہے ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگستس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں یہ پہلی مردم شماری، اسم نویسی ،سوریہ کے حاکم کورینس کے عہد میں ہوئی اور سب لوگ اپنے نام لکھوانے اپنے اپنے شہر کو گئے، پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے اس لیے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا تاکہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اس کے وضع حمل کا وقت آ پہنچا اور اس کا پہلوٹھا بیٹا پیدا ہوا اور اس نے اس کو کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا کیونکہ ان کے واسطے سرائے میں جگہ نہ تھی اس علاقے میں چرواہے تھے جو رات کو میدان میں رہ کر اپنے گلے کی نگہبانی کر رہے تھے اور خداوند کا فرشتہ ان کے پاس آ کھڑا ہوا اور خداوند کا جلال ان کے گرد چمکا اور وہ ڈر گئے۔(۲)

---

(۱) بائبل سے قرآن تک:۱/ ۹۰ مقدمہ

(۲) انجیل لوقا:۱۔۲/ ۱۰ بحوالہ کرسمس عیسائیت سے مسلمانوں تک ص: ۳۳۔۳۴

اسی پیدائش کے واقعہ کو انجیل متی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی پس اس کے شوہر یوسف نے جو راست باز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داود اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی طرف سے ہے اس کے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہوگا۔(۱)

انجیل لوقا میں اسی پیدائش کے واقعے کو دوسری جگہ اس طرح لکھا گیا ہے کہ چھٹے مہینے میں جبرئیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نامی سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا اور فرشتے نے اس کے پاس آکر کہا سلام تجھ کو کہ جس پر فضل ہوا ہے خداوند تیرے ساتھ ہے وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئی اور سوچنے لگی کی یہ کیسا کلام ہے فرشتہ نے اس سے کہا کہ اے مریم خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے اور دیکھ تو حاملہ ہو گی اور تیرے بیٹا ہوگا اس کا نام یسوع ہوگا وہ بزرگ ہوگا اور خدا تعالی کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا۔(۲)

(۱) انجیل متی ۱۸۔۲۳ (۲) انجیل لوقا ۲۶/ ۳۴

حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت و پیدائش سے متعلق انجیل لوقا وانجیل متی میں اتنا واضح اختلاف وتناقض پایا جاتا ہے کہ خود عیسائی دنیا انگشت بدنداں ہے اورولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا کا منھ بولتا ثبوت ہے بطور نمونہ اس تناقض وتضاد کی ہلکی سی منظر کشی امام المسلمین مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی کی شہرہ آفاق کتاب اظہار الحق سے پیش کی جارہی ہے:

متی سے معلوم ہوتا ہے کی یوسف بن یعقوب اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن ہالی۔

متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کی وہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں۔

متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے تمام آباء و اجداد داؤد علیہ السلام سے ہیں۔۔۔ بابل کی جلاوطنی تک سب کے سب مشہور سلاطین اور بادشاہ تھے اس کے برعکس لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے سوائے داؤد اور ناتن کے نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ مشہور ومعروف شخص۔

متی سے معلوم ہوتا ہے کہ شائیل یکنیاہ کا بیٹا ہے اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیری کا بیٹا ہے۔

متی سے معلوم ہوتا ہے کی زرد بابل کے بیٹے کا نام ابیہود ہے اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام ریسا تھا اور مزید دلچسپ اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ زرد بابل کے بیٹوں کے نام کتاب تواریخ اول باب (۳) میں لکھے ہوئے ہیں جن میں نہ ریسا کا نام ہے نہ ابیہود کا۔

۲۶ر متی کے بیان کے مطابق داؤد علیہ السلام سے مسیح علیہ السلام تک پشتیں ہیں اور لوقا کے بیان کے مطابق ۴۱ پشتیں۔۔۔

متی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے والدین مسیح کی پیدائش کے بعد بیت اللحم ہی میں رہتے تھے جس کے قیام کی مدت تقریباً دو سال تھی اور چوں کہ وہاں آتش پرستوں کا تسلط ہو گیا تھا تو ان کے والدین مصر چلے گئے تھے اور ہیرودیس کی زندگی تک مصر ہی میں رہتے تھے اس کے مرنے کے بعد واپس لوٹے تو ناصرہ میں قیام کیا۔

اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین ان کی پیدائش کے بعد زچگی کے دن پورے کرتے ہی یروشلم چلے گئے تھے اور قربانی کی رسم ادا کر کے ناصرہ چلے آئے تھے اور وہاں پر دونوں کا مستقل قیام رہا۔

متی کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یروشلم والوں اور ہیرودیس کو آتش پرستوں کے بتانے سے قبل مسیح علیہ السلام کی ولادت کا علم نہیں ہوا تھا اور یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن جانی تھے اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین زچگی سے فراغت کے بعد قربانی کی رسم ادا کرنے یروشلم گئے تھے تو شمعون (جو ایک نیک صالح شخص اور روح القدس سے لبریز تھا اور جس کو وحی کے ذریعہ یہ بتایا گیا تھا کہ تیری موت مسیح کی زیارت سے پہلے نہ ہوگی) مسیح علیہ السلام کے دونوں بازو پکڑ کر ہیکل میں نمایاں کر کے ان کے اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کیے اس طرح حناہ نبیہ اس وقت رب کی پاکی بیان کرتے ہوئے کھڑی ہوئی اور ان لوگوں کو جو یروشلم میں مسیح کے اشتیاق وانتظار میں تھے اس نے اطلاع دی۔(۱)

---

(۱) انجیل لوقا ۲ ۳۲۔۲۵۔۲ نیز ۲/ ۳۶ تا ۳۸ بحوالہ بائبل سے قرآن تک ص:۱/ ۴۰۰

ہر شخص جانتا ہے ان دونوں بیانوں میں اگر یروشلم کے باشندوں اور ہیرودیس کو مسیح کا دشمن مانا جائے تو ایسی حالت میں یہ کیوں کر ممکن ہے کہ وہ نیک بخت جو روح القدس سے لبریز تھا ہیکل جیسے مقام پر مسیح کی خبر دیتا ہے جہاں دشمنوں کا ہر وقت مجمع تھا اور حناہ پیغمبر یروشلم جیسے مقام پر لوگوں کو اس واقعے کی اطلاع دیتی۔(۱)

الغرض حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت اور نسب میں ایسا شدید اختلاف اور اتنا تناقض ہے کہ تطبیق و تاویل کی ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ خود بڑے بڑے پادری اور محرف انجیل کے حمایتی بھی اس موقع پر حیرت کا شکار ہیں اور تسلیم کر رہے ہیں کہ دونوں بیان درست نہیں ہو سکتے۔

کلارک نے انجیل لوقا کے باب ۳ کی شرح کے ذیل میں مسٹر ہارمرسی کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ لکھتا ہے۔۔۔ ہر سمجھدار شخص جانتا ہے کہ متی اور لوقا نے خدا کے نسب بیان کرنے میں ایسا شدید اختلاف کیا ہے جس میں متقدمین اور متاخرین سبھی حیران ہیں اور غلطاں و پیچاں ہیں۔(۲)

اسی طرح مسٹر ٹورٹن حتمی طور پر لوقا کے بیان کو غلط اور متی کے بیان کو درست قرار دیتا ہے صاحب اظہار الحق لکھتے ہیں فاضل ٹورٹن اگرچہ انجیل کی حمایت کرتا ہے مگر اس موقع پر اس نے دونوں بیانوں میں حقیقی اختلاف پائے جانے کا اقرار کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا بیان درست ہے۔(۳)

(۱) بائبل سے قرآن تک ۱/۳۹۰ تا ۴۰۰ ملخصا باب اول

(۲) بائبل سے قرآن تک ۱/۳۹۲ باب اول

(۳) بائبل سے قرآن تک: ۱/۴۰۰ جلد اول

اگر اس طرح کا تناقض واختلاف پوری کتاب میں صرف ایک جگہ بھی ہوتا تو وہ الہامی وخدائی کتاب نہیں ہوسکتی چہ جائے کے موجودہ اناجیل میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں اس لئے یہ الہامی کتب تو کجا ایک معتبر تاریخ کی کتابیں بھی نہیں ہوسکتیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو شخص انجیل متی کے باب ۳ کا مقابلہ لوقا کے انجیل سے کرے گا تو زبردست اختلاف پائے گا جس سے یقین ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک بھی الہامی کتاب نہیں ہوسکتی۔(۱)

اسی طرح ایک موقع پر حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں شہنشاہ روم اگستس کی بادشاہت اور حاکم یہودیہ ہیرودیس کی حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا کوئی مستند ریکارڈ اب ہمارے پاس موجود نہیں ہے صرف اناجیل ہی وہ چار کتابیں ہیں جنھیں آپ کی حیات طیبہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ کہا جاسکتا ہے لیکن ہمارے نزدیک ان کی حیثیت کسی قابل اعتماد نوشتے کی نہیں ہے۔(۲)

انجیل لوقا کے بیان کا تجزیہ

انجیل لوقا کے جس بیان کو فاضل ٹورٹن نے درست قرار دیا ہے اگر اس کا تجزیہ کیا جائے اور تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو وہ بیان بھی زمینی حقائق سے ہم آہنگ نہیں ہوتا بلکہ چند درچند قوی قرائن کی روشنی میں وہ بھی تسلی کا سامان اور دل بہلانے کا ایک ذریعہ معلوم ہوتا ہے نیز اس بیانسے بھی کسی طرح ولادت مسیح علیہ السلام کی تاریخ ۲۵ ردسمبر ثابت نہیں ہوتی۔

(۱) بائبل سے قرآن تک: ار ۳۹۸ جلد اول (۲) مقدمہ بائبل سے قرآن تک: ار ۹۰

پہلا قرینہ: کیونکہ فلسطین اوراس کے اردگرد کے علاقوں میں دسمبر میں سخت سردی اور بارش کا موسم ہوتا ہے چنانچہ جغرافیہ دان بھی ان تمام علاقوں کو موسم سرما کی برسات کے خطے کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس پس منظر میں انجیل لوقا کے تفصیلی بیان کے مطابق ولادت مسیح علیہ السلام کی سب سے پہلے اطلاع فرشتوں نے ان چرواہوں کو دی جو ایک کھلے میدان میں اپنے گلے کی نگرانی کر رہے تھے کیا یہ بات قرین عقل ہے کہ سخت سردی اور بارش کے موسم میں ایسے خطے میں کھلے آسمان تلے جانوروں کو رکھا جائے گا پھر جبکہ اس دور میں گلہ بانی کا پیشہ ہی ان لوگوں کا گزر بسر کا ذریعہ تھا کیا یہ ممکن ہے کہ چرواہے اپنی کل ذریعہ آمدنی اور سرمایہ زندگی کے ساتھ اس طرح کا تساہل برت سکتے ہیں پھر انجیلوں کے بیان کے مطابق ایک دو چرواہے اور ان کے جانوروں کا ذکر نہیں بلکہ پورا پورا ریوڑ اور تمام چرواہے اسی طرح اپنے جانوروں کو کھلے میدان میں رکھے ہوئے تھے یہ بیان اس امر کا منھ بولتا ثبوت ہے کہ ولادت مسیح موسم سرما میں نہیں ہے اور ۲۵ ردسمبر کی تاریخ اس پس منظر سے میل نہیں کھاتی۔

دوسرا قرینہ: یہ ہے کہ اس بیان میں اس کی بھی صراحت ہے کہ جب قیصر اوگستس نے صوبہ کے اقتدار کے حدود میں آنے والے تمام علاقوں میں مردم شماری کرانے کا حکم دیا یہ پہلی مردم شماری تھی جب کورینس ملک سوریہ کا گورنر تھا سب لوگ ناموں کا اندراج کرانے اپنے اپنے گاؤں جانے لگے جس میں یوسف بھی گلیل کے ناصرہ نامی گاؤں سے نکل کر یہوداہ کے بیت اللحم گاؤں کو گئے اس بیان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام چلت پھرت اور شہروں سے اپنے اصل گاؤں کی طرف عمومی سفر کے لیے بھی موسم سرما و باراں کسی طرح مناسب نہیں ہے اس لیے عقلی قرینہ اسی بات کا مقتضی ہے کہ مردم شماری اور اس

کے لیے سفر وہ بھی عمومی بارش اور ٹھنڈ کے دنوں میں نہیں ہوسکتا پھر جب کہ اس زمانے میں لوگ بالعموم ٹھنڈی اور بارش کے دنوں میں سفر نہیں کرتے تھے سفری سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے۔

تیسرا قرینہ: قرآن کریم نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس میں بھی ایسے اشارات وقرائن ہیں جو موسم سرما میں ولادت کی نفی کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس واقعہ کا نقشہ اس طرح کھینچا:

فَحَمَلَتْهُ فَٱنتَبَذَتْ بِهِۦ مَكَانًا قَصِيًّا (٢٢) فَأَجَآءَهَا ٱلْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ ٱلنَّخْلَةِ قَالَتْ يَٰلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا (٢٣) فَنَادَىٰهَا مِن تَحْتِهَآ أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (٢٤) وَهُزِّيٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ ٱلنَّخْلَةِ تُسَٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔ (مریم: ٢٢۔٢٥)

فَكُلِي وَٱشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ ٱلْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِيٓ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ ٱلْيَوْمَ إِنسِيًّا۔ (مریم: ٢٦)

ترجمہ: پھر ہوا یہ کہ مریم کو اس بچے کا حمل ٹھر گیا (اور جب ولادت کا وقت قریب آیا) تو وہ اس کو لے کر لوگوں سے الگ ایک دور مقام پر چلی گئیں، پھر زچگی کے درد نے انھیں ایک کھجور کے درخت کے پاس پہونچا دیا وہ کہنے لگیں کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور مر کر بھولی بسری ہوجاتی پھر فرشتے نے ان کے نیچے ایک جگہ سے انھیں آواز دی غم نہ کرو تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا کردیا ہے اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ اس میں سے پکی ہوئی تازہ کھجوریں تم پر جھڑیں گی اب کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو

اور اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے) کہہ
دینا کہ آج میں نے خدائے رحمن کے لیے ایک روزے کی منت
مانی ہے۔

ان آیات میں اشارہ ہے کہ دردزہ انہیں ایک کھجور کے درخت کے پاس لے آیا اور اس درخت پر پکی ہوئی تر و تازہ کھجوریں لگی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسطین میں کھجوروں کے پکنے کا وقت تھا اور ظاہر ہے کہ کھجوریں ٹھنڈی کے موسم میں نہیں پکتی بلکہ سخت گرمی کے موسم میں پکتی ہیں اور آج بھی فلسطین میں کھجوریں جون یا جولائی کے مہینے میں تیار ہوتی ہیں۔

الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا دن ۲۵/دسمبر قرائن قویہ کی روشنی میں نہیں ہوسکتا، اس لئے عیسائیوں کی طرف سے ولادت مسیح کے لیے یہ دن مقرر کرنا اپنے پیچھے کچھ سربستہ راز اور مختلف مقاصد رکھتا ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ درحقیقت یہ تاریخ اور دن غیر مسلموں کے سورج دیوتا کے برتھ ڈے منانے کی موافقت میں رکھا گیا۔

کرسمس ٹری: کرسمس اس وقت تک نامکمل ہے جب تک کہ کرسمس ٹری کی رسم پوری آب و تاب کے ساتھ نہ منائی جائے اس رسم کے موقع پر مسیحی اور اب انھیں کی نقش قدم پر بہت سے مسلمان اپنے گھروں میں سرو کے پودے کو رنگ برنگی روشنیوں اور دوسری سجاوٹ کی چیزوں سے مزین کرتے ہیں اگر اصل درخت میسر نہ ہوں تو عموماً اس طرز کے مصنوعی درختوں کا استعمال بھی عام ہے۔

اس رسم بد کا نقطہ آغاز جرمنوں کا پیدا کردہ ہے یہ لوگ کرسمس کے دوران حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا پورا واقعہ نعوذ باللہ ڈرامے کی شکل میں پیش کرتے تھے قبیلے کی کوئی لڑکی حضرت مریم کا بہروپ بھرتی اور کوئی

نوجوان حضرت جبرئیل کا روپ اختیار کر کے اس کے پاس آتا اور شادی کے بغیر اسے ایک بچے کی خوشخبری سناتا پھر حضرت مریم کی بے چینی اور پریشانی دکھائی جاتی اس واقعہ کے دوران درخت کو حضرت مریم کا ساتھی بنا کر پیش کیا جاتا وہ اپنی ساری اداسی اور ساری تنہائی ایک درخت کے پاس بیٹھ کر گزارتیں یہ درخت بھی اسٹیج پر مصنوعی طریقے سے لگایا جاتا۔

اس زمانے میں عموماً زیتون کے درختوں کی بڑی بڑی شاخیں کاٹ کر لگائی جاتی تھیں اور پھر انہیں ایسی جگہ گاڑ دیا جاتا تھا جہاں لوگوں کے سامنے اداکاروں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ دھرانا ہوتا۔ جب یہ کھیل ختم ہو جاتا تو لوگ بطور تبرک ان شاخوں کو لے جاتے اور اپنے گھروں میں ایسی جگہ جہاں یہ ہر دم نظروں کے سامنے رہے نصب کر دیتے تھے اور پھر انہیں شاخوں کو مختلف قسم کی دھاتوں سے سجاتے بھی تھے یہی رسم آہستہ آہستہ کرسمس ٹری کی شکل اختیار کر گئی۔(۱)

کرسمس کے موقع پر اور بھی الگ الگ طرح کی رسمیں منائی جاتی ہیں اور انھیں انواع واقسام کی ایجادوں، بدعتوں، رسموں اور خرافاتوں کے ساتھ مقدس دن اور اس کا جشن منایا جاتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خراج عقیدت و محبت پیش کی جاتی ہے۔

ان ساری تفصیلات سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ کرسمس عیسائیوں کا صرف ایک قومی یا تفریحی معاشرتی وسماجی جشن وتہوار نہیں ہے بلکہ ان کا مذہبی تہوار ہے ان کی دھارمک نظریات وتصورات پر مبنی ہے؛ نیز سورج دیوتا کے یوم پیدائش کے جشن کے بدل کے طور پر ان کو مسیحیت سے قریب تر کرنے کے مقصد سے متعارف کرایا گیا ہے کیونکہ اس تاریخ یا اس کے قریب قریب تاریخ

(۱) کرسمس عیسائیت سے مسلمانوں تک ۲۵۔۲۶

میں سورج اور دیگر دیوتاؤں کا جشن ہوتا تھا۔

نیز اس کی جڑیں بت پرستی ستارہ پرستی سے جڑی ہوئی ہیں پھر یہ کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور ان کا یوم ولادت وہ اس نظریے سے مناتے ہیں کہ خدا کے بیٹے کا یوم ولادت ہے نیز اس میں بجائے خود بہت سی خرافات، اسراف، التزام مالا یلزم اور محرمات ومنہیات کا لامتناہی سلسلہ ہوتا ہے اس لئے کرسمس منانا کسی بھی مسلمان کے لیے قطعاً ناجائز ہے یہ کفریہ وشرکیہ نظریات وعقائد کی تائید، بت پرستانہ، نجم پرستانہ، توہم پرستانہ، تصورات کی حمایت اور ان میں عملی اشتراک ہے اس لئے بجائے خود ناجائز وحرام ہے پھر طرہ یہ کہ عیسائیوں کا مذہبی تہوار ہے اور غیروں کی مذہبی امور میں شرکت قطعاً درست نہیں ہے۔

اگر خاص اس مناسبت سے کوئی تحفہ، مٹھائی یا کوئی چیز لا کر دے تو اسے قبول کرنا بھی درست نہیں ہے اس سے اس باطل رسم کی حوصلہ افزائی اور اس میں ایک طرح سے تعاون ہوگا۔

مسئلہ: جس طرح پیدائش کی سالگرہ منانا جائز نہیں ہے اسی طرح شادی بلکہ کسی اور چیز کی برسی، یا سالگرہ منانا جائز نہیں ہے یہ غیروں کی ایجاد کردہ رسم ہے، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا ایک سوال وجواب ملاحظہ ہو:

سوال: شادی کی سال گرہ منانے کے بارے میں علماء دیوبند کی کیا رائے ہے؟

جواب: پیدائش، شادی یا کسی اور چیز کی سال گرہ منانا اسلامی چیز نہیں ہے بلکہ یہ غیروں کی ایجاد کردہ رسم ہے اور از قبیل فضول وواھیات ہے اس لئے اس سے احتراز چاہئے۔(۱)

---

(۱) فتوی، ن جواب: ۶۳۱۷۷

بسنت ایک تحقیقی جائزہ

بسنت سنسکرت کا لفظ ہے جس کے مختلف معانی ہیں فیروز اللغات میں ہے، بہار کا موسم، بہار کا ایک تہوار، بسنت کے موسم میں گائے جانے والے گیت، چیچک، سرسوں کے پھول، بسنت پنچمی ہندوؤں کا ایک تہوار جو ماگھ سدی پنچمی کو منایا جاتا ہے، بسنت پھولنا سرسوں کے پھولوں کا کھلنا، زردی چھانا، بسنتی: زرد، زعفرانی، زرد رنگ چیچک کی دیوی ستیلا مانی۔ (۱)

ان سب معانی میں قدرِ مشترک بہار اور زردی کا معنی پایا جاتا ہے غیر مسلم بسنت کے نام سے جو تہوار مناتے ہیں اس میں بھی یہ دونوں عنصر موجود ہوتے ہیں چنانچہ وہ اوائل بہار میں یہ تہوار مناتے ہیں جس میں زرد رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں، سرسوں کے زرد پھولوں کے گڑوے بنا کر دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے مندروں میں جمع ہوتے ہیں بعض علاقوں میں زرد رنگ کے مخصوص قسم کے چاول بنا کر کھلائے جاتے ہیں بسنتی پتنگیں اڑائی جاتی ہیں۔

اس تہوار کا پس منظر

غیر مسلموں کے یہاں ہر چیز دیوی دیوتاؤں کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اس موسم بہار کے آغاز میں چوں کہ موسم نقطہ اعتدال پر آجاتا ہے، پھول کھل اٹھتے ہیں، فصل پکنے لگتی ہے، بہار کا جوبن ہر سمت اپنی کرنیں بکھیرتا ہے تو کفار یہ سمجھتے

(۱) فیروز اللغات جدید ص: ۱۲۴، مادہ ب س

ہیں کہ اس موسم کی تبدیلی اور بہار کی آمد میں دیوی دیوتاؤں کی شکتیاں کارفرما ہیں اس لیے وہ اس موقع پر اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے مختلف انداز سے اپنی مذہبی رسومات مناتے ہیں انھیں میں یہ بسنت بھی ہے، جو درحقیقت درگا دیوی کو خوش کرنے کے لیے منایا جاتا ہے اسی کو خوش کرنے کے لیے نذرانے، ہدیے اور تحفے دیے جاتے ہیں بلکہ سب سے قیمتی تحفہ جو کہ جان اور خون بہانا ہے وہ بھی کیا جاتا ہے، چنانچہ درگا دیوی کو منانے کے لیے اب بھی بلی چڑھائی جاتی ہے۔

دنیا کے تقریبا تمام ہی بت پرست موسمِ بہار کے آنے پر جشن مناتے ہیں اور مختلف خطوں میں الگ الگ ناموں سے اسے موسوم کیا جاتا ہے چنانچہ بہار کی اس دیوی کو مصر میں آئسس، شام وعراق میں عشار، یونان میں وینس، ایران میں ناہید، روم میں اسیرس چین میں شیس، ہند میں درگا اور عرب میں زھرہ کہا جاتا ہے۔(۱)

اور چوں کہ برہمن ان کے یہاں بھگوان کا اوتار ہے اس لیے البیرونی کی تصریح کے مطابق اس عید بسنت میں نذرانے، ہدیے اور غلے خاص طور پر برہمنوں کو دیے جاتے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بسنت ہندوؤں کا ایک مذہبی تہوار ہے جس میں دیوی دیوتاؤں کی پوجا اوران کو خوش کرنے کی کوشش وچاہت ہوتی ہے اس لیے اس تہوار کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے اسلامی معاشرہ اور مسلم سماج میں ایک خطرناک رجحان یہ چل پڑا ہے کہ غیروں کی طرف سے اٹھنے والی ہر آواز، برادرانِ وطن کی طرف سے ملنے والا ہر نعرہ اور دشمنانِ دین کی ہر روش

(۱) بسنت کیا ہے ص: ۶۷، مؤلفہ مفتی ابولبابہ شاہ منصور حفظہ اللہ

وچلن کو قبولِ عام حاصل ہو جاتا ہے اور غیروں کے بعض تہواروں کو مسلمان بسا اوقات اس طرح مناتے ہیں۔ جیسے یہ انھیں کا کوئی خاص مذہبی یا قومی وثقافتی تہوار ہو خواہ وہ تہوار کیسا ہی بے ہنگم، مذہبی روایات سے متصادم اور اخلاقی اقدار کو پامال کرنے والا ہو، اسی طرح کے تہواروں میں یہ بسنت بھی ہے جو ہمارے ملک اور پڑوسی ملک میں اس جوش وخروش، فراخدلی اور وارفتگی سے منایا جاتا ہے کہ غیر بھی شرما جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں: زندہ دلانِ لاہور کے بسنت منانے کے انداز کو دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ ہمارا نہیں بلکہ تمہارا مذہبی تہوار ہے۔ (۱)

اس سے زیادہ حیرت وتعجب تو اس وقت ہوتا ہے جب بہت سے مسلم مفکروں اور دانشوروں کی طرف سے اسے محض ایک قومی تہوار، جشنِ بہاراں یا ثقافتی اشتراک بتلا کر جائز قرار دینے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں معتبر تاریخی روایات وشواہد سے یہ ثابت کیا جائے کہ بسنت ایک خالص ہندوانہ تہوار اور برادرانِ وطن کی مذہبی چیز ہے جس کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے کسی بھی عنوان سے اس میں شرکت قطعا نا جائز ہے۔

پھر یہ کہ بسنت کے پردے میں ہر طرح کی اباحیت، رقص وسرود، شراب وکباب، شرمناک مخلوط مجالس، شہوت ومستی کے قبیح مظاہرے، ضیاع دولت کے بیہودہ اطوار، اخلاقی قدروں کی بے باکانہ پامالی اور فحاشی وعریانی کی ہر ناپاک صورت کی ترویج یہ سب اس پر مستزاد ہیں اگر بالفرض بسنت محض ایک موسمی تہوار ہی ہوتا اور ہندو مذہب سے اس کا کوئی خاص تعلق نہ ہوتا تب بھی مذکورہ مفاسد در مفاسد کی وجہ سے یہ مروجہ شکل میں حرام ہی ہوتا چہ جائیکہ یہ خالص ہندوانہ تہوار اور ان کا مذہبی جشن ہے۔

---

(۱) بسنت اسلامی ثقافت اور پاکستان ص:۷۹

بسنت کے ہندوانہ تہوار ہونے کے دلائل

پہلی دلیل:

بسنت کے متعلق قدیم ترین مستند و معتبر حوالہ مایہ ناز مورخ مشہور ریاضی داں علامہ ابوریحان البیرونی کے یہاں ملتا ہے وعلامہ البیرونی کی شخصیت اور ان کے حوالہ و شہادت کی اہمیت پر کلام کرتے ہوئے مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب تحریر فرماتے ہیں؛ البیرونی نے آج سے تقریباً (۱۰۲۸ع) پہلے ہندوستان کا سفر کیا تھا اور یہاں کے باشندگان کی تہذیب وتمدن رسم و رواج علوم وفنون اور مذہب وفلسفہ کے متعلق معلومات کو ہندؤں کے مشہور پنڈتوں کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا تھا اس عہد کے برصغیر کے بارے میں آپ کی تحقیقات مؤرخین کے یہاں منفرد ممتاز مقام اور مستند درجہ رکھتی ہیں اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ نے فکر و نظر اور تدبر و تحقیق کی یہ راہ اختیار کی کہ جن مباحث کو اپنا موضوع قرار دیا انھیں خود ان کے اصل مآخذ سے حاصل کرنے کی کوشش کی اس غرض کے لیے متعلقہ زبان سیکھی اور اس موضوع کے علماء کی صحبت اختیار کی اسی وجہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے ہندوستان کے بارے میں آپ کی تحقیقات کو بے داغ قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ پوری عربی زبان عربی کی علمی تاریخ میں البیرونی کا مقام ایسا منفرد ہے کہ وہ بجا طور الفارابی اور ابن رشد کی صف میں جگہ پانے کا مستحق ہے بلکہ اس اعتبار سے ان کا کام بلند تر ہے کہ آپ ہندوستان کی زبان ومعاشرت سے واقف اور یہاں کا سفر اور طویل قیام کر چکے تھے جبکہ اول الذکر دونوں حضرات اپنے اس بلند علمی کام کے باوصف جو انہوں نے یونانی علوم وفلسفہ کے حوالہ سے کیا یونانی زبان وتہذیب سے واقف نہ تھے نہ ہی انہوں نے

یونانی معاشرے کا براہ راست مطالعہ ومشاہدہ کیا تھا۔(۱)

آپ (علامہ بنوری) بسنت کے متعلق لکھتے ہیں: عہد بسنت: اسی مہینے میں (یعنی بیساکھ) میں استواء ربیعی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے ہندولوگ حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھانا کھلاتے ہیں جیٹھ کے پہلے دن جو اجتماع یعنی اماؤس کا دن ہے اور نیا غلہ تر کا پانی میں ڈالتے ہیں۔(۲)

استواء ربیعی کا مطلب یہ ہے کہ سورج سال میں دو مرتبہ خط استواء پر آتا ہے سردیوں کے اختتام اور بہار کے آغاز پر اس کو استواء ربیعی کہتے ہیں اور دوسری مرتبہ سردیوں کے اختتام اور خزاں کے آغاز پر اسے استواء خریفی کہتے ہیں۔(۳)

دوسری دلیل:

منشی رام پرشاد ماتھر بی-اے- انہوں نے ہندوازم پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں اپنی بعض کتابوں کی اہمیت کی وجہ سے انہیں ہندوستان میں بھارت مہا منڈل خطاب بھی عطا کیا گیا نیز ان کی کچھ کتابیں پرائمری اسکولوں کے نصاب میں بھی شامل رہی ہیں الغرض موصوف مذکور نے صاحب البیت ادری بما فیہ کے اصول پر اپنی بہت سی کتابوں میں بسنت کو خالص ہندوانہ تہوار ہی قرار دیا ہے ان کی مذہبی روایات اور دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کا ایک طریقہ بتلایا ہے ان کی یہ عبارتیں ہمارے بعض مسلم مفکرین اور سیکولر دانشوران کے لئے سرمایہ عبرت

(۱) بسنت کیا ہے، ص: ۲۷

(۲) کتاب الہند البیرونی ۲۳۷ ۔ ترجمہ سید اصغر علی الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور: بحوالہ بسنت اسلامی ثقافت پاکستان ۴۷، نیز دیکھے بسنت کیا ہے ۱۶۴

(۳) مستفاد از بسنت اسلامی ثقافت پاکستان ۴۸

ہیں جو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنے کی بیجا کوشش کرتے ہیں کہ بسنت ہندوؤں کا مذہبی تہوار نہیں ہے۔

ذیل میں ان کے مختلف اقتباسات درج کیے جارہے ہیں:

منشی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں: بسنت پنچمی: اب فصل کے بارآور ہونے کا اطمینان ہو چلا اور کچھ عرصے میں کلیاں کھل کر تمام کھیت کی سبزی زردی میں تبدیل ہونے لگی اس لئے کاشتکار کے دل میں قدرتی امنگ اور خوشی پیدا ہوتی ہے وہ زرد پھولوں کو خوش خوش لاکر بیوی اور بچوں کو دکھاتا ہے اور پھر سب مل کر بسنت کا تہوار مناتے ہیں اور زرد پھول اپنے اپنے کانوں میں بطور زیور لگاتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اے پرماتما ہماری محنت کا پھل عطا کر اور پھولے ہوئے درختوں میں پھل پیدا کر۔(۱)

اپنی ایک دوسری کتاب میں یہ تفصیلات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: بسنت پنچمی کو وشنو بھگوان کا پوجن ہوتا ہے (ہندو تہواروں کی دلچسپ اصلیت ص: ۱۳۶) اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں بسنت پنچمی یہ تہوار گجرات، پنجاب ممالک متحدہ اور راجپوتانہ وغیرہ میں زیادہ منایا جاتا ہے دکھن میں بہت کم ہوتا ہے وہاں اس روز امیر لوگ گاتے بجاتے ہیں اور مندروں میں اوتسو ہوتا ہے راجپوتانہ میں بسنتی کپڑے پہنے جاتے ہیں بنگالہ میں اس کو سری پنچمی کہتے ہیں اور سرستی کی پوجا کرتے ہیں قلم دوات نہیں چھوتے اگر لکھنے کا ضروری کام آجاتا ہے تو تختی پر کھریا سے لکھتے ہیں شام کو بچے قسم قسم کے کھیل کھیلتے ہیں اور دوسرے دن سرستی کی مورتی کسی تالاب میں ڈال دیتے ہیں اور اس روز کہیں کہیں کامدیو اور اس کی بی بی رتی کی پوجا ہوتی ہے اضلاع اودھ اور قرب وجوار میں اس روز نوا کی

(۱) ہندو تہواروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت ص: ۱۰۲

رسم ہوتی ہے یعنی لوگ نیا اناج استعمال کرتے ہیں اوکھلہ اور بندک پور میں بسنت کا میلہ تین دن تک ہوتا ہے مما لک پورب وغیرہ میں بھی موسم بہار کا اس قسم کا ابتدائی تہوار ہوتا ہے۔(۱)

اسی طرح اس کتاب میں ہندو تہواروں کا ایک جدول ونقشہ شامل ہے اس میں بھی بسنت کا تذکرہ اور اس کی ضروری تفصیل مرقوم ہے لکھتے ہیں: بسنت پنچمی: اس روز کامدیون اوررتی کی پوجا ہوتی ہے کامدیو کو شیوجی نے بھسم کردیا وہ مچھلی کے پیٹ سے نکلا اور پردمن ہوا اس کی جھنڈی پر مچھلی کی شکل تھی۔(۲)

تیسری دلیل:

سید احمد دہلوی رحمہ اللہ کی تالیف کردہ مشہور زمانہ لغت فرہنگ آصفیہ میں بسنت کے لفظ کے تحت اس کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں بسنت: اسم مؤنث سنسکرت وسنت (۱) ٹسم کا پھول، کسنبہ کا پشب، گل عصفر، گل کازیرہ، گل کاوچیہ (۲) نغمات جوش افزاء و تعشق انگیز کے آنے کا موسم اس کے بعد دیگر اور معانی ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں (۷) وہ میلا جو موسم بہار میں بزرگوں کے مزار اور دیوی دیوتاؤں کے استھانوں پر سرسوں کے پھول چڑھا کر کرتے ہیں۔

مؤلف موصوف مزید تفصیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگرچہ اصل رت بیساکھ کے مہینے میں آتی ہے مگر اسکا میلا سرسوں کے پھولتے ہی ماگھ کے مہینے میں شروع ہوجاتا ہے چونکہ موسم سرما میں سردی کے باعث طبیعت کو انقباض ہوتا ہے اور آمد بہار میں سیلان خون کے باعث طبیعت میں شگفتگی امنگ ولولہ اور ایک

---

(۱) ہندو تہواروں کی دلچسپ اصلیت ص: ۲۳۵، بہ عنوان مخصف صوبہ جات کی مختلف رسمیات

(۲) ہندو تہواروں کی دلچسپ اصلیت بحوالہ بسنت اسلامی ثقافت اور پاکستان صفحہ: ۷۶

قسم کی خاص خوشی اور صفرائی پیدائش پائی جاتی ہے اس سبب سے اہل ہند اس موسم کو مبارک اور اچھا سمجھ کر نیک شگون کے واسطے اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں اور اوتاروں کے استھانوں اور مندروں پر انکے رجھانے کیلئے بہ مقتضائے موسم سرسوں کے پھول کے گڑوے بنا کر گاتے بجاتے لے جاتے ہیں اور اس میلے کو بسنت کہتے ہیں بلکہ یہی وجہ ہے کہ وہ رنگ کو اس سے مناسبت دینے لگے چنانچہ اکثر شعراء نے بھی اس معنی میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے پھر موصوف نے ظفر، مومن، اور انشاء کے اس معنی میں مختلف اشعار نقل فرمائے ہیں، پھر آگے لکھتے ہیں: امیر خسرو رحمہ اللہ کسی سبب سے ان سب کے پیچھے رہ گئے دیکھا کہ کھیتوں میں سرسوں پھول رہی ہے ہندو کالی دیوی یا کالکا جی کے مندر گڑوے بنا بنا کر خوشی خوشی گاتے بجاتے لئے چلے جاتے ہیں۔(۱)

چوتھی دلیل:

اکبر کے نورتن ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ہندو ماگھ کے مہینے میں تیسری چوتھی پانچویں اور ساتویں تاریخ کو چار تہوار مناتے ہیں پانچویں تاریخ کو بسنت کا بڑا جشن ہوتا ہے اس روز رنگ اور عنبر ایک دوسرے پر چھڑکے جاتے ہیں نغمہ وسرور کی مجلس منعقد کرتے ہیں۔(۲)

(۱) فرہنگ آصفیہ: ۱/ ۳۹۵ مادہ بسن

(۲) مغل شہنشاہوں کے شب وروز ص: ۳۴۷۔

پانچویں دلیل:

مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے مختلف ذرائع سے لی گئی معلومات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ جمع کر دیا ہے آپ لکھتے ہیں: بسنت پنچمی درحقیقت ایک ہندوانہ تہوار ہے جو کہ ہندو بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں جب کھیت میں چاروں طرف پیلے پھول لہرانے لگتے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ تہوار کا وقت آ گیا ہے موسم بہار کا تہوار صحیح معنوں میں ہندو اپنی دیوی سرسوتی کی تعظیم میں مناتے ہیں جب بیر پک کر پیلے ہو جاتے ہیں ڈھاک اور اشوکا اپنے عروج پر ہوتے ہیں تو پھر خاص طور پر طالب علم ان کے علم کی دیوی سرسوتی کو اور دوسری دیوی یعنی ذھن کی دیوی، آزادی کی دیوی اور تمام دیوتاؤں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں ہندوؤں کے لیے یہ موسم اس لیے بھی بہت اہم ہے کہ ان کے دیوتا کرشنا نے خود کہا کہ یہ پھولوں کا موسم ہے بسنت پنچمی چاند کی پانچویں تاریخ رات فروری کے مہینے میں منائی جاتی ہے۔ دراصل یہ تہوار صرف اور صرف سرسوتی دیوی کی پوجا کے لیے ہوتا ہے۔(۱)

---

(۱) بسنت کیا ہے، ص: ۳۳، ۳۴

گستاخ رسول کی یادگار

پھر اس تہوار میں ایک دوسرا پہلو بھی ہے وہ یہ کہ اس کے منانے میں غیر مسلموں کے مذہبی تہوار میں شرکت کے ساتھ ساتھ ایک گستاخ رسول کی یادگار منانا یا منانے والوں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے جو قطعاً حرام اور ناجائز ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک ہندو نوجوان حقیقت رائے دھرمی نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا معاملہ عدالت میں پہنچا ملزم نے خود اپنی زبان سے جرم کا اقرار کر لیا اس وقت پنجاب کے گورنر زکریا خان نے سزاء موت کا فیصلہ کیا مجرم کو ۱۸۰۳ بکرمی بہ مطابق ۱۷۴۷ء کو موت کی سزا دی گئی اتفاق سے اس دن بسنت پنچمی کا دن تھا ہندوؤں نے حقیقت رائے کو ہیرو کا درجہ دیا اور اس کی یاد میں بسنت میلا منانا شروع کر دیا چونکہ حقیقت رائے کی شادی ایک سکھ لڑکی سے ہوئی تھی اس لیے سکھ برادری بھی ہندوؤں کے اس غم میں برابر کی شریک ہوئی اور اس وقت سے اس گستاخ رسول کی یادگار کے طور پر ہر جگہ بسنت میلا منایا جانے لگا۔ اس واقعہ اور بسنت میلے کے آغاز کی اس وجہ کو بہت سے ہندو مورخین نے بھی ذکر کیا ہے ایک ہندو مورخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کو درج ذیل تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

لکھتے ہیں: حقیقت رائے باگھ مل پوری سیالکوٹ کے کھتری کا ۱۵ سالہ لڑکا تھا جس کی شادی بٹالہ کے کشن سنگھ بھٹہ نامی سکھ کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی حقیقت رائے

کو مسلمانوں کے اسکول میں داخل کیا گیا تھا جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے میں کچھ توہین آمیز باتیں کہیں حقیقت رائے نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس نے بھی انتقاماً پیغمبر اسلام اور سیّدۃ فاطمۃ الزہراء کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کاروائی کے لئے لاہور بھیجا گیا ---لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہ سنی اور سزاءموت کے حکم پر نظرِ ثانی سے انکار کر دیا جس کے اجراء میں پہلے مجرم کو ایک ستون سے باندھ کر اسے کوڑوں کی سزا دی گئی اس کے بعد اس کی گردن اڑا دی گئی ۔۔۔پنجاب میں بسنت کا میلہ اسی حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔(۱)

اسی طرح اورینٹل کالج لاہور کے سابق لیکچرر گیانی خزان سنگھ نے بھی اپنی کتاب میں اس واقعے کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں: تواریخ کے محقق اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بھائی حقیقت سنگھ جنہیں عام لوگ حقیقت رائے دھرمی کے نام سے یاد کرتے ہیں یہ امرت دھاری اور تیار بر تیار سنگھ تھے لاہور میں اس جگہ آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا آپ نہایت سکون کے ساتھ ۱۸۰۳ بکرمی میں پنچمی کے دن دھرم کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے بسنت پنچمی کے روز آپ کی سمادھی پر بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔(۲)

اسی طرح ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ تقسیم ہند سے قبل حکومت پنجاب میں لوکل گورنمنٹ کے وزیر تھے وہ اپنی انگریزی تصنیف میں لکھتے ہیں: ---فیصلہ سنا دیا گیا اور فوراً ہی لاہور کے عین مرکز میں تمام ہندو آبادی کی آہوں اور بددعاؤں میں شریف لڑکے کا سر قلم کر دیا گیا اس کے کریا کرم میں سب امیر و غریب شامل

(۱) بسنت اسلامی ثقافت اور پاکستان ص: ۲۷/۲۸

(۲) تاریخ گوردوارہ شہید گنج مولفہ گیانی خزان سنگھ بحوالہ بسنت اسلامی ثقافت اور پاکستان ص: ۳۰/۳۱

ہوئے اور اس کی راکھ لاہور کے مشرق میں چار میل دور دبادی گئی جہاں اس کی یادگار ابھی تک قائم ہے جس پر ہر سال بسنت پنچمی کے روز جو اس کی شہادت کا دن ہے میلہ لگتا ہے۔(۱)

ان تاریخی شواہد اور معتبر کتب کے اقتباسات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ بسنت غیر مسلموں کا ایک مذہبی تہوار ہے، دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کا ذریعہ ہے حصول برکت اور تفاؤل ونیک شگونی کا ہندوانہ طریقہ ہے نیز بسنت میلہ ایک گستاخ رسول کی یادگار بھی ہے اس لئے کسی بھی مسلمان کے لیے اس میں کسی طرح کی شرکت ناجائز وحرام ہے۔

بسنت اور پتنگ بازی

موجودہ دور میں بسنت کی تفریح کا غالب عنصر پتنگ بازی بن گیا ہے حالانکہ پتنگ بازی میں جو دینی و دنیوی سماجی و اخلاقی خرابیاں ہیں معاشرتی مضرتیں ہیں وہ نا قابل بیاں ہیں بسا اوقات معصوم جانیں اس پتنگ بازی کے بھینٹ چڑھ جاتی ہیں پھر وہ لہو ولعب کا شیوہ اور فساق وفجار کا وطیرہ ہے اسی لیے یہ بجائے خود ناجائز ہے۔حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اصلاح الرسوم میں بڑی تفصیل کے ساتھ اسکی قباحتیں ومضرتیں بیان کی ہیں ذیل میں قدرے تغیر کے ساتھ پیش ہے۔

آپ فرماتے ہیں: اب کنکوے بازی (پتنگ بازی) کی نسبت بھی سن لیجیے جس قدر خرابیاں کبوتر بازی میں ہیں قریب قریب اس میں بھی موجود ہیں:

(۱) کنکوے کے پیچھے دوڑنا جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوڑنے والے کو شیطان فرمایا ہے۔

(۱) ٹرانسفرمیشن آف سکھ ازم بحوالہ بسنت اسلامی ثقافت ص:۳۱

(۲) دوسرے کے کنکوے کو لوٹ لینا جس کی ممانعت حدیث شریف میں صراحتا وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں لوٹتا کوئی شخص ایسا لوٹنا جس کی طرف لوگ نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوں اور پھر بھی وہ مومن رہے روایت کیا اسکو بخاری اور مسلم نے یعنی یہ خصلت ایمان کے خلاف ہے۔

(۳) ڈور کو لوٹ لینا بلکہ اس میں ایک اعتبار سے کنکوے کے لوٹنے سے بھی زیادہ قباحت ہے کیوں کہ کنکوا تو ایک ہی کے ہاتھ آتا ہے ایک ہی آدمی گنہگار ہوتا ہے اور دوڑ تو بیسیوں کے ہاتھ لگتی ہے بہت سے آدمی گناہ میں شریک ہوتے ہیں اور باعث ان تمام آدمیوں کے گناہگار ہونے کے وہی کنکوا اڑانے والے ہیں تو حسب وعدہ مذکورہ بالا ان سب کے برابر اس اکیلے اڑانے والے کو گناہ ہوتا ہے۔

(۴) ہر شخص کی نیت کہ دوسرے کے کنکوے کو کاٹ دوں اور اس کا نقصان کردوں سو کسی مسلمان کو ضرر پہنچانا حرام ہے اس حرام فعل کی نیت سے دونوں گناہ گار ہوتے ہیں۔

(۵) نماز سے غافل ہو جانا جس کو اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی علت فرمائی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔

(۶) اکثر کوٹھوں پر کھڑے ہو کر کنکوا اڑانے سے آس پاس والوں کی بے پردگی ہونا۔

(۷) بعض اوقات کنکوا چڑھاتے چڑھاتے پیچھے ہٹتے جاتے ہیں اور کوٹھے سے نیچے آگرتے ہیں چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے ہیں اس میں صریح اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جو کہ آیت قرآنی سے حرام ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ایسی چھت پر سونے

سے منع فرمایا ہے جس پر آڑ نہ ہو اس کی وجہ یہی احتمال ہے کہ شاید گر پڑے سبحان اللہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر کس قدر شفیق ہیں کہ ایسے ایسے احتمالات مضرت سے ہمیں روکیں اور ہم ان احکام کی ایسی بے قدری کریں۔

افسوس صد افسوس!

(۸) ایک خرابی خاص اسمیں یہ ہے کہ کاغذ جو کہ آلات علم سے ہے اس کی اہانت ہوتی ہے اور گڈی آٹے سے بنتی ہے اس کی اہانت ہوتی ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ روٹی کا اکرام کرو اس سے معلوم ہوا کہ اہانت رزق کی ممنوع ہے اسی طرح علم کے ادب کو کون نہیں جانتا کہ ضروری ہے اس میں دونوں کی اہانت ہے۔

(۹) ان سب کھیلوں میں مفت مال ضائع ہوتا ہے اور فضول خرچی کا حرام ہونا اوپر قرآن مجید سے ثابت ہو چکا ہے۔(۱)

الغرض بسنت محرمات ومنکرات اور محذورات شرعیہ کا ملغوبہ ہے ایک نہیں بے شمار محرمات اس میں موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ غیروں کا مذہبی تہوار ہے اس لیے اس میں کسی بھی طرح کی شرکت قطعاً ناجائز وحرام ہے۔

(۱) اصلاح الرسوم ص:۱۹؍۲۰ بہ عنوان کنکوا اڑانا

بھارت ماتا کی جے

بہت سے مسلمانوں کی طرف سے بھی یہ بات کہی جانے لگی ہے کہ بھارت ماتا کی جے درحقیقت ہندوستان زندہ باد کے ہم معنیٰ ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لیے بھی اس نعرہ کے لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن درحقیقت یہ ان کا بھولا پن حالات سے ناواقفیت اور غیروں کی ثقافت ونظریے سے لاعلمی پر مبنی خلاف حقیقت تبصرہ ہے جس کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے برادران وطن کے یہاں بھارت صرف ایک وطن نہیں ہے بلکہ اسے معبود کا درجہ حاصل ہے جو ان کے عقیدہ اور نظریہ کے مطابق کھانا پینا، دکھ سکھ، رہائش ومکان وغیرہ دیتا ہے پھر اس کے ساتھ ماتا کا لاحقہ بھی اسی نظریہ وتصور کا غماز ہے کیونکہ ان کے یہاں ماتا کا استعمال بکثرت دیوی کے طور پر ہوتا ہے چنانچہ درگا ماتا، لکشمی ماتا، کالی ماتا، وغیرہ کا استعمال شائع ذائع ہے پھر لفظ جے اگرچہ زندہ باد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ جے ہند اسی تصور ونظریے سے کہا جاتا ہے لیکن یہ صفت حی یعنی ہمیشہ زندہ رہنے والے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ایسے موہم لفظ کا استعمال اس سیاق میں خود قابل ترک ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کفار ومشرکین کی طرف سے معبودان باطلہ اور بتوں کی ”جے“ پکارنے کا نعرہ کوئی نیا نہیں ہے بلکہ قدیم ترین تصور ہے چنانچہ غزوۂ احد کے موقع پر ابوسفیان نے رجزیہ یہ نعرہ لگایا تھا ”اعل ھبل“ اعل ھبل ھبل کی جے، ھبل کی جے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ

اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

ثم أخذ يرتجز اعل هبل اعل هبل قال ابن اسحاق معنى قوله اي ظهر دينك وقال السهيلي معناه زاد علوا فقال الكرماني فان قلت ما معنى اعل ولا علو في هبل فالجواب هو بمعنى العلي او المراد اعلى من كل شئ. (١)

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قوله "اعل هبل" وهو اسم صنم اتی به عمرو بن لحي وقيل انه كان عندهم صنم اتخذوه على اسم هابيل المقتول كعامر وعمر ومعنى الكلمة اي هبل صر عاليا۔ (٢)

ابوسفیان کے اس نعرہ میں اور بھارت ماتا کی جے والے نعرہ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے جس طرح ھبل کفارہ عرب کے نزدیک قابل فخر بڑا بت تھا چنانچہ کتب تاریخ وسیر میں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ ابوسفیان نے غزوۂ احد کے لیے نکلتے وقت ھبل بت سے ہی فال لیا تھا اور تیروں کے ذریعے سے فتح کی پیشن گوئی کی تھی اسی طرح بھارت ماتا مشرکین ہند کے نزدیک قابل افتخار دیوی اور بھگوان ہے، چنانچہ بعض جگہ مسلمانوں کی نماز جمعہ میں رخنہ ڈالنے والی بھیڑ اور اسی طرح مختلف مواقع پر اس طرح کی جماعت سے جئے شری رام کے ساتھ ساتھ بھارت ماتا کی جے کا نعرہ بھی سنا گیا، ظاہر ہے اپنے ہی ہم وطنوں کے مقابلہ میں بھارت ماتا کی جے بمعنی ہندوستان زندہ باد کے کیا معنی ہے اس لیے یہ صرف دوراز کار تاویل اور مدعی سست گواہ چست کا مصداق ہے یہ واضح طور پر

(١) فتح الباری ٢٥٢\٧ رقم الحديث ٤٠٤٣

(٢) فيض الباري ٣٨/٥ ٤٠٤٣

شرکیہ نعرہ ہے مشرکانہ تصورات ونظریات پر مبنی ہے معبود باطل کی بلندی بڑائی و کبریائی پر مشتمل ہے، چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم اس پر اپنا تفصیلی تجزیہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''افسوس کہ اس ملک میں نفرت کے سوداگروں کا اقلیتوں کے ساتھ یہی رویہ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آزادی کی لڑائی میں انگریزوں کی پشت پناہی اور قوم سے غداری کا راستہ اختیار کیا اور ملک کی آزادی کے لئے ان کے تلووں میں ایک کانٹا بھی نہیں چبھا، یہ مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے مختلف خودساختہ نعرے وضع کرتے ہیں اور اس کو حب الوطنی کے لئے کسوٹی قرار دیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ ہر آدمی کو وندے ماترم کہنا چاہئے اور اب کہتے ہیں کہ لوگوں کو بھارت ماتا کی جئے کہنا سکھانا چاہئے، سوال یہ ہے کہ آپ کو کیا حق ہے سکھانے کا، کیا ہمارے ملک کے دستور نے ایسا نعرہ لگانے کی تلقین کی ہے؟''

آر، ایس، ایس نے تو اس قسم کی بحثیں اصل مسائل سے توجہ ہٹانے اور اپنی دلت دشمنی کے کھلتے ہوئے راز پر پردہ ڈالنے کے لئے چھیڑ دی ہے؛ لیکن بہت سے مسلمان بھائیوں نے آر، ایس، ایس کی آئیڈیالوجی کو سمجھے بغیر اس کو مادر وطن سے محبت کا ایک سیدھا سادہ جملہ سمجھ لیا ہے، یہ غلط فہمی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر بھارت ماتا کی جئے کا معنی صریح اور متعین طور پر وطن کو معبود قرار دینے کا نہ ہو تب بھی اس فقرہ میں وطن کی معبودیت کا اشارہ ضرور پایا جاتا ہے اور اس کے کئی قرائن ہیں:

اول یہ کہ یہ اس بدنام زمانہ ناول میں درج کیا جانے والا نعرہ ہے، جسے

بنگال کے بنکم چندر چٹرجی نے آنند مٹھ کے نام سے لکھا، اس ناول کا مرکزی خیال ہی یہی ہے کہ وطن کو خدا کا درجہ دیا جائے۔

دوسرے: ہندوستان میں بنارس اور ہری دوار کے بشمول کم سے کم چار مندر بھارت ماتا کے نام سے بنائے گئے ہیں، بنارس کے مندر کی بنیاد گاندھی جی نے رکھی تھی، جس میں کوئی مورتی نہیں ہے اور دوسرے مندر کی اندرا گاندھی نے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس بھارت ماتا کی تعبیر میں ملک کو معبود کا درجہ دیا گیا ہے، تیسرے: ماتا کے معنی اگر چہ ماں کے ہیں؛ لیکن ہندو دیویوں کو بکثرت ماتا کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے درگا ماتا، کالی ماتا، لکشمی ماتا، یا گائے کو گؤ ماتا۔

چوتھے: ماتا کا ترجمہ سنسکرت میں ماں باپ، لڑکی اور سرپرست کے ساتھ ساتھ درگا کے پاس آنے والے سے بھی کیا گیا ہے، نیز اس کو سنسکرت الفاظ گھٹا کا (Ghataka) اور وسوا (Visva) کا مترادف قرار دیا گیا ہے، گھٹا کا کے معنی مارنے والے کے اور وسوا کے معنی یقین و بھروسہ کئے جانے کے لائق کے ہیں، یہ وہ صفات ہیں جو مختلف مذاہب میں خدا کے لئے ذکر کی جاتی ہیں۔

پانچویں: بھارت ماتا کو مختلف شکلوں میں پیش کیا گیا ہے، اس وقت آر، ایس، ایس جو تصویر پیش کر رہی ہے، اس کے مطابق اس کے ایک ہاتھ میں تلوار یا ترشول ہے اور وہ شیر پر بیٹھی ہوئی ہے، دوسرے ہاتھ میں بھگوا جھنڈا ہے اور بعض تصویروں میں اس کے کئی کئی ہاتھ ہیں، یہ تقریباً اسی طرح کی تصویر ہے، جو ہمارے ہندو بھائیوں کی دیویوں اور دیوتاؤں کی ہوتی ہے۔

چھٹے: یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بھارت کا نام جس راجہ کے نام پر ہے، وہ مرد تھا نہ کہ عورت، اس لئے بھارت ماتا میں اس راجہ کی نسبت نہیں ہوسکتی، یہ کسی مذہبی دیوی ہی کی جیت کا نعرہ ہوسکتا ہے۔

ساتویں: جئے کے معنی زندہ باد کے بھی ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے جئے ہند کہا جاتا ہے؛ لیکن چوں کہ جئے میں زندہ رہنے کے معنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت حیٌّ (ہمیشہ زندہ رہنے والے) کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا کرتا ہے، شاید اسی لئے ہمارے ہندو بھائی جئے شری رام، ہنومان جی کی جئے، جئے بجرنگ بلی، وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، خود سنسکرت لغت میں اس کا ایک ترجمہ اِندر کی جیت سے کیا گیا ہے، (ماتا اور جئے کے یہ ترجمے Sir Monier Villiams کی سنسکرت، انگلش ڈکشنری سے لئے گئے ہیں)

اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ اس فقرہ میں وطن کی معبودیت کا ذکر ہے نہ کہ صرف محبوبیت کا، اگر ایسا نہ ہوتا تو سنگھ پریوار کے لوگوں کو اس لفظ پر اتنا اصرار نہ ہوتا؛ اس لئے کہ ان کے یہاں حب الوطنی مقصود نہیں، اگر وہ محب وطن ہوتے تو شروع سے ترنگا لہراتے اور ملک کے دستور پر یقین کا اظہار کرتے؛ لیکن انھوں نے بمشکل تمام کچھ عرصہ پہلے سے یہ کڑوا گھونٹ اپنے حلق سے اُتارا ہے، ان کا مقصد اپنے مذہبی تصورات کو دوسری قوموں پر مسلط کرنا ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو کسی بھی قیمت پر ایسے مشرکانہ یا کم سے کم شرک آمیز نعروں کو قبول نہیں کرنا چاہئے، یہ ان کو آزمانے کی اور بتدریج اس مقام تک لانے کی کوشش ہے جو فرقہ پرست تنظیموں کا منصوبہ ہے، ہم وطن سے محبت اس لئے رکھتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر نے ہمیں اس کی تعلیم دی ہے، ہمیں اس کے لئے کسی کی سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن کوئی بھی مسلمان جانتے بوجھتے ایسے نعروں کو قبول نہیں کرسکتا (روزنامہ منصف حیدرآباد)۔

اس سے واضح ہے کہ اس نعرہ کی حقیقت کو سیکولرازم اور حب الوطنی کے دبیز پردوں میں بھی نہیں چھپایا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے بھی

اپنے لیٹر پیڈ پر صاف صاف مسلمانان ہند کے لیے اس نعرہ کو لگانے سے منع کیا ہے اور اسے وحدانیت کے خلاف عقیدہ توحید سے متصادم وطن کی عبادت و پرستش کے نظریہ پر مبنی قرار دیا ہے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی دامت برکاتہم کے تحریر کردہ اس فتوے پر جملہ مفتیان دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے تصدیقی وتائیدی دستخط ثبت ہے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق اس سے کئی سال پہلے وندے ماترم کا مسئلہ اٹھا تھا، اس گیت کو تمام اسکولوں میں ہندو مسلمان سب کے لئے پڑھنا لازم کیا گیا تھا اب" بھارت ماتا کی جے کا نعرہ ہر مسلمان کے لئے لازم کیا جارہا ہے یہ دونوں مسئلے ایک ہی جیسے ہیں وندے ماترم کے بارے میں یہاں سے لکھا گیا تھا کہ ہندوستان بلاشبہ ہمارا وطن ہے ہم اور ہمارے آباؤ اجداد یہیں پیدا ہوئے یہ ہمارا مادر وطن ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں، لیکن ہم اس وطن کو اپنا معبود نہیں سمجھتے یعنی بھارت کی پوجا نہیں کرتے مسلمان چونکہ خدا کے ایک ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اس لئے وہ خدا کے علاوہ کسی اور کی پرستش نہیں کرسکتے اس لیے مسلمانوں کو اس گیت سے مستثنیٰ رکھا جائے اب بھارت ماتا کی جے کا نعرہ لگانے پر مجبور کیا جا رہا ہے دراصل بھارت ماتا اہل ہنود کے عقیدہ کے مطابق ایک دیوی ہے جس کی وہ پوجا کرتے ہیں بھارت ماتا دیوی کو یہ لوگ ہندوستان کی مالک ومختار اور متصرف سمجھتے ہیں یہ عقیدہ بلاشبہ شرکیہ عقیدہ ہے اسلام کے ماننے والے مسلمان

کبھی وحدانیت کے خلاف نعرے سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے ہندوستان کے قانون کے مطابق ہندوستان کے ہر شہری کو مذہبی آزادی دی گئی ہے کسی فرقہ پرست کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قانون کے خلاف کوئی کام کرے اور دوسروں کو غیر قانونی کام پر مجبور کرے بہر حال بھارت ماتا کی جے کہنے والوں کے نزدیک اس کے مفہوم میں وطن کی پرستش شامل ہے اس لیے کسی مسلمان کے لیے ایسا نعرہ لگانا جائز نہیں۔فقط واللہ اعلم (۱)

الغرض یہ مشرکین کا مذہبی نعرہ ہے ان کے عقیدہ پر مبنی ہے، توحید و وحدانیت سے متصادم ہے اسلامی عقیدہ کے معارض ہے پھر یہ نعرہ لگانے میں کفار کے ساتھ معبودان باطلہ کی تعظیم اور شعائر کفر کے اظہار و ترویج میں تشبہ بھی ہے اس لیے بحالت اختیار کسی مسلمان کے لئے قطعاً اس طرح کا نعرہ لگانا جائز نہیں ہے۔

(۱) مجریہ ۱۱؍جمادی الاخری ۱۴۳۷ھ

وندے ماترم کا قضیہ

اسلام کا بنیادی عقیدہ عقیدۂ توحید ہے تمام انبیاء و رسل کا بنیادی مقصد بعثت، جملہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا کلیدی اور مرکزی عنوان، وحدانیت کی تعلیم ہے سب نے یہی بتایا ہر ایک نے یہی سکھایا کہ خالق و مالک، مستحق عبادت، لائق پرستش، صرف اور صرف خدائے وحدہ لاشریک کی ذات ہے۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه انه لا اله الا انا فاعبدون

دنیا کی بڑی سی بڑی چیز خواہ وہ نفع رسانی یا ضرر رسانی میں کتنی ہی خطرناک اور عظیم ہو وہ مخلوق ہے اپنے وجود و عدم اور تاثیر و تاثر میں کسی کے اشارے کی محتاج ہے یہ چوڑی چکلی زمین، بلند و بالا آسمان، ہلتے ڈولتے، جھومتے گاتے، اونچے درخت، بل کھاتے اچھلتے کودتے ندی نالے، فلک شگاف میخوں کے مانند مضبوط گڑے پہاڑ، لوہے کو پگھلا کر موم کر دینے والی آگ، عمارتوں کو بہالے جانے والا سیلاب بلاخیز، شور مچاتی سمندر کی موجیں، دہاڑتے درندے، اڑتے پرندے، چنگھاڑتے ہاتھی، پھنکارتے اژدہے، رینگتے کیڑے، گرتے آبشار، برستے بادل، پھولوں کی مہک، بلبل کی چہک، کلیوں کی چٹک، غنچوں کی لچک، پوروں کے نشان، بھانت بھانت کے انسان، امیر و غریب رعایا و حکمران، غرض دنیا کی ہر شے مظاہر قدرت دلائل قدرت میں سے ہے جو بانگ دہل یہ اعلان کر رہی ہے کہ رنگ و نور کے اس سیلاب کے پیچھے ایک حکیم و دانا خالق و مالک

اور مصور کا دست قدرت کارفرما ہے۔

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی تبدیلی میں اور کشتی میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا پھر اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندگی بخشی اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل جو آسمان اور زمین کے درمیان حکم کے پابند ہیں ان سب میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

قرآن کریم کی بے شمار آیات اور فرامین نبوت کی سینکڑوں روایات میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ کائنات کی چھوٹی بڑی، کمزور اور طاقتور ہر چیز کا خالق اور پیدا کرنے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا، يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (۲)

(۱) سورہ بقرہ آیت ۱۶۴ (۲) المائدہ: ۱۷

اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت، اور جو کچھ
اُن دونوں کے درمیان ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور
اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔)

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ. (الانعام: ۱۰۱)

اور اُس نے ہر چیز بنائی اور وہ سب باتوں سے واقف ہے۔)

ذلكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ، لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ. (الانعام: ۱۰۲)

(یہی اللہ تمہارا رب ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، سوتم اُسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ. (ابراهيم: ۱۹)

کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان اور زمین جیسے چاہے بنائے۔)

آمَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا به حدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَهٌ مَعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْم يُعْدِلُونَ. (النحل: ٦٠)

(بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتار دیا تمہارے لئے
آسمان سے پانی، پھر ہم نے اُگائے اُس سے رونق والے باغ
تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم اُن کے درخت اُگاتے، آب
(تمہیں بتاؤ کہ) کیا کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ کوئی نہیں،
وہ لوگ راہ سے مڑے ہوئے ہیں۔)

ان آیات سے معلوم ہو گیا کہ مذہب اسلام کسی بھی مخلوق کو خالق کے مقام پر ہرگز دیکھنا نہیں چاہتا۔ مخلوق خواہ کتنی ہی قابل احترام ہو، حتی کہ نبی، ولی یا

قطب ہی کیوں نہ ہو؟ اُس کے ساتھ خالق والا معاملہ روا نہیں رکھا جا سکتا۔
کسی مخلوق کو خالق کی صفات خاصہ دینا یا اس میں شریک ٹھہرانہ اسلامی اصطلاح میں شرک کہلاتا ہے جو نا قابل معافی جرم ہے۔
ان الله لا يغفر ان يشرك به اسے کائنات کا سب سے بڑا پاپ کہا گیا ہے يا بني لا تشرك بالله ان الشرك لظلم عظيم
اسلام میں خدا کے بعد سب سے مقدس رتبہ ومعزز مقام خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ایک مسلمان کا اپنے نبی کے ساتھ شیفتگی وارفتگی اور دیوانگی کی حد تک والہانہ تعلق ہوتا ہے ہر عاشق نبی کی یہ قلبی آواز ہوتی ہے کہ:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

لیکن اس کے باوجود کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نبی کو بھی خدا کی صفات خاصہ میں شریک کرے نہ آپ کی عبادت کی جائے گی نہ سجدہ کیا جائے گا، خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اپنے مالک کی شکایت کرنے لگا تو حضرات صحابہ کرام نے یہ منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ یہ حیوان لا یعقل ہو کر آپ کے سامنے سر بسجود ہے تو ہمیں بدرجہ اولی آپ کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہیے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عابد و معبود خالق و مخلوق ساجد و مسجود کے فرق کو بڑے خوبصورت اور جامع الفاظ میں بیان فرماتے ہوئے اس عمل سے سختی سے منع کیا: لا ينبغي لبشر ان يسجد لبشر۔ (۱)

(۱) دلائل النبوة ۶/۱۹

پھر کسی مسلمان کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ وطن کو معبود کا درجہ دے کر اس کی وندنا اور عبادت کرے گا یا اسے تسلیم کریگا۔

وطن کی محبت فطری جذبہ

اور یہ اس کی وطن دوستی اور ملک سے محبت کے منافی نہیں ہے کیونکہ اپنے وطن سے محبت انسان کا فطری جذبہ اور جبلی اقتضاء ہے جس طرح ایک انسان اپنے ماں باپ بھائی بہن اور بیوی بچوں سے محبت کرتا ہے اسے اس محبت کے سکھانے سمجھانے کی ضرورت نہیں پیش آتی نہ کسی سے محبت کا سرٹیفکٹ لینے کی ضرورت ہوتی ہے بالکل اسی طرح وطن سے محبت بھی فطری اور جبلی ہے۔

پھر ایک مسلمان تو اس میں دوسروں سے زیادہ حساس اور بڑھا ہوا ہے کیونکہ اس کے لیے ملک سے محبت فطری ہونے کے ساتھ ساتھ شرعی اور عقلی بھی ہے اس کے نبی نے اسے اپنے وطن کی مٹی سے پیار کرنا سکھایا چنانچہ ہجرت کے موقع پر مکہ کو مخاطب فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ وطن کے تئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبات کا بہترین غماز ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما اطيبك من بلدة واحبك الي ولولا ان قومي اخرجوني منك ما سكنت غيرك۔ (۱)

جب آپ نے مدینہ کو مستقل وطن بنالیا تو اس کی محبت بھی آپ کے اعمال واقوال سے چھلکتی نظر آتی ہے آپ نے مدینہ کی محبت بسنے کی دعائیں مانگی ہیں مدینہ کی اشیاء ناپ تول کے پیمانوں میں برکت کی دعائیں کی ہیں شروع میں مدینہ کی آب وہوا خراب تھی آپ ہی کی دعا کی برکت سے وہ صحیح ہوئی اور وہ یثرب سے طیبہ اور مدینۃ الرسول بنا۔

---

(۱) صحيح ابن حبان رقم ۳۷۰۹

اللهم حبب الينا المدينه كما حببت الينا مكة واشبه اللهم بارك لنا في صاعها ومدها وانقل وبادها الى مهيعتة (وهي الجحفة) (١)

سفر سے واپسی کے موقع پر وطن کے مکانات اور راستے دیکھ کر شدت اشتیاق میں سواری تیز کرنے کی بات تو امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں ذکر کی ہے اور راوی حدیث نے اس عجلت کی وجہ غایت محبت اور شدت شوق ہی ذکر کی ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قدم من سفر فابصر درجات المدينة اوضع ناقته وان كانت دابة حركها قال ابو عبدالله زاد الحارث بن عمير عن حميد حركها عن حبها۔ (٢)

کیا ایسی ہستی کے نام لیوا مسلمانوں کے لیے کسی سے وطن دوستی کا سبق پڑھنے کی ضرورت ہے پھر یہاں ہمارے آباؤ اجداد کے مزارات ہیں ان کے لہو سے لہلہاتی زمین یہ تاج محل کی رعنائی و دلکشی وہ قطب مینار کی بلندی و خوبصورتی یہ لال قلعہ کی فصیلیں ہمیں عقلی طور پر اپنے پرکھوں کے چمن اور ان کے گلستاں سے لگاؤ محبت فریفتگی شیفتگی کے نغمے سنا رہی ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ یہ گیت مشرکانہ ہے اسلامی عقائد و تصورات کے خلاف ہے بلکہ اس کی مرکزی عقیدہ عقیدۂ توحید کے منافی ہے اس لئے مسلمان اسے کسی قیمت پر قبول نہیں کرسکتا یہی وجہ ہے کہ آزادی سے قبل سے لے کر آج تک مسلمانوں نے قانونی دائرے میں رہتے ہوئے اس کے خلاف جدوجہد جاری رکھی ہے اور آواز بلند کرتے رہے ہیں بہت سے برادران وطن نے اس آواز کا ساتھ دیا اور اس گیت کو مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف گردانا۔

---

(١) صحيح ابن حبان عن عائشه رقم/٦٠٠٥

(١) بخاري شريف

چنانچہ پنڈت جواہر لال نہرو اس کو قومی ترانہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ سبھاش چندر بوس باوجود بنگالی ہونے کے اس بنگالی گیت کے مخالف تھے انڈین نیشنل کانگریس نے بعض اجزا کو فرقہ وارانہ اور متنازع قرار دیکر حذف کر دیا تھا آل انڈیا طلبا یونین نے بھی یہ فیصلہ کیا تھا کہ یہ ترانہ فرقہ وارانہ جذبات کے باعث جذبات کو مشتعل کرتا ہے، اسلئے طلبہ کے اجتماعات کیلئے موزوں نہیں۔(۱)

بنگال کے مشہور سوشلسٹ لیڈر جو اپنی صاف گوئی کے لئے کانگریس میں مشہور تھے مسٹر ایم این رائے نے کہا تھا وندے ماترم کے خلاف مسلمانوں کی نکتہ چینی صحیح بنیاد پر قائم ہے۔ ڈاکٹر لوہیا آنجہانی جو اس وقت کانگریس میں تھے، کہا تھا آنند مٹھ ناول ہماری قومی تحریک پر ایک داغ ہے۔ اس میں ایک جملہ ہے اب انگریز آ گئے ہیں ہماری جان و مال کو امان ملے گی اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ ناول جس کے اندر یہ گیت شامل ہے ہماری قومی تحریک کے لئے بھی شرمناک ہے۔(۲)

تاریخی حقیقت

اگر اس کی تاریخی حقیقت اور ترتیب کے پس منظر پر غور کیا جائے تو اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ یہ خالص مشرکانہ نظریات وتہذیب کی ترجمانی کرتی ہے؛ چنانچہ بنگلہ زبان کے مشہور شاعر و ادیب اور معروف ناول نگار بنکم چندر چٹر جی نے ۷ رنومبر ۱۸۷۵ کو اسے لکھا تھا شروع میں یہ نظم گوشہ گمنامی میں پڑی رہی بنکم چندر جی نے ۱۸۸۲ عیسوی میں مشہور ناول آنند مٹھ لکھی تو اس میں

(۱) اسٹیٹسمین ۱۲ دسمبر، ۱۹۳۸ء

(۲) وندے ماترم کی حقیقت مرتبہ ابو محمد صدیقی ص: ۳، ۴

اس گانے کو بھی شامل کیا اس کے بعد رابندر ناتھ ٹیگور نے کلکتہ میں منعقدہ کانگریس کے ایک اجلاس میں ۱۸۹۶ کو اس ترانہ کو گایا اسے دھن اور آواز دی تو پھر یہ گیت مشہور ہوا مذکورہ ناول فرضی کہانیوں اور خیالی کردار پر مشتمل ہے جو فرقہ پرستی انگریزوں کی حمایت اور وطن دشمنی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

ناول کا ہیرو ایک سنیاسی ہے جس کے ذریعہ داستان بیان کی گئی ہے اسکا نام بھوانندہ ہے۔ وہ اپنے مشن کے لئے لوگوں کو بھرتی کرتا ہے اس دوران اس کی ملاقات ایک نوجوان مہندر سے ہوتی ہے اس کو وہ وندے ماترم کے معنی سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب تک اس ملک سے مسلمانوں کو نہ نکال دیا جائے نہ تیرا دھرم محفوظ ہے اور نہ تو اپنے دھرم پر قائم رہ سکتا ہے۔ تب مہندر پوچھتا ہے کیا تم تنہا مقابلہ کرو گے؟ بھوانندہ جواب دیتا ہے جب ۳۰ کروڑ آوازیں بلند ہونگی جب ۶۰ کروڑ تلواریں دونوں ہاتھوں میں ہونگی کیا اتنی قوت ہوتے ہوئے بھی ہماری ماتا کمزور ہوسکتی ہے۔

وندے ماترم کا تیسرا بند ملاحظہ کیجئے تب بھی مہندر کو اطمینان نہیں ہوتا تو بھوانندہ کہتا ہے۔ مسلمانوں کی قوت تیری کاہلی اور سستی ہے انگریز جنگ سے نہیں بھاگتا چاہے اس کی جان خطرہ میں ہو مگر مسلمان ایسا بزدل ہے ذرا سے خطرہ کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا، پسینہ آتے ہی بھاگ نکلتا ہے، دوسری صبح بھوانندہ مہندر کو آنند مٹھ لے جاتا ہے۔ مندر کا برہمچاری مہنت اس کو لے کر مندر کے اندر جاتا ہے مندر نیم روشن ہے لیکن مندر میں جانے کا راستہ تاریک ہے، مہندر مندر میں داخل ہوتا ہے وہ دیکھتا ہے وشنو کی بڑی مورتی کے ایک ہاتھ میں سنکھ دوسرے ہاتھ میں رنگ (کڑا) تیسرے میں ڈنڈا چوتھے ہاتھ میں کنول اس کے دائیں جانب لکشمی بائیں جانب سرسوتی کی مورتی ہے وشنو کی مورتی کی گود

میں اوراس کے چرنوں میں خون آلود سر دکھائے گئے ہیں۔ برہمچاری پوچھتا ہے تو نے کیا دیکھا؟ مہندر کہتا ہے ہاں مگر وہ کون ہے؟ برہمچاری کہتا ہے) وہ ماتا ہے وندے ماترم کہو۔

مہندر کو ایک اور کوٹھری میں لے جایا جاتا ہے۔ یہاں درگا دیوی کی مورتی ہے بہت بڑی اور شاندار برہمچاری کہتا ہے ہم تجھے ڈنڈوت کرتے ہیں اے ماتا درگا جس کے دس ہاتھ ہیں تو لکشمی ہے جو کنول میں رہتی ہے اور تو دانی ہے جو ہمیں علم دیتی ہے۔ وندے ماترم کا چوتھا بند ملاحظہ فرمائیں اب مہندر میں تغیر پیدا ہوتا ہے خون میں قسم کھانے کی حرارت پیدا ہوتی ہے اب وہ کہتا ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں۔ ناول کے تیسرے حصے کے آٹھویں باب میں قتل وخون لوٹ مار کے واقعات بیان کئے گئے ہیں جس سے ہندو ویروں میں بھارت ماتا کی سیوا کا ایسا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرتے ہیں۔ مسلمان ہر طرف سے جان بچا کر بھاگ رہے ہیں ایک شور برپا ہے مسلمانوں کو مارو لوٹو کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ وندے ماترم کا نغمہ فضا میں بکھر رہا ہے ماتا کے سیوکوں سے یہ بات کہلوائی۔

جا رہی ہے جو دراصل ناول لکھنے کی غرض ہے۔" بھائی وہ دن کب آئے گا جب ہم مسجدوں کو مسمار کریں گے اور انکی جگہ رادھے اور مہادیو کے مندر بنائیں گے، آخر میں آنند مٹھ کا ہیرو اپنے سیوکوں سے کہتا ہے۔ اب انگریز آگئے ہیں ہماری جان و مال کو امان ملے گی۔ (۱)

کیا اس پس منظر کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں صرف وطن دوستی کی بات ہے کسی کے مذہب کے خلاف کچھ بھی نہیں ہے یہ تجاہل عارفانہ ہے خود

(۱) وندے ماترم کی حقیقت مرتبہ ابو محمد صدیقی ص:۶، ۷

رابندر ناتھ ٹیگور جنہوں نے اس ترانہ کو آواز دی اس کا دھن بھی بنایا تھا جب اس نظم کو قومیت کی علامت بنا کر پیش کیا جانے لگا تو انہوں نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے ۱۹۳۷ میں سبھاش چندر بوس کو ایک خط بھی لکھا کہ وندے ماترم کا بنیادی عقیدہ دیوی درگا کی پرستش ہے اور یہ اتنا واضح ہے کہ اس پر کسی قسم کی بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے بے شک بنکم نے درگا کو متحدہ بنگال کی ایک علامت کے طور پر پیش کیا ہے مگر کسی مسلم سے یہ توقع نہیں کی جانی چاہیے کہ وہ حب الوطنی کے نام پر دس ہاتھ والی درگا کی عبادت کرے۔(۱)

یہ فشہد شاهد من اهلها کا مصداق وہ اقتباس ہے جو گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کا نمونہ ہے اور ان سیکولرازم کے ٹھیکیداروں کے منہ پر طماچہ ہے جو اس ترانہ میں کفر یہ شرکیہ جراثیم کی کھل کر مخالفت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو خواہ مخواہ الجھنے والے دیش دروہی بھی بتلاتے نہیں رکتے جب کہ اس کو پڑھنے والا معمولی عقل و خرد اور تہذیب و ثقافت کا طالب علم بھی اس سے یہی مفہوم کشید کرے گا جو تشریح ٹیگور نے اپنے خط میں کی ہے۔

چنانچہ ذیل میں اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وندے ماترم کا ترجمہ

تیری عبادت کرتا ہوں اے میرے اچھے پانی، اچھے پھل، بھینی بھینی خشک جنوبی ہواؤں اور شاداب کھیتوں والی میری ماں، حسین چاندنی سے روشن رات والی، شگفتہ پھولوں والی، گنجان درختوں والی، میٹھی ہنسی، میٹھی زبان والی، خوشی دینے والی، برکت دینے والی ماں، میں تیری عبادت کرتا ہوں اے میری ماں

(۱) رابندر ناتھ کے منتخبہ خطوط مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی

تیس کروڑ لوگوں کی پرجوش آوازیں، ساٹھ کروڑ بازو میں سمیٹنے والی تلواریں، کیا اتنی طاقت کے بعد بھی تو کمزور ہے اے میری ماں۔تو ہی میرے بازو کی قوت ہے، میں تیرے قدم چومتا ہوں اے میری ماں۔تو ہی میرا علم ہے،تو ہی میرا مذہب ہے،تو ہی میرا باطن ہے،تو ہی میرا مقصد ہے،تو ہی جسم کی روح ہے،تو ہی بازو کی طاقت ہے،تو ہی دلوں کی حقیقت ہے، تیری ہی محبوب مورتی مندر میں ہے،تو ہی درگا، دس مسلح ہاتھوں والی،تو ہی کملا ہے،تو ہی کنول کے پھولوں کی بہار ہے،تو ہی پانی ہے،تو ہی علم دینے والی ہے، میں تیرا غلام ہوں، غلام کا غلام ہوں، غلام کے غلام کا غلام ہوں، اچھے پھل والی میری ماں ۔ میں تیرا بندہ ہوں، لہلہاتے کھیتوں والی مقدس موہنی، آراستہ پیراستہ، بڑی قدرت والی قائم و دائم ماں، میں تیرا بندہ ہوں۔اے میری ماں میں تیرا غلام ہوں" (یہ اردو ترجمہ، آل انڈیا دینی تعلیمی کونسل لکھنو کا شائع شدہ ہے)۔

اس ترجمہ سے واضح ہے کہ اس گیت میں بہت سی مخصوص صفات الہیہ کو ارض وطن کے لیے ثابت کیا گیا ہے اور وطن کو ایک معبود کی حیثیت دی گئی ہے مقدس، قائم ودائم، بڑی قدرت والی، برکت دینے والی، سکھ دینے والی،تو ہی میرا باطن، علم مقصد وغیرہ جیسے اوصاف ذکر کیے گئے ہیں، جو سراسر شرکیہ وکفریہ ہیں اسی لیے ملک کے موقر دارالافتاؤں نے بھی اسے مشرکانہ اور ملحدانہ گیت ہی قرار دیا ہے، چنانچہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا ایک تفصیلی فتویٰ صدر مفتی حضرت مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی دامت برکاتہم کے قلم سے لکھا ہوا ملاحظہ فرمائیں۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

الجواب وبالله التوفيق

گیت وندے ماترم خالص مشرکانہ اور ملحدانہ ہے۔ یہ گیت اسلامی عقیدہ توحید اور اسلامی تعلیمات کے قطعاً منافی ہے یہ گیت مسلمانوں کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں اور مسلمان بچوں کے لئے اس کا پڑھنا قطعاً حرام ہے یہ گیت دستور ہند میں دی گئی مذہبی آزادی کے بھی خلاف ہے اس کا تیسرا بند فرقہ وارانہ جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے تصنیف کیا گیا ہے۔اس لئے ملک کے تمام مسلمانوں کو اور سیکولر ذہن رکھنے والے تمام انصاف پسند لوگوں کو اس گیت کے خلاف سخت احتجاج کرنا چاہئے۔اس گیت میں خاک وطن کے لئے گیارہ ایسی صفات ثابت کی گئی ہیں جو اسلامی نقطہ نظر سے غیر اللہ کے لئے ثابت نہیں کی جاسکتیں۔

وہ صفات یہ ہیں: (۱) سکھ دینے والی (۲) برکت دینے والی (۳) تو ہی ہمارے بازوؤں کی قوت ہے (۴) تو ہی میرا علم ہے (۵) تو ہی میرا باطن ہے (۶) تو ہی میرا مقصد ہے (۷) تو ہی جسم کے اندر کی جان ہے (۸) دلوں کے اندر تیری ہی حقیقت ہے (۹) بڑی قدرت والی (۱۰) قائم ودائم (۱۱) مقدس۔ اس گیت میں بار بار خاک وطن کا بندہ اور غلام ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے یہ بات بھی اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: لا يقولن احد كم عبدی و امتی كلكم عبيدالله و كل نسائكم اماء الله ولكن ليقل غلامی و جاريتی و فتانی و فتاتي، ولا يقل العبد ربی و لكن ليقل سيدی وفي رواية

ليقل سيدى و مولائي وفي رواية لا يقل العبد لسيده مولائي فان مولاكم الله. (۱)

اس گیت میں مندروں کی تمام مورتیوں کو خاک وطن کا عین قرار دیا گیا ہے یہ خالص مشرکانہ نظریہ ہے نیز اس گیت میں خاک وطن کو درگا دیوی اور کملا دیوی فرض کیا گیا ہے۔ یہ بھی قطعا مشرکانہ عقیدہ ہے۔ اس گیت میں خاک وطن کو ہی دھرم قرار دیا گیا ہے جبکہ مسلمان کا دھرم صرف مذہب اسلام ہے اور اس گیت میں خاک وطن کے سامنے وندنا کی جاتی ہے یعنی سر جھکا کر ہاتھ جوڑ کر سلام کیا جاتا ہے۔ یہ بھی اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ بادشاہ روم کے دربار میں رکوع کی طرح سر جھکا کر داخلے سے انکار کرتے ہوئے ایک صحابی نے فرمایا تھا کہ مجھے کافر کے سامنے رکوع کی طرح سر جھکانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرم آتی ہے کہ میں آپ کو کیا منھ دکھاؤں گا۔

انى استحيي من محمد عليه السلام ان ادخل على كافر على هيئة الركوع۔ (۲)

اور یہ گیت بھارت کے نقشہ پر پھول چڑھا کر شروع کیا جاتا ہے یہ عمل بھی غیر اللہ کی عبادت کے مشابہ ہے اور قطعاً حرام ہے، وطن سے محبت کرنا اور بات ہے اور اس کی پوجا کرنا بالکل دوسری بات ہے، اسلئے وندے ماترم کا گیت مسلمانوں کیلئے کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہر مسلمان پر دینی فریضہ ہے کہ وہ اس گیت کو روکنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرے۔ (۳)

---

(۱) رواه مسلم

(۲) نصاب الاحتساب باب ۴۹ ص: ۹۸

(۳) وندے ماترم کی حقیقت ص: ۲۱۔ ۲۳

مظاہر علوم کا فتوی

بلاشبہ وندے ماترم، مذہب اسلام کے سب سے اہم بنیادی عقیدہ توحید کے یکسر منافی اور قطعا خلاف ہے۔ کیونکہ وندنا کے معنی عقیدت کے ساتھ سر جھکا کر ہاتھ جوڑ کر سلام کرنے کے ہیں جیسا کہ "وندے ماترم کے ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو دینی تعلیمی، کونسل لکھنؤ سے اگست ۱۹۹۸ء کو شائع ہو چکا ہے صفت خاصہ الٰہیہ کا غیر اللہ میں اعتقاد شرک ہے۔ وندے ماترم کے فقرہ اور اس کے پورے گیت میں اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات مخصوصہ کو ارض وطن (بھارت کی دھرتی) کے لئے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ اعتقاد بلاشبہ شرک میں داخل ہے۔ (۱)

پھر ان سب کے ساتھ یہ برادران وطن کا خاص مذہبی شعار ان کی شناخت قومی وملی پہچان بھی ہے اس لیے اسے پڑھنے میں ان کے ساتھ امور مذہبیہ اور شعائر کفریہ میں تشبہ بھی لازم آتا ہے جو بجائے خود معصیت کبیرہ اور حرام ہے۔

---

(۱) ایضاص:۱۹

وندے ماترم پر ایک نظم

شرک میں ڈوبا ہوا نغمہ ہے وندے ماترم
ہم سمجھتے ہیں خدا کیا ہے، زمیں کیا چیز ہے
پھر بھلا اس گیت پر کیسے کریں سر اپنا خم
یہ زمیں اللہ کی ہے، حمد تو بس اس کی ہو
حمد کے لائق وہی ہے، حمد تو بس اس کی ہو
ذات جو لامنتہی ہے، حمد تو بس اس کی ہو
رات دن حمد وثنا کرتے رہیں پھر بھی ہے کم
شرک میں ڈوبا ہوا نغمہ ہے وندے ماترم

سجدہ غیر اللہ کے آگے سراسر ظلم ہے
سب خدا کہ لائیں دریا، پیڑ، پتھر ظلم ہے
خلق کو سمجھا ہے خالق کے برابر ظلم ہے
جہل نے انسان پر توڑا ہے یہ کیسا ستم
شرک میں ڈوبا ہوا نغمہ ہے وندے ماترم

چاندنی میں جگمگاتی رات ہے اس کی عطا
دھوپ ہے اس کا کرم، برسات ہے اس کی عطا

کیا صبا، کیا پھول، ہر سوغات ہے اس کی عطا
اس کی صناعی سے یہ دھرتی بنی رشک ارم
شرک میں ڈوبا ہوا نغمہ ہے وندے ماترم

جسم وجاں کا ظاہر و باطن عنایت اس کی ہے
علم کے موتی، یقیں کا نور، رحمت اس کی ہے
جرأت اظہار زندہ ہے، ودیعت اس کی ہے
اس کی بخشش ہے تو سچ لکھتا ہے شاعر کا قلم
شرک میں ڈوبا ہوا نغمہ ہے وندے ماترم

تیرے بندوں نے چنا ہے گمرہی کا راستہ
سب بھٹکتے پھر رہے ہیں قافلہ در قافلہ
کر دے ان کے ذہن ودل کی تیرگی کا خاتمہ
روشنی کے سمت یا رب پھیر دے ان کے قدم
شرک میں ڈوبا ہوا نغمہ ہے وندے ماترم

پاک ہو جبر سیاست سے مرا پیارا وطن
سب کو جینے دے محبت سے مرا پیارا وطن
باز آجائے عداوت سے مرا پیارا وطن
ملت اسلام پر لادے نہ وندے ماترم
شرک میں ڈوبا ہوا نغمہ ہے وندے ماترم

انتظار نعیم
جنرل سیکرٹری ادارۂ ادب اسلامی ہند

تضمین از مفتی رومی مدظلہ

فرق کرنا ہے ہمیں ساجد میں اور مسجود میں
فرق کرنا ہے ہمیں عابد میں اور معبود میں
فرق کرنا ہے ہمیں قاصد میں اور مقصود میں
فرق کرنا ہے ہمیں محبوب اور معبود میں
جو موحد ہے، نہیں کہہ سکتا وندے ماترم

بیٹا ہے محبوب، ہم کہتے ہیں بس نور نظر
بیٹی ہے مرغوب کہتے ہیں جسے لخت جگر
بی بی ہے دل کا سکوں آباد اس سے اپنا گھر
یہ سبھی محبوب ہیں معبود کیسے کہہ دیں ہم
ہم مسلماں ہیں نہیں کہہ سکتے وندے ماترم

(۱) وندے ماترم کی حقیقت ص: ۴۳-۴۶

مراجع ومصادر

۱	بخاری شریف	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاري م: ۲۵۶ھ
۲	مسلم شریف	امام ابو الحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري م: ۲٦۱ھ
۳	سنن ابوداوود	امام ابو داوود سليمان بن الاشعث السبحستانی م: ۲۷۵ھ
۴	سنن ترمذی	امام ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذي م: ۲۷۵ھ
۵	مسنداحمد	امام ابو عبدالله احمد بن محمد بن احمد الشيباني م: ۲٤۱
٦	سنن النسائي	ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب بن على النسائي م: ۳۰۳
۷	مصنف ابن ابي شيبه	امام ابو بکر عبدالله بن محمد بن ابراهيم ابي شيبه العبسي م: ۳۳۵ھ
۸	مصنف عبد الرزاق	امام ابو بکر عبد الرزاق بن همام الصنعاني م: ۲۱۱ھ
۹	شرح السنه للبغوي	امام محيى السنه ابو محمد حسين بن مسعود البغوي الشافعي م: ۵۱٦ھ
۱۰	مجمع الزوائد	امام ابو الحسن على بن أبى بكر الشافعي الهيثمي م: ۸۰۷ھ

١١	سنن الدارمي	امام ابو محمد عبدالله بن عبد الرحمن التميمي الداري سمنرقندي م: ٢٥٥ھ
١٢	شرح معاني الاثار	امام ابو جعفر احمد بن محمد الازدي المصري المعروف بالطحاوي م: ٣٢١ھ
١٣	المستدرك	امام ابو عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم النيسابوري
١٤	مسندبزار	امام ابو بكر احمد بن عمرو العتكي المعروف بالبزارم: ٢٩٢ھ
١٥	السنن الكبرى للبيهقي	امام ابو بكر احمد بن حسين البيهقي م: ٤٥٨ھ
١٦	ابن ماجه	امام ابو عبدالله محمد بن يزيد بن ماجه القزوينى م: ٢٧٣ھ
١٧	مشكلات الاثار للطحاوي	امام ابو جعفر احمد بن محمد الازدى المصري المعروف الطحاوي م: ٣٢١
١٨	شعب الإيمان للبيهقي	امام ابو بكر احمد بن حسين البيهقي م: ٤٥٨ھ
١٩	الآحاد و المثانى	امام ابو بكر بن ابي عاصم وهو احمد بن عمرو الشيباني م: ٢٨٧ھ
٢٠	كنز العمال	علامه علاءالدين على المتقي بن حسام الدين الهندي م: ٩٧٥ھ
٢١	نيل الاوطار	علامه محمد بن على بن محمد الشوكاني اليمني م: ١٢٥٠ھ
٢٢	جامع الحديث للسيوطي	علامه عبدالرحمن بن أبي بكر جلال الدين السيوطي م: ٩١١ھ
٢٣	نوادر الاصول	الحكيم الترمذي ابو عبدالله محمد بن على بن الحسن م: ٢٨٥ھ

۲۴	الأوسط لابن المنذر	ابو بكر محمد بن ابراهيم بن منذر النيسابوري م: ۳۱۸ھ
۲۵	مختصر زوائد البزارل ابن حجر	علامه حافظ احمد بن على بن حجرالعسقلاني م: ۸۵۲ھ
۲۶	بلوغ المرام مناولة الاحكام	حافظ احمدبن على بن حجر العسقلاني م: ۸۵۲ھ
۲۷	صحيح ابن حبان	امام حافظ محمد بن حبان بن احمد التميمي الدارمي م: ۳۵۴ھ
۲۸	القول السديد في شرح كتاب التوحيد	عبدالرحمن بن ناصرالسعدي م: ۱۳۷۶ھ
۲۹	المواهب اللدنية	الامام احمد بن محمد القسطلاني م: ۹۲۳ھ
۳۰	دلائل النبوة للبيهقي	ابو بكر احمد بن حسين البيهقي م: ۴۵۸ھ
۳۱	شرح النووى على المسلم	علامه ابو زكريا محى الدين يحى بن شرف النووى م: ٦٧٦ھ
۳۲	شرح ابن بطال	ابن بطال ابوالحسن على بن خلف م: ۴۴۹ھ
۳۳	فتح البارى	علامه حافظ احمد بن على بن حجر العسقلانى م: ۸۵۲ھ
۳۴	عمدة القارى	علامه بدر الدين ابو محمد محمود بن احمدالعينى م: ۸۵۵ھ
۳۵	مرقاة المفاتيح	علامه شيخ على بن سلطان محمد القارى م: ۱۰۱۴ھ
۳۶	نخب الافكار	علامه بدر الدين ابو محمد محمود بن احمد العينى م: ۸۵۵ھ
۳۷	فيض القدير شرح الجامع الصغير	زين الدين محمدعبدالرؤف بن تاج العارفين المناوى م: ۱۰۳۱ھ

۳۸	فیض الباری	امام العصر شیخ محمد انور شاہ کشمیری م: ۱۳۵۲ھ
۳۹	العرف الشذی لمعات التنقیح	علامہ عبد الحق بن سیف الدین دہلوی م: ۱۰۵۲ھ
۴۰	الکوکب الدری	علامہ رشید احمد گنگوہی: ۱۳۲۳ھ
۴۱	بذل المجہود	محدث کبیر شیخ خلیل احمد سہارنپوری م: ۱۳۴۶ھ
۴۲	اوجز المسالک	شیخ محمد زکریا بن محمد یحیی کاندھلوی م: ۱۴۰۲ھ
۴۳	عون المعبود	علامہ ابو الطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی م: ۱۳۲۹ھ
۴۴	تحفۃ الاحوذی	شیخ ابو العلی محمد بن عبد الرحمن مبارکپوری م: ۱۳۵۳ھ
۴۵	سبل السلام	محمد بن اسماعیل امیر الصنعانی م: ۱۱۸۲ھ
۴۶	المجموع للنووي	علامہ ابو زکریا محی الدین یحی بن شرف النووي م: ٦٧٦ھ
۴۷	فتح الباری لابن رجب	علامہ زین الدین عبد الرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی م: ۷۹۵ھ
۴۸	معالم السنن	الخطابی ابو سلیمان احمد بن محمد الخطابی م: ۳۸۸ھ
۴۹	حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ	امام ابو الحسن الحنفی المعروف بالسندی م: ۱۱۳۸ھ
۵۰	شرح السیوطی علی النسائی	علامہ عبدالرحمن بن ابی بکرجلال الدین السیوطی م: ۹۱۱ھ
۵۱	تقریر ترمذی	مفتی تقی عثمانی صاحب
۵۲	درس مشکوۃ	حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب
۵۳	تحفۃ الالمعی	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری م: ۱۴۴۲ھ
۵۴	معارف الحدیث	مولانا منظور احمد صاحب نعمانی م: ۱۳۹۵
۵۵	ارواء الغلیل	شیخ محمد ناصر الدین الألبانی م: ۱٤۲۰

٥٦	حاشية البدر الساری الفیض الباری	مولانا بدر عالم میرٹھی م:۱۳۵۸ھ
٥٧	تکمله فتح الملهم	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بن محمد شفیع عثمانی
٥٨	الصحاح لاسماعیل الجوهري	ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوهری م:۳۹۳ھ
٥٩	لسان العرب	جمال الدین محمد بن امام جلال الدین المعروف بابن المنظور م: ۷۱۱ھ
٦٠	المعجم الوسيط	
٦١	مجموعة من المؤلفين	
٦٢	النهايه لابن الاثير	مبارك بن محمد الجزري بن الاثير م: ٦٠٦
٦٣	غريب الحديث لأبي عبيد	امام ابو عبيد قاسم بن سلام الهروى م: ٢٢٤ھ
٦٤	المغرب للمطرزى	ناصر بن عبد السيدابي المكارم المطرزي م: ٦١٠ھ
٦٥	مختار الصحاح	محمد بن ابي بكر بن عبد القادر الرازي م: ٦٦٦ھ
٦٦	القاموس المحيط	مجد الدين ابو طاهر محمد بن يعقوب الفيروزآبادی م: ٨١٧ھ
٦٧	كشف المشكل من حديث الصحيحين	جمال الدين ابو الفرج عبدالرحمن بن علي بن محمدا لجوزي م: ٥٩٧ھ
٦٨	القاموس الوحيد	مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی
٦٩	المعجم الكبير للطبراني	حافظ ابو القاسم سليمان بن احمد الطبرانى م: ٣٦٠ھ
٧٠	المعجم الصغير للطبراني	....

۷۱	تقريب التهذيب	علامه حافظ احمد بن على بن حجر العسقلانى م: ٨٥٣هـ
۷۲	حلية الاولياء	حافظ ابونعيم احمدبن عبدالله الاصفہانى م: ٤٣٠هـ
۷۳	الجرح والتعديل لأبي حاتم	ابي محمد عبد الرحمن بن أبي حاتم الرازي م: ٣٢٧هـ
۷۴	ميزان الاعتدال الذهبي	شمس الدين ابو عبدالله محمد بن احمد بن عثمان الذهبي م: ٧٤٨هـ
۷۵	الجامع لابن ابي زيد القيرواني	ابو محمد بن عبدالله بن ابو زيد القيرواني
۷۶	فيروز اللغات	مولانا فیروزالدین صاحب م:۱۴۱۵ھ
۷۷	انجيل لوقا	
۷۸	انجيل متى	
۷۹	الموسوعةالفقهيه	مجموعه من العلماء
۸۰	...... غمز عيون البصائر مع الاشباه	مولانا السيد احمد بن محمد الحنفي الحموي م: ١٠٩٨هـ
۸۱	خلاصه الفتاوى	امام أفتخار الدين طاهر بن احمد البخاري الحنفي م: ٥٤٢هـ
۸۲	الملتقط	امام ناصرالدين ابوالقاسم محمدبن يوسف الحسيني السمرقندي م: ٥٥٦هـ
۸۳	فتاوى خانيه	علامه حسن بن منصور المعروف بقاضي خان م: ٥٩٢هـ
۸۴	المغنى لابن قدامه	ابو محمد عبدالله بن احمد بن محمد بن قدامه الحنبلي م: ٦٢٠هـ

۸۵	مجمع الانہر	عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المعروف ب داماد أفندي م: ١٠٧٨ھ
۸۶	بدائع الصنائع	العلامه ابو بكر بن مسعود الكاساني م: ٥٨٧ھ
۸۷	تبيين الحقائق	الشيخ فخرالدين عثمان بن علي الزيلعي م: ٧٤٣ھ
۸۸	المبسوط للسرخسى	شمس الدين ابو بكر محمد بن احمد السرخسي م: ٤٩٠ھ
۸۹	الاستذكار	امام حافظ ابو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر الاندلسي م: ٤٦٣ھ
۹۰	المحيط البرهاني	ابوالمعالي برهان الدين محمدبن احمدبن عبدالعزيز عمرمازة م: ٦١٦ھ
۹۱	حاشيه الطحطاوي على المراقي	علامه احمد بن محمد بن اسماعيل الحطابوي الحنفي م: ١٢٣١ھ
۹۲	فتح القدير	امام كمال الدين محمد بن عبدالواحد السكندري المعروف بابن الهمام م: ٨٦١ ھ
۹۳	مراقي الفلاح	علامه حسن بن عمار بن على الشرنبلالى المصري الحنفي م: ١٠٦٩ھ
۹۴	فتاوى عالمگيري	علامه نظام الدين وجماعة من علماء الهند الاعلام
۹۵	البحرالرائق	زين الدين بن إبراهيم بن محمدبن نجيم المصري م : ٩٧٠ھ-٩٦٩ھ
۹۶	هداية	برهان الدين ابي الحسن على بن أبى بكر الفرغاني المرغيناني م : ٤٩٣
۹۷	تنوير الابصار	محمد بن عبدالله احمد الخطيب التمرتاشي م: ١٠٠٤ھ

٩٨	الدر المختار	علامه محمد بن علاءالدين الحصكفي ١٠٨٨ھ
٩٩	حاشيه ابن عابدين على الدر	خاتم المحققين محمد امين بن عمر عابدين م: ١٢٥٢ھ
١٠٠	تحفة المودود باحكام المولود	امام ابو عبدالله محمد بن ابو بكر بن أيوب بن قيم الجوزية م: ٧٥١ھ
١٠١	مختصر الخليل	علامه خليل بن اسحاق المالكي م: ٧٧٦ھ
١٠٢	الشرح الكبير للشيخ الدردير	محمد بن احمد بن عرفه الدسوقي المالكي م: ١٢٣٠ھ
١٠٣	حاشيه الصاوي على الشرح الصغير	ابو العباس احمد بن محمد الخلوقى المشهور بالصاوي المالكي م: ١٢٤١
١٠٤	الفروع لابن المفلح	محمد بن مفلح المقدسي شمس الدين على بن سليمان م: ٧٦٣
١٠٥	كشاف القناع عن متن الاقناع	منصور بن يونس بن إدريس البهوتى الحنبلي م: ١٠٥١ھ
١٠٦	قواطع الاسلام لابن حجر الهيثمى	امام احمد بن محمد بن على بن حجر الهيتمي السعدي م: ٩٧٤ھ
١٠٧	الحواشي الشرواني	امام عبد الحميد الشرواني
١٠٨	مجموع فتاوى لابن تيميه	علامه تقي الدين احمد بن تيميه ٧٢٨ ھ
١٠٩	مجموع فتاوى لشيخ ابن عثيمين	محمد بن صالح بن محمد على العثيمين. م: ١٤٢١ھ
١١٠	الأحكام في أصول الأحكام	على بن احمد بن سعيد بن حزم الاندلسي. م: ٤٥٦ھ
١١١	التشبه في الاسلام	حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحب علیہ الرحمہ

١١٢	تشبه الخسيس بأهل الخميس	شمس الدين محمد بن احمد بن عثمان بن قايماز الذهبي. م: ٧٤٨هـ
١١٣	منح الروض الازهر	علامة شيخ على بن سلطان محمد القاري م: ١٠١٤هـ
١١٤	التشبه المنهى عنه	الشيخ جميل بن حبيب اللوى حق
١١٥	أحكام الأحكام في شرح عمده الأحكام	محمد بن على بن وهب ابن دقيق العيد. م: ٩١١هـ
١١٦	الأوسط لابن المنذر	ابو بكر محمد بن ابراهيم بن منذر النيسابورى م: ٣١٨هـ
١١٧	الفتح الرباني	احمد بن عبدالرحمن بن محمد البنا الساعاتى م: ١٣٧٨هـ
١١٨	غذاء الالباب للسفاريني	محمد بن احمد بن سالم السفاريني الحنبلي. م: ١١٨٨هـ
١١٩	مراتب الإجماع لابن حزم	ابو محمد علي بن احم دبن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبى م: ٤٥٦هـ
١٢٠	أحكام اهل الذمه	امام شمس الدين محمد بن ابو بكر بن قيم الجوزيه م: ٧٥١هـ
١٢١	حسن التنبه لما ورد في التشبه	نجم الدين محمد بن محمد العامري القرشي الغزي. م: ١٠٦١هـ
١٢٢	اقتضاء الصراط المستقيم	احمد بن عبدالحليم بن عبدالسلام ابن تيميه. م: ٧٢٨هـ
١٢٣	مغني المحتاج	شمس الدين محمد بن احمد الخطيب الشربينى م: ٩٧٧هـ
١٢٤	كتاب الهند للبيروني	ابو الريحان محمد بن احمد البيروني. م: ٤٤٠هـ

۱۲۵	نصاب الاحتساب	عمر بن محمد بن عوض السنامی
۱۲۶	الفروسیه لابن القیم	محمد بن ابي بكر المعروف بابن القیم الجوزیه. م: ۷۵۱ھ
۱۲۷	امداد المفتیین	مفتی محمد شفیع دیوبندی م:۱۳۹۵ھ
۱۲۸	امداد الاحکام	المحدث الناقد علامه ظفر احمد بن لطیف احمد عثمانی تهانوی
۱۲۹	فتاوی رحیمیه	مفتی عبدالرحیم لاجپوری م:۱۴۲۲ھ
۱۳۰	احسن الفتاوی	حضرت مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی م:۱۴۲۲ھ
۱۳۱	فتاوی دارالعلوم زکریا	حضرت مفتی رضاالحق صاحب
۱۳۲	امداد الفتاوی	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی بن عبدالحق التھانوی م:۱۳۶۲ھ
۱۳۳	جواہر الفقه	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی م:۱۳۹۵ھ
۱۳۴	فتاوی محمودیه	محمود بن مولانا حامد حسن بن حاجی م:۱۴۱۷ھ
۱۳۵	آپ کے مسائل اور انکا حل	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی
۱۳۶	کفایت المفتی	مفتی کفایت اللہ دہلوی م:۱۳۷۲ھ
۱۳۷	جدید فقہی مسائل	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب
۱۳۸	فتاوی حقانیه	حضرت مولانا عبدالحق صاحب
۱۳۹	کتاب النوازل	حضرت مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
۱۴۰	فتاوی رشیدیه	حضرت مفتی رشید احمد گنگوہی م:۱۳۲۳ھ
۱۴۱	اوزان محموده	ابوالکلام شفیق قاسمی مظاہری
۱۴۲	مردوں کے لباس کے شرعی احکام	
۱۴۳	اصلاح الرسوم	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی بن عبدالحق تھانوی م:۱۳۶۲ھ
۱۴۴	فرہنگ آصفیہ	سید احمد دہلوی

۱۴۵	مغل شہنشاہوں کے شب و روز ۔۔۔۔۔	سید صباح الدین عبدالرحمن
۱۴۶	ماہ محرم الحرام کے فضائل واحکام	مولانا مفتی رضوان صاحب راولپنڈی
۱۴۷	روحالمعاني	ابو الدين محمد بن عبدالله الحسيني الالوسي م: ۱۲۷۰ ھ
۱۴۸	تفسير ابن كثير	ابو الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير القرشي م: ۷۷٤ھ
۱۴۹	تفسير الطبري	ابو جعفر محمد بن جرير الطبري م: ۲۲٤ھ
۱۵۰	تفسير بيضاوى	القاضي نصرالدين ابو سعيد عبدالله بن عمر بن محمد البيضاوي م: ٦٨٥ھ
۱۵۱	بيان القران	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی بن عبدالحق تھانوی م: ۱۳۶۲ھ
۱۵۲	تفسير عثماني	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب م: ۱۳۶۹ھ
۱۵۳	آسان ترجمه القران	مفتي تقي احمد عثماني صاحب
۱۵۴	سيرة المصطفى	حضرت مولانا ادریس بن محمد اسماعیل کاندھلوی
۱۵۵	أحكام القرآن للتهانوى	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی
۱۵۶	اسلامي تہذيب و تمدن	حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ
۱۵۷	ارشادات حكيم الامت	پروفیسر مسعود احسن علوی
۱۵۸	مستقبل کی بازیافت	ڈاکٹر راشد شاز
۱۵۹	تہذيب الاخلاق	مدیر سر سید احمد خان
۱۶۰	اصول تکفیر	مولانا مفتی عبید الرحمن
۱۶۱	اسلام شاہراہ اعتدال	مولانا محمد معاویہ سعیدی صاحب
۱۶۲	ذکر و فکر	مفتی تقی بن مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب
۱۶۳	ویلن ٹائن ڈے	
۱۶۴	اسلام اور ہماری زندگی	مفتی تقی عثمانی صاحب

۱۶۵ یوم محبت

۱۶۶ کرسمس کی حقیقت

۱۶۷ کرسمس عیسائیوں سے مسلمانوں تک

۱۶۸ بائبل سے قران تک

۱۶۹ بریٹانیکا پندرہواں ایڈیشن

۱۷۰ بسنت کیا ہے مفتی ابولبابہ شاہ منصور

۱۷۱ بسنت اسلامی ثقافت اور پاکستان

۱۷۲ ہندو تہواروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت

۱۷۳ ہندو تہواروں کی دلچسپ اصلیت

۱۷۴ تاریخ گوردوار

۱۷۵ ٹرانسفارمیشن آف سکھ

۱۷۶ وندے ماترم کی حقیقت

۱۷۷ رابندرناتھ کے منتخب خطوط

۱۷۸ روزنامہ منصف حیدرآباد

زیر نظر کتاب غیروں کی مشابہت عزیز القدر مفتی محمد ثاقب فتح پوری استاد فقہ وحدیث مدرسہ چیتا کیمپ ممبئی نے اسی موضوع پر ترتیب دی ہے اور اس میں عقائد وعبادات سے لے کر تمام شعب حیات کے وہ پہلو احادیث اور فقہ کی کتابوں سے تلاش کر کر کے ابواب فقہیہ کی ترتیب پر جمع کئے ہیں جن میں کسی بھی طریقے سے غیروں سے مشابہت اور تشبہ پایا جاتا ہے جزئیات کو احادیث، فقہی عبارات، شارحین حدیث کے اقوال سے مزین کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں وجہ شبہ بھی بیان کیا ہے۔ ہماری نظر میں اس موضوع پر اس قدر مفصل، مرتب و مدلل اردو میں شاید یہ پہلی کتاب ہے جو موصوف کی لمبی مدت کی محنت ومشقت کا نچوڑ ہے۔

نائب امیر الہند حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
استاد حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

محب عزیز مولانا محمد ثاقب فتحپوری قاسمی بارک اللہ فی حیاتہ وجہودہ کی یہ کتاب امید ہے کہ ان شاء اللہ اس ضرورت کو پورا کرے گی اس میں مصنف نے تشبہ سے متعلق حدیث کی بڑی عمدہ تحقیق کی ہے، تشبہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیے ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے اور موجودہ دور میں تشبہ کی جو صورتیں پائی جاتی ہیں ان کے فقہی احکام کے اصول کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو کچھ لکھا ہے حدیث اور فقہ کی مستند کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے اور رائے قائم کرنے میں اعتدال سے کام لیا ہے، زبان بھی عام فہم اور سہل ہے، یہ حقیر ابھی سفر میں ہے اس لئے پورا مسودہ تو نہیں دیکھ پایا، لیکن جا بجا دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور احساس ہوا کہ ایک بہتر کام ہو گیا ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

مکتبۃ الحرمین دیوبند
MAKTABA AL HERMAIN DEOBAND
PIN-247554 U.P. India PH:8979354752
Email: abdurraziqkh01@gmail.com